گلشنِ بے خار

فارسی

مصنّف

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

مُترجم

حمیدہ خاتون

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔۱، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

گلشنِ بے خار

گلشنِ بے خار

فارسی

مصنّف

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

مُترجم

حمیدہ خاتون

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔۱، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

Gulshan-e-Bekhar

By : Mustafa Khan Shefta

سنہ اشاعت : اپریل، جون 1998 شک 1920

پہلا اڈیشن : 1100

قیمت : 128/-

سلسلہ مطبوعات : 793

ناشر : ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان

ویسٹ بلاک ا، آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی، 110066

طابع : فہمی کمپیوٹر، دین دنیا ہاؤس، 900 جامع مسجد دہلی۔6 ٹیلیفون : 3280644

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظرِ ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

ترتیب

انتساب

اپنے شوہر

عَبدُ الخَالِق صاحب

کے نام

جنھوں نے قدم قدم پر رہ نمائی کی

گلشنِ بیخار

تذکرہ اشعار زبان اُردو

من مؤلفاتِ

نواب مصطفیٰ خان بہادر تخلص بہ شیفتہ خلف الصدق عظیم الدولہ
سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر مظفر جنگ

در مطبع

لتھوگرافک [illegible] پریس باہتمام مولوی محمد باقر سپرنٹنڈنٹ مطبع شد

کاتب	سنہ ہجری نبوی ۱۲۵۳	پریس مین
سید مراد علی	سنہ ۱۸۳۷ عیسوی	رام پرشاد

(گلشنِ بیخار کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۳۷ء رضا لائبریری رام پور کا سرورق)

اظہارِ تشکّر

میرے لیے مقامِ شکر ہے کہ میری پہلی کوشش "ترجمہ نکات الشعراء" کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ۱۹۹۴ء کے اواخر میں شائع ہونے والے میرؔ کے اِس فارسی تذکرہ کے اردو ترجمہ پر دہلی، حیدرآباد، بمبئی، کلکتہ، بنگلور اور ہندوستان کے کئی دوسرے شہروں سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل کے اِس کتاب پر طویل اور سیر حاصل تبصروں نے میری بے پناہ ہمّت افزائی کی ہے۔ اِن تبصروں میں جن کوتاہیوں اور فروگزاشتوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان کے اعادہ سے گریز کا پورا خیال کیا ہے اپنی زیرِ نظر کتاب "گلشنِ بے خار" کے ترجمہ میں۔

"ترجمہ نکات الشعراء" کے سلسلے میں اپنے تمام قارئین کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کے لیے ممنون ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ ان کو کتاب پسند آئی اور میری محنت کامیاب ہوئی۔

"ترجمہ نکات الشعراء" کی مقبولیت اور ہندوستان کے فارسی ادب سے لگاؤ نے مجھے پھر آمادہ کیا کہ تذکرہ نویسی کی دوسری سب سے اہم کتاب کے اردو ترجمہ کا بیڑہ اٹھاؤں۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کی مایہ ناز تخلیق "گلشنِ بے خار" بلاشبہ تذکرہ نویسی کی علی الترتیب ایک ——— اہم دستاویزی کتاب ہے جس میں شیفتہ نے فارسی زبان میں اردو کے اہم شعراء کے احوال و کوائف قلم بند کیے ہیں اور ساتھ میں انکی شاعری کے نمونے

اور منتخب اشعار بھی۔

جہاں تک مجھے علم ہے "تذکرہ گلشن بے خار" کا اردو ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ "ترجمہ نکات الشعراء" گو کہ ترجمہ کی پہلی با قاعدہ سعی تھی اور اپنی بساط میں پوری کوشش تھی کہ کسی پہلو سے کوئی کمی نہ رہ جائے تاہم کوتاہی انسانی فطرت ہے۔ اِس کتاب پر شائع تبصروں سے بھی رہ نمائی ملی ہے۔

میں ان احباب کی تہہ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے اِس کام میں میری مدد اور رہ نمائی کی۔

رضا لائبریری رام پور سے مجھے "گلشن بے خار" کا نسخہ دستیاب ہوا جس کے لیے محترم وقار احمد صدیقی صاحب (او ایس ڈی) اور جناب اکبر عرشی زادہ کی مرہون منت ہوں جنھوں نے بہت مدد کی، ساتھ ہی لائبریری کے اور کارکنوں کا شکریہ ادا کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔

جناب انوار رضوی صاحب اور ان کی بیگم محترمہ قمر زہرہ کا شکریہ کن الفاظ میں کروں جنھوں نے ہر قدم پر مدد کی۔ جناب انوار رضوی صاحب نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے نصوص دیکھنے کی زحمت اٹھائی اور اپنی بے پناہ دفتری اور ادبی مصروفیات کے باوجود بہت سا گراں قدر وقت ترجمہ کو اِس شکل میں لانے میں صرف کیا۔ اُن کے بیٹے یاسر علی اور اسد علی کا شکریہ کرنا بھی ضروری سمجھتی ہوں جنھوں نے طباعت سے متعلق بہت سے کاموں میں میری مدد کی۔

اپنے شوہر جناب عبد الخالق صاحب کی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے اخلاقی مدد کے علاوہ عربی مہارت کی بیش بہا معلومات سے فائدہ بہم پہنچایا۔ مصنف کی عبارت نہ صرف فارسی استعارات سے پُر ہے بلکہ اس میں عربی زبان کی تعبیرات اور ضرب الامثال کی کثرت سے آمیزش ہے جس طرز کے عربی محاورات کا استعمال ہوا ہے وہ بھی خاص کلاسیکی نوعیت کی

ہیں۔ عبدالخالق وزارت خارجہ میں شعبۂ حج کے صدر (او ایس ڈی) ہیں بے پناہ مصروف رہتے ہیں۔ اپنی سرکاری مصروفیتوں اور ملاقاتیوں کے جمگٹ سے وقت نکال کر "گلشن بے خار" کی عربی عبارتوں کی عقدہ کشائی ان کے تعاون اور مدد کے بغیر ممکن نہ تھی۔

"گلشن بے خار" کے اردو ترجمہ کا یہ کام بہت پہلے شروع کر دیا گیا تھا مگر کچھ رکاوٹیں تاخیر کا سبب رہی ہیں۔ اِن میں سب سے حسین اور دلفریب رکاوٹ اپنے پانچ سالہ ننھے عادل عباس کی مزاحمت تھی جو وہ اپنے لیے توجہ طلب کرنے اور اپنی اٹھکیلیوں کے لیے اہتمام چاہنے کی شکل میں کرتا رہا ہے۔

میری پھوپھی ارشد زمانی بیگم نے جو ہمت افزائی کی ہے اس کے لیے میں ان کی تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ خدا ان کے سایۂ شفقت ہمیشہ ہمارے سروں پر رکھے۔ والد محترم جناب عظمت اللہ خاں، پھوپھی سلطان جہاں بیگم، بھائی نعمت اللہ خاں، رفعت اللہ خاں اور بہنوں نشاط بی، عفت بی، زبیدہ بی اور تمام اہل خاندان کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ ان کی ہمت افزائی اور میری کاوشوں کو سراہنے سے یہ ترغیب ملی۔

خوشنویس جناب عبدالمنّان کی محنت، کاوشوں اور کتاب کو خوشنما شکل منظر عام پر لانے کے لیے ان کی دیدہ ریزی کے لیے جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ یہ دہلی کی خوشنویسی کی عظیم روایتوں کے نمایاں علمبردار ہیں۔

حمیدہ خاتون

سخن ہائے ناگفتنی

ہمارا تعلق ریاست رام پور (یو پی) کے معزز پٹھان خانوادے سے ہے والد کے دادا نواب عبداللہ خاں ریاست میں وزیر مال تھے۔ میرے پردادا حافظ کرامت اللہ خاں عم ستاخ حسرت موہانی کے زمانے میں نہایت دلیر اور دھاکڑ جیلر گزرے ہیں۔ نانا مرحوم سعید الدین خاں اپنے عہد کے معروف و معزز تحصیلدار تھے۔ سارا خاندان بشمول والدین تعلیم و تربیت کے زیورات سے آراستہ ہے۔ میں نے رام پور میں تعلیم حاصل کی، بعد میں جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی دہلی سے فارسی میں ایم۔ اے کیا، پشتو اور عربی زبانوں میں ڈپلومے حاصل کئے۔ دورانِ تعلیم یونی ورسٹی کی جانب سے ایران کا سفر کیا شوہر جناب عبدالخالق جو اس وقت وزارت خارجہ میں او ایس ڈی جی ہیں ان کا تقرر ہندوستانی سفارت خانہ تریپولی لیبیا میں بحیثیت سیکنڈ سیکریٹری ہوا۔ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۷ء تک وہاں رہے۔ بعد میں ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۱ء تک ہندوستانی سفارت خانہ کویت میں بحیثیت فرسٹ سیکریٹری رہے عراق کویت کی جنگ میں واپس لوٹے۔ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۹۱ء تک کے سالوں میں سعودی عرب، برطانیہ، اٹلی، مالٹا، دمشق، ٹیونس ملکوں کے سفر بھی کئے۔

۱۹۹۱ء سے دہلی میں ہیں۔ ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۶ء تک شوہر اور ننھے عادل کے ساتھ تین مرتبہ الحمد للہ سفر حج کی نعمت سے سرفرازی حاصل ہوئی۔ دیگر مشاغل کے ساتھ آل انڈیا ریڈیو دری فارسی اور اردو زبانوں میں اناؤنسر نیوز ریڈر کی حیثیت سے کام کیا اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

گھر کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا جاری رکھا۔ پچھلے تین سالوں میں دو کتابوں "تذکرہ نکات الشعراء" میر تقی میر اور "گلشن بےخار" مصطفیٰ خاں شیفتہ، فارسی تذکروں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ساتھ ہی بی۔ ایڈ کا امتحان دیا۔ آگے اور بہت کچھ ادبی کام کرنے کا ارادہ ہے۔ شوہر کا تبادلہ انڈین ہائی کمیشن لندن میں بحیثیت کاؤنسلر ہو گیا ہے۔ سفر کی تیاری ہے۔ حسب دستور پردیس میں بھی ادب پر کام جاری رکھنے کا ارادہ ہے۔ دعاؤں کی درخواست ہے۔

نئی دہلی

حمیدہ خاتون
۲۱ اگست ۱۹۹۶

پیش لفظ

اردو میں تذکرہ نویسی میر تقی میرؔ کی مرہون منت ہے۔ ان ہی سے اس فن کا آغاز ہوا اور ان کے بعد اس فن کو ادب کی ایک مستقل صنف کے طور پر رواج ملا۔ گو کہ تذکرے شعراء کے احوال اور نمونۂ کلام پر مشتمل ہوتے ہیں مگر لگتا ہے کہ آج کے نثری ادب میں خاکہ نگاری بھی اسی تذکرہ نویسی کی ایک فروعی شکل ہے۔

اردو شعراء کے تذکرے ہمارے ادب کی تاریخ کا ایک قیمتی سرمایہ ہیں انھیں نظر انداز کرنا اردو ادب اور تاریخ کے ایک اہم باب سے تجاہل برتنے کے مترادف ہے۔ تذکروں کے تئیں عدم اہتمام اور اس عظیم سرمایہ سے لاپرواہی سے زبان و ادب کی ترقی کے زینوں کا سراغ نہ لگ سکے گا اور پھر ماضی، حال اور مستقبل میں بھی کوئی سلسلہ یا رشتہ قائم نہیں رہ پائے گا۔ تذکروں کے توسط سے ادب کی تاریخ اور علمی تحقیق و تنقید کے اہم مراجع و مصادر تک رسائی ہوتی ہے۔ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ سوانح نگاری کا کوئی کام تذکروں کی مدد کے بغیر مشکل ہے۔ ان کی اہمیت کچھ اس طرح ہے کہ ادیب، ناقد، محقق اور مترجم ان کے مطالعے کے بغیر ادبی تحقیق کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے۔ تذکروں کے ذریعہ شاعر اور اس کے ہم عصر ادباء و شعراء اور ان کے احوال و کوائف کے تعلق سے نہایت اہم معلومات کا ایسا سراغ ملتا ہے جو شاید کہیں اور سے حاصل نہ ہوگا۔

تذکروں کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں تمام معروف و مشہور شعرا کے حالات زندگی اور ان کا کلام ایک جگہ مرتب کیا جائے۔ دوسرے تذکرے وہ ہیں جن میں تمام شعرا کا بہترین کلام تفصیل سے قلم بند کیا جائے۔ اور تیسری قسم وہ ہے جس میں شاعری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جائے جس کا مقصد شاعری اور

شعراء کا زمانی ترتیب کے لحاظ سے مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ تذکرہ کی ایک نوع ادبی ہے اس میں شاعری پر مختلف پہلوؤں سے تنقید اور اس کی اصلاح شامل ہے۔

شعرائے اردو کی تذکرہ نگاری کا پہلا دور میر تقی میر سے شروع ہوتا ہے جن کو شاعری کی دنیا میں خود بھی بڑی اہمیت حاصل ہے اور ساتھ ہی تذکرہ نگاری کے فن میں بھی ان کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہے۔ اردو تذکرہ نگاری میں ان کی اولیت اور فوقیت مسلم ہے۔ میر کی تالیف "نکات الشعرا" اردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہے۔

تذکرہ نگاری کی تاریخ سے یہ واضح ہے کہ یہ فن فارسی سے اردو میں منتقل ہوا ہے۔ ابتدائی تذکروں میں فارسی کی نہ صرف گہری آمیزش ہے بلکہ میر تقی میر کی تالیف "نکات الشعراء" اس عصر کے اردو کے شاعروں کا تذکرہ ہونے کے باوجود اس وقت کے رواج کے مطابق فارسی زبان میں لکھا گیا۔ یہ یوں بھی کچھ طبیعی امر ہے کہ اس عہد میں شاعری سے قطع نظر علمی زبان فارسی ہی تھی۔ اس امر کا دعویٰ کہ "نکات الشعراء" اردو کے شاعروں کا پہلا تذکرہ ہے میر تقی میر نے خود اپنے پیش لفظ میں کیا ہے اور بعد کی تحقیق کے مطابق ان کا یہ دعویٰ حق بجانب قرار دیا گیا ہے گو کہ یہ وہی زمانہ ہے جب "مخزن نکات" مؤلف شیخ قیام الدین قائم چاند پوری۔ "تذکرہ ریختہ گویان" مولف سید فتح علی حسن گردیزی اور "گلشن گفتار" مولف حمید اورنگ آبادی بھی لکھے جا رہے تھے مگر سب سے پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا "تذکرہ نکات الشعرا" ہی ہے۔ یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ "نکات الشعراء" لکھتے وقت میر صاحب کے سامنے کوئی اور نمونہ نہیں تھا البتہ فارسی شعراء کے تذکرے وجود میں آچکے تھے۔ میر صاحب کا اردو دنیا پر یہ احسان ہے کہ انھوں نے اپنی اختراعی طبیعت سے "نکات الشعراء" کا بیش بہا تحفہ عنایت کیا اور اردو زبان و ادب کو علم پروری کے ایک نئے اسلوب سے آشنا کیا۔ حالانکہ رواج کے مطابق اس کی عبارت

فارسی میں ہے اور شعرا کے اشعار اردو میں ہیں :-

شعرائے اردو کے چند معروف تذکرے :-

۱۔	نکات الشعراء	میر تقی میر
۲۔	گلشن گفتار	حمید اورنگ آبادی
۳۔	گلشن راز یا تذکرہ ریختہ گویان	سید فتح علی گردیزی
۴۔	مخزن نکات	شیخ قیام الدین قایم چاندپوری
۵۔	گلشن ہند	علی لطف
۶۔	مجموعۂ نغز	قدرت اللہ قادری المتخلص بہ قاسم
۷۔	گلشن بے خار	نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ
۸۔	عیار الشعراء	خوب چند ذکا
۹۔	عمدۃ منتخبہ اعظم الدولہ	میر محمد خان
۱۰۔	گلستان بے خزاں	قطب الدین باطن
۱۱۔	آب حیات مولانا محمد حسین آزاد	۱۲۔ "گلزار ابراہیم" ابراہیم خاں
۱۳۔	طبقات الشعرائے ہندی	مولوی کریم الدین پانی پتی
۱۴۔	گلدستہ نازنیاں (گلدستہ)	ایضاً
۱۵۔	"سخن الشعرا" نساخ	۱۶۔ "گلستانِ سخن"

اردو تذکرہ نگاری اپنی ابتدائی منزلوں میں فارسی تذکرہ نویسی کے خطوط پر گامزن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اردو شعرا کے تذکرے مرتب ہونے کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کی زبان نہ صرف فارسی رہی بلکہ فارسی تصنیف کے عام اصولوں کی بھی نقل کی گئی جو کافی حد تک کامیاب رہی۔ پھر رفتہ رفتہ ہندوستان میں فارسی اور اردو کے درمیان ایک دوسرے پر فوقیت اور غلبہ پانے کی دوڑ شروع ہو گئی اور ایک وقت ایسا آیا کہ فارسی پیچھے رہ گئی اور اردو نے فوقیت حاصل کر لی اور شاعری کے شانہ بشانہ تصنیف و تالیف کی زبان بن گئی۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ

اردو تذکرہ نگاری کافی دیر سے شروع ہوئی۔ جس طرح "نکات الشعرا" (میر تقی میر) فارسی کا پہلا تذکرہ ہے اسی طرح لطف کے "تذکرہ گلشن ہند" کو اردو زبان میں لکھا گیا پہلا تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

"تذکرہ گلشن ہند" ۱۲۱۵-۱۶ ہجری میں "گلزار ابراہیم" سے ترجمہ اور ترمیم ہوکر مرتب ہوا۔ یہ تقریباً دو سو برس پہلے کی سادہ، سلیس اردو نثر کا ایک مستند شاہکار ہے۔ حالانکہ اس وقت بھی فارسی کی چھاپ لوگوں کے دلوں پر بڑی مضبوطی سے لگی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹ ویں صدی کے آخر تک علم و ادب کی زبان فارسی ہی سمجھی جاتی رہی اور اسی باعث تمام اہل علم و ادب نے فارسی زبان کو ہی اختیار کیا تھا اور اسی کو تذکرہ نویسی کی زبان بنا دیا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ تذکروں میں شاعروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مثال کے طور پر "تذکرہ نکات الشعرا" میں میر تقی میر نے محض ایک سو چار شعراء کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد گردیزی، قائم وغیرہ کے تذکروں میں شعرا کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ یہ تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ خوب چند ذکا کا "تذکرہ عیار الشعرا" پندرہ سو شاعروں پر مشتمل ہے اس کے بعد ایک اور تذکرہ قلم بند ہوا جو واجد علی شاہ سے منسوب ہے اس میں شعرا کی تعداد تقریباً پانچ ہزار ہے جس میں فارسی شعرا بھی شامل ہیں۔

اوائل کی تذکرہ نویسی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مصنف اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنا مقصد کم سے کم الفاظ میں بیان کرتا تھا لیکن اس میں ایک قباحت یہ تھی کہ جن کا ذکر نہ ہو وہ ناراض ہوکر ہجو یں لکھنا شروع کر دیتے تھے۔ شاعری کی روز بروز بڑھتی ہوئی مقبولیت اور شعرا کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باعث اس بات کی اور ضرورت محسوس ہونے لگی کہ تذکروں میں زیادہ سے زیادہ شاعروں کو شامل کیا جائے۔ اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے خوب چند ذکا نے اپنا تذکرہ "عیار الشعرا" تصنیف کرنے میں کم و بیش ۱۹ سال لگائے

انھوں نے اپنا کام ۱۲۰۸ ہجری میں شروع کیا اور ۱۲۴۷ ہجری میں مکمل کیا اور اس درمیان شعرا کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا ہی رہا۔ اس تذکرے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی ایک شاعر کو بھی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا گیا لہٰذا بعد میں اس تذکرے کو بنیاد بنا کر دوسرے تذکرے لکھے گئے۔

قدیم تذکرہ نگاری میں ایک کمی یہ تھی کہ اس میں مصنفین واقعات کے سلسلے میں تاریخ درج نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے شعراء و مصنفین کے حالات و واقعات زندگی کی تصدیق نہیں ہو پاتی تھی یا ان میں زمانی بعد پیدا ہو جاتا تھا۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اکثر و بیشتر مصنفین کسی خاص شخص سے دوستی اور جانب داری کے باعث انصاف کا دامن چھوڑ دیا کرتے تھے۔ بعد میں تذکرہ نگاری میں یہ تبدیلی آئی کہ مصنفین تاریخیں بھی درج کرنے کی کوششیں کرنے لگے اور اس میں ایک ترقی یہ بھی ہوئی کہ تعریف کے ساتھ تنقید بھی لکھی جانے لگی اور تصنیف کو ادبی رنگ دیئے جانے کی جانب رجحان بڑھا۔ تذکرے کے ساتھ ساتھ بیاض نویسی میں بہت ترقی ہوئی جو اشخاص اچھا نہیں لکھ پاتے تھے لیکن شاعری کا شوق رکھتے تھے انھوں نے اپنے ذوق کے لیے بیاضیں مرتب کیں۔ اور ذاتی دل چسپی کے مطابق شاعروں کے نام اور ان کے مختصر حالات جمع کر دیئے۔

تذکرہ نگاری ایک پیچیدہ اور نازک صنف ہے۔ اس میں پیش آنے والی ذمہ داریوں اور مشکلات کو حل کرنا آسان کام نہیں ہے اور نہ ہی ہر ایک کے بس کی بات ہے چند لوگ ہی اس مشکل کام میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ تذکرہ تکمیل ہو جانے کے بعد نقاد اور قاری اس میں مختلف نکات تلاش کرتے ہیں کہ آیا یہ جامع اور مفصل ہے ؟ کیا تاریخی تسلسل ہے ؟ جن شعرا کا ذکر ہے ان پر تنقید کیوں نہیں ہے ؟ اگر تعریف ہے تو اس کی وجہ کیا ہے ؟ بہر حال مزاج کے مطابق نکتہ چینی جاری رہتی ہے۔

مشہور و معروف تذکرہ نگاروں نے بڑی حد تک اپنی کوششیں برقرار رکھی ہیں کہ اپنے بزرگوں اور معاصرین کے کمزور پہلوؤں کو ہرگز بیان نہ کریں جیسا کہ فارسی کا مشہور قول ہے "خطائے بزرگان گرفتن خطا است" (یعنی بزرگوں کی غلطیاں پکڑنا خود ایک غلطی ہے) اس لیے قدیم سوانح نگار ہمیشہ ایسی باتوں سے گریز کرتے رہے ہیں بلکہ انھوں نے دوسروں کی شرافت، وضع داری، خوش اخلاقی، اچھے کردار اور اوصاف حمیدہ کو خاص طور سے اہمیت دے کر پیش کیا ہے۔

"تذکرہ گلشن بے خار" کے مصنف کا نام مصطفیٰ خاں اور تخلص شیفتہؔ تھا حج بیت اللہ سے شرف اندوز ہوئے اس لیے حاجی بھی کہلائے مرحوم جہانگیر آباد کے جاگیردار اور دہلی کے رئیس تھے۔ ان کے دادا کوہاٹ سے منتقل ہو کر دہلی میں بس گئے تھے۔ شیفتہؔ کے والد نواب مرتضیٰ خاں کی لارڈ لیک سے بہت اچھی دوستی تھی انھوں نے اس کی رفاقت میں بہت نمایاں کام کیے تھے اور ان کارناموں کے صلہ میں ان کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہڈول پلول کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا تھا۔ بعد میں یہ علاقہ ان کے خاندان کے پاس سے نکل گیا۔ جہانگیر آباد کا علاقہ انھوں نے میرٹھ میں خریدا تھا میرٹھ چھاؤنی میں انھوں نے ایک وسیع و عریض کوٹھی "مصطفیٰ کاسل" کے نام سے بنائی تھی وہ آج تک ان کے وارثوں کی ملکیت اور تصرف میں ہے۔

مصطفیٰ خاں سن ۱۸۰۶ء مطابق ۱۲۲۱ ہجری دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ان کو بچپن سے ہی شعر و ادب میں بہت دلچسپی تھی "گلشن بے خار" میں انھوں نے اپنے ذکر میں خود لکھا ہے کہ "مجھے لڑکپن سے ہی شاعری کا شوق اور اس سے وابستگی رہی ہے"۔ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں خداداد صلاحیت رکھتے تھے۔ عربی کے عالم اور فارسی کے جید عالم تھے۔ فارسی میں حسرتیؔ تخلص کرتے اور مرزا غالب سے مشورہ سخن کرتے مومن خاں

مومن شیفتہ کے استاد تھے اردو میں انھیں سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے۔ مرزا غالب شیفتہ کے ہم عصر تھے اور مومن خاں کے انتقال کے بعد غالب سے ہی شیفتہ اپنے اردو اشعار کی بھی تصحیح کراتے۔ مرزا غالب گو کرانانیت پسند شاعر تھے اور شیفتہ کے استاد بھی تھے مگر وہ ان کی سخن فہمی کا لوہا مانتے تھے اور جن اشعار کی شیفتہ تحسین کرتے وہ ان اشعار کو اپنے بہت اچھے اشعار شمار کرتے تھے۔ غالب شیفتہ کی علمیت اور سخن شناسی کے بڑے مداح اور قدردان تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں، ؎

غالب زحسرتی چہ سرائی کہ در غزل
چوں او تلاش معنی و مضموں نکردہ کس

مومن خاں شیفتہ کے محترم استاد اور وہ مومن خاں کے شاگرد رشید تھے ایک جگہ اپنے استاد کے تئیں لکھتے ہیں ؎:

"کہ جو کچھ اس خم خانہ میں میرے حصہ میں آیا ہے وہ سب
اس مے خانہ شعر و سخن کے ساقی مومن خاں کا ہی فیض ہے
جو میرے کاسہ میں بہ عنایت ڈالتا رہا ہے۔"

نواب مصطفےٰ خاں اپنے عہد کے ایک نہایت باشعور ادیب اور شاعر شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کا گھر علمی اور ادبی محفلوں کا مرکز تھا۔ اولاً رہائش دہلی میں تھی بعدہٗ میرٹھ شہر، نزد دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ نواب کا خطاب اپنے والد سے ورثہ میں پایا لیکن خود کو بہت عاجزی اور انکساری سے پیش کرتے بہت خوش ذوق اور ادب نواز تھے۔ جب بھی خود کا ذکر کرتے ہمیشہ ہیچداں، احقر، آثم جیسے لفظوں سے کرتے۔ مثلاً ایک جگہ اپنا ذکر اس طرح کیا ہے ؎ شیفتہ تخلص راقم آثم است۔ ازکم وزیہنار نمی خواست کہ بزمرہ موزونان بشمار آید۔۔۔ خاندانی رئیس، ہونے کے باوجود بہت غریب پرور تھے۔ ان کے یہاں

؎ ۵ گلشن بے خار ص ۱۵۵

اہل علم و ادب اور اہل ذوق کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ ان کی ایک ذاتی بڑی لائبریری تھی۔ خواجہ الطاف حسین حالی مرزا غالب کی سفارش پر شیفتہ کے کے یہاں ان کے بیٹے نقش بند خاں کی اتالیقی پر ملازم ہوئے، ساتھ ہی لائبریری کی ترتیب اور دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔

شیفتہ کا دور وہ سنہری دور تھا جب غالب، مومن، ذوق، نصیر، مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی اور نواب ضیاؤ الدین خاں نیر رخشاں وغیرہ کا نام ادب اور شاعری کے افق پر جگمگا رہا تھا اور شیفتہ نے ان سب حضرات کی بہترین صحبتیں اٹھائیں اور مرزا غالب کے ساتھ اتحاد عمل کی بنیاد رکھی۔ اردو شاعری میں جو عامیانہ پن داخل ہوگیا تھا اس کو روکنے اور کلام میں متانت اور سنجیدگی پیدا کرنے کا آغاز کیا۔ شیفتہ کے ان اشعار سے یہ ثابت ہوتا ہے:۔

شیفتہ کیسے ہی معنی ہوں مگر نامقبول   اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو
وہ طرزِ فکر ہم کو خوش آتی ہے شیفتہ   معنی شگفتہ لفظ خوش انداز ہو

شیفتہ نہایت درجہ شائستہ اور انصاف پسند انسان تھے۔ معاصرین کا ذکر عموماً محبت اور ادب سے کرتے مگر شاعری کی تحسین میں محتاط رہتے۔ اشعار کا انتخاب بھی بہت چنیدہ ہے۔ بہتوں کے دو یا تین یا ایک شعر پر بس کی ہے شخصی طور پر کسی کی اہانت نہیں کرتے بلکہ خود کے لیے ہیچمداں، فقیر، احقر، آثم الفاظ کا جا بجا استعمال کیا ہے۔ ان کے علم و فضل اور پاکیزہ ذوق سخن کی وجہ سے ہر ایک ان کو عزت اور احترام سے دیکھتا تھا۔ "گلشن بے خار" میں شیفتہ نے اپنے ۱۴۵ اشعار درج کیے ہیں۔ دیگر تذکرہ نگاروں نے ان کا تذکرہ تعریف کے ساتھ کیا ہے اور نمونہ کے اشعار درج کیے ہیں۔ ان کے یہ دو شعر عوام و خواص میں ضرب المثل کی صورت حاصل کر چکے ہیں:۔

ایک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی　　شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ　　اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت

اردو شاعروں کے تذکروں میں "گلشن بے خار" ایک منفرد دستاویزی کتاب ہے۔ اس کے مؤلف حاجی نواب مصطفیٰ خاں المتخلص بہ شیفتہ ہیں جن کا انتقال ۱۸۶۹ء میں ہوا، ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر اور اپنے عہد کے سب سے بڑے سخن فہم تھے۔ شیفتہ نے "گلشن بے خار" دو سال کی مدت میں تکمیل کیا۔ ۱۲۴۸ ہجری مطابق ۱۸۳۲ عیسوی میں شعرائے اردو کا تذکرہ لکھنا شروع کیا اور ۱۲۵۰ ہجری مطابق ۱۸۳۵ عیسوی میں اس کو مکمل کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر بقول خود ان کے چھبیس ۲۶ سال تھی۔ اس تذکرے کو لکھنے کا مقصد محض عمدہ اشعار جمع کرنا نہیں تھا بلکہ شعرا کے حالات اور ان کے کلام پر تبصرہ کرنا بھی مقصود تھا۔ انھوں نے اپنے ملک کے شعرا اور ان کے کلام کے نمونے ایک جگہ مرتب کیے جس کا عنوان "گلشن بے خار" رکھا۔ مسودہ تیار ہونے کے دو سال بعد یعنی ۱۸۳۷ء میں پہلی مرتبہ مطبع لیتھوگریفگ دہلی، اردو اخبار آفس میں مولوی محمد باقر کے زیر اہتمام چھپ کر شائع ہوا۔ دوسری مرتبہ شیفتہ کی زندگی میں، ہی ۱۸۴۳ء میں دہلی کے اردو اخبار پریس سے طبع و شائع ہوئی۔ یہ کتاب تیسری مرتبہ سن ۱۸۷۴ عیسوی میں لکھنؤ سے منشی نولکشور کے زیر نگرانی شائع ہوئی۔ ۱۸۶۹ عیسوی میں شیفتہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ بظاہر نول کشور نے طباعت ثانی کا چربہ شائع کیا ہوگا۔ اسی نسخہ نول کشور کو یوپی اردو اکیڈمی لکھنؤ نے ۱۹۸۲ عیسوی میں عکسی طباعت کے ذریعہ جوں کا توں دوبارہ شائع کیا ہے لیکن اس میں آخری دو صفحات غائب ہیں۔

"گلشن بے خار" کا ایک مکمل نسخہ پہلی طباعت یعنی ۱۸۳۷ عیسوی کا

رضا لائبریری رام پور (یو، پی) میں موجود ہے جس کو بنیاد بنا کر راقم نے اپنا کام شروع کیا۔ نسخہ نول کشور کی ایک کاپی بھی رضا لائبریری میں ہے جس پر مرحوم امتیاز علی خاں عرشی سابق ناظم لائبریری کے قلم سے لکھا ہے "یہ کاپی متعدد مقامات سے ناقص ہے"۔ کتاب دیکھنے پر علم ہوا کہ صفحہ تین سے شروع ہے۔ درمیان میں صفحہ ۱۷۷ سے ۱۸۴ تک اوراق غائب ہیں اس کی جگہ سادہ کاغذ لگائے گئے ہیں۔ آخری صفحہ ۲۷۲ (دوسو بہتر) تک ہے۔ ماہ اگست ۱۹۱۰ عیسوی مطابق ۱۳۲۸ ہجری کی چھپی ہوئی ہے

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اردو اکیڈمی لکھنؤ نے جو کتاب جوں کی توں چھاپی ہے وہ کس نسخے کی چھاپ ہے۔ کتاب دوسو ستر دیں صفحہ پر ختم ہوتی ہے اور تسلسل کا لفظ اختتام پر موجود ہے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے آگے اور ہونا چاہیئے چونکہ آخری لفظ ہر صفحہ پر حاشیہ میں ہوتا ہے جس کا مقصد ہے کہ سلسلہ جاری ہے۔ؔ

دونوں نسخوں کے موازنے سے (یعنی اردو اکیڈمی لکھنؤ اور نسخہ رضا لائبریری رام پور) یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ لکھنؤ والے نسخہ میں پہلی طباعت کی نسبت پانچ شاعر بھی کم ہیں۔

			کل شعرا کی تعداد
گلشن بے خار	نسخہ رضا لائبریری رام پور	کل ص ۲۸۳	۶۷۷
گلشن بے خار	نسخہ نولکشور اردو اکیڈمی لکھنؤ	کل ص ۲۷۲	۶۷۲

نسخہ نول کشور میں جو پانچ شاعر نہیں ہیں وہ ہیں: نعمی، نعیم، نکہت، نعمت اور نوا۔ اس کے ساتھ ہی چند شعرا کے نام بھی اوپر نیچے ہوئے ہیں۔ کئی جگہ تخلص میں بھی فرق ہے۔ مثال کے طور پر نسخہ رام پور میں غربت ہے تو لکھنؤ والے نسخہ میں غریب ہے۔ اسی نسخہ میں شروع میں شعرا کے ناموں کی فہرست

ؔ گلشن بے خار نسخہ نول کشور ص ۲۷۰ کی آخری سطر

ہے۔ دیگر املا کی بھی کافی غلطیاں ہیں۔ ایک جگہ تو اشعار ہی بالکل مختلف ہیں مثال کے طور پر: شاعر نظام صفحہ ۲۳۲

نسخہ نول کشور لکھنؤ	نسخہ رضا لائبریری رام پور
شعر: اعجاز لب اس کا دم عیسیٰ سے کم نہیں	۱. زلف کا کھولنا بہانا تھا
وہ پنجۂ سیمیں ید بیضا سے کم نہیں	مدعا ہم نے منہ چھپانا تھا
۲. معدوم کو کیوں کر کوئی ثابت کرے دانا	۲. چھپایا مانگ میں دل اب میں اسے ڈھونڈوں کدھر
مضمون کمرِ یار کا عنقا سے کم نہیں	کہ آدھی رات اُدھر ہے اور آدھی رات اِدھر

۱. اس طرح نسخہ نول کشور کے اشعار مختلف ہو جاتے ہیں اور یہیں سے پانچ شاعر غائب ہیں۔

۲. نون کے سلسلہ کے نیاز آخری شاعر ہیں۔ اس کے بعد حرف واؤ کا سلسلہ واصف سے شروع ہے۔ پھر واصل، وجیہہ، وحشت، وحشت، واقف، وآلہ، وآلہ، وحشت۔

رام پور نسخہ میں یوں ہے:۔

واقف، وآلہ، وآلہ، واصف، واصل، وجیہہ، وحشت، وحشت، وحشت پھر وحدت۔

نسخہ نول کشور میں وحشت شاعر کے اشعار ۴۴ درج کیے ہیں جب کہ رام پور نسخہ میں ۳۶ اشعار دیئے ہیں۔

"گلشن بے خار" (نسخہ رضا لائبریری رام پور) کے آغاز میں فہرست شعرا ہے پہلا شاعر آبرو ہے اور آخری میر یوسف علی۔ نام حروف تہجی سے لکھے ہیں۔ نصف صفحہ کا خاتمہ ہے۔ آخری چند صفحوں میں شیخ غلام ضامن کرم، مومن خاں مومن، غالب، مولانا صدرالدین خاں آزردہ اور مولوی امام بخش صہبائی نے تقریظیں لکھی ہیں۔

"گلشن بے خار" میں انشا پردازی غضب کی ہے مگر معقول پسندی کا دامن

نہیں چھوٹا ہے۔ گو کہ ۱۹ ویں صدی تک فارسی ہی ہندوستان میں علمی زبان تھی اردو نثر ابھی طفولیت کے عہد میں تھی لیکن اردو میں شاعری اپنے عروج پر تھی مگر تنقید با قاعدہ طور پر شروع نہیں ہوئی تھی۔ شیفتہ نے تنقید کا ایک نیا باب کھولا۔ ان کی کتاب "گلشن بے خار" میں تنقید نگاری کے اولین نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

میر صاحب نے "نکات الشعرا" میں جو تنقیدی اشارے کیے تھے ان پر بہت لے دے ہو چکی تھی مگر شیفتہ نے اس کے باوجود اپنی تصنیف میں اپنی تنقیدی آرا کا اظہار کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ تذکروں کی عام روش سے ہٹ کر نہ صرف عمل کیا بلکہ اس میں چار چاند لگائے اور اردو میں تنقید نگاری کے لیے راستہ ہموار کیا۔ "گلشن بے خار" آج بھی ہمارے لیے ایک قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جو اردو کی ادبی تاریخ کا اہم سرمایہ ہے۔

زمانے کا دستور ہے جہاں مداح ہوتے ہیں وہاں کچھ لوگ مذمت کرنے والے بھی میدان میں آجاتے ہیں اور یہی ہوا۔ "گلشن بے خار" کی ضد پر میر قطب الدین باطن نے "تذکرہ گلستان بے خزاں" (معروف بہ نغمۂ عندلیب) مرتب کیا۔ اس میں "گلشن بے خار" کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ باطن کا یہ خیال تھا کہ شیفتہ نے شاعروں کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے خاص طور سے نظیر اکبر آبادی کے ساتھ منصفانہ سلوک نہیں کیا۔ دراصل شیفتہ نے نظیر اکبر آبادی کے لیے لکھا تھا کہ "اشعار بسیار دارد کہ زبان سوقین جاریست[۵]" اس جملہ سے کچھ لوگوں کو سخت ناگواری ہوئی تھی اور اسی ناگواری کے تحت "گلستان بے خزاں" مرتب ہوئی۔ بقول باطن کے:

> "شیفتہ صاحب نے صرف ۱۲۵ شعر تحریر فرمائے ہیں اور اپنے اشعار پر اپنے ہی استاد مومن خاں مومن سے اصلاح

---

۵ "گلشن بے خار" ص ۳۴۲

ی عمران کا کوئی دیوان دیکھنے میں نہیں آیا اور شاہ جہاں آباد کے لوگوں کو دیوان تو کیا ان گنے چنے ۱۴۵ اشعار کے سوا اور کوئی شعر سننے میں نہیں آیا۔"[1]

میر تقی میر کے "نکات الشعرا" کے بعد متعدد تذکرے لکھے گئے لیکن ان میں سے کسی کی حیثیت جوابی معروض سے زیادہ نہیں ہو پائی۔ "نکات الشعرا" کی طرح "گلشن بے خار" نے بھی بعض کو تذکرہ نگاری کی تحریک دی اور جوابی معروض ظہور میں آئے اور "گلشن بے خار" کا اعتبار قائم رہا۔ یہ تذکرہ جو فارسی زبان میں ہے اپنے وقت کے تمام تذکروں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس قسم کی جتنی کتابیں ہیں ان سب میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔[2]

اردو میں تذکرہ نگاری کی روایت خاصی پرانی ہے۔ لیکن آج کے دور میں تاریخ نگاری کا ذوق عام ہے اور ادبی تاریخ کا خام مواد اس سے حاصل ہوتا ہے تذکرہ خاص ہوتا ہے اور تاریخ عام ہوتی ہے یعنی وہ تذکروں پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔ اگر تذکرے کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک قسم کی تاریخ ہے بشرطیکہ اس میں ہر شخص کا زمانہ اور تاریخ کا حوالہ دیا گیا ہو۔ تاریخ وہ ہوتی ہے جس میں زمانے کے واقعات سے بحث ہو۔ آج کے دور میں بھی تذکروں کی خاصی اہمیت ہے یہ ہماری ادبی تاریخ کا بے لاگ سرمایہ ہوتے ہیں۔ قدیم معاشرت اور تہذیب کی یادگاریں اپنے آپ میں سموئے ہوئے ہوتے ہیں جن کو کسی طرح سے بھی نظر انداز کرنا ادبی تاریخ کو فراموش کرنا ہوگا۔ "گلشن بے خار" بھی ایک ایسا تذکرہ ہے جس نے تذکرہ نگاری کے ایک نئے باب کا آغاز کیا ہے یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں شاعروں اور سخن شناسوں کے کلام پر منصفانہ اور متوازن انداز میں اظہار خیال ہوا ہے اور ان کے اشعار کا انتخاب مذاق سلیم کی بنیاد پر ہوا ہے۔ شیفتہ نے جن شعرا کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے اس کو آج

---

1. "گلستان بے خزاں" باطن ص ۱۳۲ 2. اقتباس از خطبات گارساں دتاسی، پانچواں خطبہ۔ صفحہ ۹۲۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۳۵ء

بھی قطعی مانا جاتا ہے کہ ان میں تنقیدی عنصر کم ہے۔ اکابر شعرا کے متعلق ان کی آرا قابل وقعت ہیں۔ شیفتہ نے ذاتی اختلافات کو اثر انداز ہونے کا موقع نہیں دیا ہے۔ ان کی تحریر انشا پردازی اور مقفیٰ و مسجع عبارتوں سے آراستہ و پیراستہ ہے لیکن تہذیب اور معقولیت پسندی سے لمحہ بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوئے۔ تذکرہ فارسی میں ہے ساتھ ہی عربی جملوں اور امثال کا بھی کافی استعمال ہے جس سے ان کی عبارت میں گہرائی اور بیک وقت کئی زبانوں میں مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اردو کے قدیم تذکروں میں "گلشن بے خار" کو سب سے ممتاز سمجھا گیا ہے اس کے بعد اور دوسرے تذکروں کا نمبر آتا ہے جیسے "سخن الشعر" "نساخ" "گلستان سخن" اور "تذکرہ شعرائے دکن" وغیرہ۔ سب سے زیادہ اہم نکتہ "گلشن بے خار" کا یہ ہے کہ یہ معتدلانہ تحریر ہے۔ مصنف نے دوست تو کیا دشمنوں اور مخالفوں کے متعلق بھی کوئی تمسخر آمیز بات نہیں لکھی اور انصاف پسندی اور سچائی سے ہرگز منہ نہیں موڑا اور اعتدال برقرار رکھا۔ تحریر منصفانہ اور تحقیقی ہے۔ ایک عام بات شیفتہ کے بارے میں یہ کہی جاتی ہے کہ انھوں نے تذکرہ نگاری کی پرانی روش سے ہٹ کر نہ صرف شاعروں کا منتخب کلام جمع کیا بلکہ اُن پر اپنی ناقدانہ رائیں بھی دیں۔ دیکھا جائے تو اس سے فائدہ ہی ہوا۔ ایک یہ کہ شاعر کے تعین مقام کی جہت ملتی ہے دوسرے ۱۹ ویں صدی عیسوی کے وسط تک کے ادبی اور شعری ماحول کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ تنقید سے قطع نظر شیفتہ ایک باشعور تذکرہ نگار ہیں۔ وہ اور ان کے ہم عصر اردو دنیا میں وہ لطیف فضا پیدا کر گئے جو اپنی جگہ تاریخی مقام رکھتی ہے۔ اپنی تصنیف میں انھوں نے اپنے دور کے ہر مذہب کے شاعروں کا ذکر کیا ہے اِس میں ہندو بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ اُس وقت کے پانچ عیسائی شاعروں کا تذکرہ اور نمونہ کلام دیا ہے اور تہتر ہندو شعرا ہیں جن کا ذکر بہت اچھے انداز میں کیا۔ کسی قسم کا تعصب یا

فرق نہیں کیا صرف ایک شاعر کو "دجال" کہا ہے۔ شیفتہ کے دور میں خواتین سخن گو زیادہ معروف نہیں تھیں انھوں نے محض چھ شاعرات کا ذکر کیا ہے۔

شیفتہ نے جملوں کی تکرار سے گریز کیا ہے۔ ہر مرتبہ نیا انداز بیان ہے۔ ایک بات کو مختلف انداز سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً وفات پانے کو انھوں نے نشتر طریقوں سے بیان کیا ہے۔ چند مثالیں بطور نمونہ پیش ہیں :۔

فوت شد، چند سال است فوت کردہ است، ازین جہان گذران راگذاشت، عمرش بہ انجام رسید، عمرش بسر آمد، عمرش باتمام رسید، روح پاکش جسد عنصری راخیر باد گفت، ازجہان گذران درگذشت، بہ عالم آخرت رفت، وفاتش راسالی چند آمدہ، ازاین خاکدان بہ بہشت جاودان نقل کرد، زورق حیاتش طوفانی شد، وغیرہ وغیرہ۔

شیفتہ نے جن شعرا کا ذکر کیا ہے وہ قدما سے لے کران کے معاصرین تک ہیں۔ دکن کے رہنے والے قدیم شاعر بھی ہیں اور ۱۹ویں صدی کے وسط تک کے شعرا بھی ہیں۔ دوسو سالہ تاریخ کو بہت ہی جامع اور اختصار سے اپنے تذکرہ میں پیوست کیا ہے گوکہ شعرا کے حالات زیادہ مفصل نہیں ہیں تاہم نہایت قابل اعتبار اور جامع ہیں۔ اس تذکرے کے ذریعہ کچھ ایسی باتیں بھی منظر عام پر آئی ہیں جو کسی اور ذریعہ سے شاید دستیاب نہ ہو پاتیں جیسے صاحب جی اور امتہ الفاطمہ کے عشق کی داستان، یا مصنف کی پسندیدہ خاتون نزاکت جس کا ذکر انھوں نے بڑی پسندیدگی سے کیا ہے۔ عبارت سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محترمہ شیفتہ کو بہت پسند رہی ہوں گی۔ بظاہر شیفتہ اس خاتون شاعرہ سے بہت متاثر ہیں اس سے بے حد تعلق خاطر رکھتے ہیں اس کے حسن و جمال کی تعریف دل سے کی ہے لیکن اس کی شاعری پر صرف ایک جملہ لکھا ہے "کبھی کبھی فکر سخن کرتی ہے اور دلکش اشعار نظم کرتی ہے"۔ محترمہ کا بیان طویل

---

۵ "گلشن بے خار" ص ۳۱۹

کیا ہے مگر سارا بیان اس کی جسمانی خوب صورتی اور طور طریق کی خوبیوں کا ہے اس سے شیفتہ کی انصاف پسندی اور متانت کا علم ہوتا ہے۔ انتہائے پسندیدگی کے باوجود انھوں نے شعر کی بے جا تعریف نہیں کی۔

شیفتہ جیسے اعلیٰ درجے کے شاعر تھے ویسے ہی نقاد اور سخن فہم بھی تھے۔ انہیں ادیب اور شاعر تو کہا ہی جاتا ہے "ادیب ساز" کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔

شیفتہ کی تصانیف :-

۱۔ دیوان اردو ۲۔ دیوان فارسی

۳۔ مجموعہ کلام نثر و خطوط فارسی ۴۔ سفرنامہ حجاز

۵۔ "سفرنامہ ترغیب السالک الی احسن المسالک" جس کا فارسی نام "ره آورده" ہے۔ سب سے معروف شاہکار "گلشن بے خار" یعنی اردو شاعروں کا تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔

کتاب کے آخر میں تقریظیں ہیں جو علی الترتیب نواب فخر الدین خاں خرد، مومن خاں مومن، مولانا صدر الدین خاں آزردہ، اسد اللہ خاں غالب اور عبد اللہ خاں علوی کی ہیں۔ یہ تقریظیں فارسی انشا پردازی کے نمونے ہیں۔ درحقیقت ان میں مغز کچھ زیادہ نہیں ہے بیشتر مصطفیٰ خاں شیفتہ اور ان کی نثر کی تعریف و تحسین پر مشتمل ہیں۔ نمونے کے طور پر نواب فخر الدین خاں خرد، مومن خاں مومن اور مولانا صدر الدین خاں آزردہ کی تقریظوں کا ترجمہ کر دیا گیا ہے بقیہ چھوڑ دی گئی ہیں۔ ترجمہ میں انشا پردازی کا اسلوب برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ مبالغہ آمیز مقفّیٰ اور مسجع انشا کا ترجمہ کس درجہ حوصلہ فرسا ہوتا ہے۔

"گلشن بے خار" میں شعرا کا کلام اپنے زمانے کے ہجا اور اسلوب میں دیا گیا ہے۔ جدید قاری کی سہولت کے پیش نظر اس تمام کو حتی الامکان نئے اسلوب کی ہجا اور شکل میں بدل دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے میں قباحت نہ ہو

چند مثالیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں مگر یہ فہرست مکمل نہیں ہے :

قدیم	جدید
ایک	اک
مونہہ	منہ
ہمنی	ہم نے
دولہن	دلہن
ایدہر	اِدھر
اودہر	اُدھر
اندنونمیں	ان دنوں میں
الہٰے	الٰہی
بتہر	پتھر
نلی	نہ لے
بگہولی	بگولے
نگہت	نکہت
لاوبالی	لا اُبالی
رولا	رُلا

امید کی جاتی ہے کہ "گلشن بے خار" جو ابھی تک محض فارسی دانوں کے مطالعے میں تھا، اِس ترجمہ سے عام ہو جائے گا اور طلبا و عام شوقین قارئین میں اس کی پذیرائی ہوگی۔

حمیدہ خاتون

نئی دہلی

جون ۱۹۹۶ء

اُن شعراء کے ناموں کی فہرست
جو گلشن بے خار میں نغمہ سرا ہیں

حرف الالف

امین محمد اسماعیل
امین میر محمد
امین امانی میر امانی
امانی لا اعلم
امجد مولوی امجد
امی روشن بیگ
امانت امانت رائے
انور ولی محمد خاں
انتظار لا اعلم
انیس نوازش خاں
انجام امیر خاں
انشا میر انشاء اللہ خاں
اوکیسی شاہ محی الدین
اوباش شیخ امیر الزماں
ایمان شیر محمد خاں

حرف الباء

بحر لا اعلم
برشتہ مشرف
برکت برکت اللہ خاں
برکت برکت علی خاں
پروانہ محمد بیگ
پروانہ راجہ جسونت سنگھ
براز حسین بخش
بسمل سید جبار علی
بشیر میر بشارت علی
بقا محمد بقاء اللہ
بہادر راجہ بینی بہادر
بیتاب لا اعلم
بیتاب خداوردی خاں
بیتاب سیوک رام
بیتاب لا اعلم
بیتاب عباس علی خاں
بیتاب میر نجف علی
بیجان شیو سنگھ
بیخود نرائن داس
بیخواب لا اعلم
بیدار میر محمدی
بیان خواجہ احسن اللہ
پیام شرف الدین
علی خاں

حرف التاء

تاباں میر عبدالحی
تاب مہتاب رائے
تپش مرزا جان
تجلی میر محمد حسین
تجلی شاہ تجلی
تجمل محمد عظیم
تجمل لا اعلم
تجرد میر عبداللہ
تحیر محمد مصطفٰے
ترقی مرزا تقی خاں
تسلی ٹیکا رام
تسکین سجاد علی
تسکین میر حسین
تصور حیدر حسن خاں
تعشق میر سید محمد
تمکین صلاح الدین
تمنا محمد اسحٰق خاں
تنہا محمد عیسیٰ

حرف الثاء

ثابت مرزا معز الدین
ثابت اجابت خاں
ثاقب شاہ شمس الدین
ثروت سید درویش علی
ثنا میر شمس الدین

حرف الجیم

جام کنور سین
جان جان علی
جانی بہو بیگم
جذب میر بھکاری
جراح غلام ناصر
جرأت قلندر بخش
جعفری میر باقر علی
جلال لا اعلم
جنون مرزا نجف
علی خاں
جنون فخر الاسلام
جنون شاہ غلام مرتضیٰ
جوہر مرزا احمد علی
جوشش محمد عابد
جوشش محمد روشن
جوش رحیم اللہ
جوان مرزا نعیم بیگ
جولان میر حسن علی خاں
جہانگیر جہانگیر بیگ
جہاندار مرزا جواں بخت
جھمن جھمن ناتھ
جینا بیگم اسم با مسمیٰ

حرف الحاء

حاتم شاہ حاتم
حافظ محمد اشرف
حامی میر محب علی

حبیب لا اعلم
حجام عنایت اللہ
حزیں لا اعلم
حسرت جعفر علی
حسرت ذوقی رام
حسرت ہیبت قلیخاں
حسن سید غلام حسن
حسن خواجہ حسن
حسن مولوی
ابوالحسن
حسن حسن علی خاں
حسن مرزا حسن
حسین سید غلام حسین
حسین نواب
غلام حسین خاں
حشمت میر محتشم علی خاں
حشمت میر محمد علی
حضور لالہ بال مکند
حفیظ محمد حفیظ
حقیقت میر شاہ حسین
حکیم محمد اشرف خاں
حکیم محمد پناہ خاں
حقیر میر امام الدین

حیرت میر مراد علی
حیرت غلام فخر الدین
حیرت اجودھیا پرشاد
حیران میر حیدر علی
حیدر حسام الدین
حیدر میر حیدر علیخاں
حیف میر چراغ علی

حرف الخاء

خاکسار میر محمد یار
خاکی حیدر بیگ
خادم لا اعلم
خادم لا اعلم
خادم خادم علی خاں
خان محمدی خاں
خاکی اشرف خاں
خرد نواب
فخر الدین محمد خاں
خستہ محمد عبد اللہ خاں
خستہ غلام قطب
خشنود لا اعلم
خلق میر احسن
خلیق میر مستحسن
خنداں لا اعلم

خود غرض لا اعلم
خیال غلام حسن خاں

حرف الدال

داغ میر مہدی
دارا مرزا دارا بخت
دانا میر فضل علی
داؤد لا اعلم
دردمند کریم اللہ خاں
درد خواجہ میر
دریغ سید
زین العابدین
درویش میر شاہ علی
دل مولوی شمس الدین
دل زور آور خاں
دل دیبی پرشاد
دلخوش بہادر سنگھ
دلیر دلیر شاہ
دلسوز خیراتی خاں
دستگیر میر حمایت اللہ خاں
دولہن بیگم اسم با مسمی
دوست لا اعلم
دیوانہ محمد علی خاں
دیوانہ رائے سرب سنگھ

حرف الذال

ذاکر مرزا احمد بیگ
ذرہ راجہ رام ناتھ
ذکا ذکاء اللہ خاں
ذکا خوب چند
ذوق شیخ ابراہیم
ذوقا ذوقا شاہ
ذوقی ذوقی رام
ذوقی شاہ ذوقی

حرف الراء

راقم غلام محمد
راقم بندرابن
راغب مرزا سبحان قلی
بیگ
رافت رؤف احمد
راسخ غلام علی
راجہ راجہ بہادر
رجا لا اعلم
رسا لا اعلم
رسا مولوی علیم اللہ
رستم سید رستم علی خاں
رسوا آفتاب رائے
رضا لا اعلم

رضا میر رضا علی
رضا حمید الدین
رضا میر محمد رضا
رضا مرزا جیون
رضا میر محمدی
رضی سید رضی خاں
رضی مرزا رضی خاں
رغبت میر ابو المعانی
رغبت لا اعلم
رفیق مرزا اسد بیگ
رفیق امین اللہ
رفاقت مرزا مکین
رفیع رفیع الدین خاں
رقت مرزا قاسم علی
رنگین سعادت یار خاں
رنگین پورن لعل
رند گنگا پرشاد
رند مہربان خاں
رنج میر محمد نصیر
رونق میر غلام حیدر
خاں
روشن
روشن روشن شاہ

حرف الزاء

زار برہان الدین خاں
زار میر مظہر علی
زار میر جیون
زکی شیخ مہدی
زکی جعفر علی خاں
زمان محمد زمان
زینت اسم با مسمیٰ

حرف السین

سامی مرزا محمد جان بیگ
سائل مرزا محمد یار بیگ
سامان میر محمد ناصر
سبحان عبد السبحان
سبقت مرزا مغل
سجاد میر سجاد
سخن مرزا محمد حسین
سخنور دیوانی سنگھ
سر سبز مرزا زین العابدین
خاں
سراج
سراج سراج الدین علی
سراج لا اعلم
سرور اعظم الدولہ نواب
محمد خاں
سرور رجب علی بیگ
سعادت سعادت علی
سعید قاضی
سعید الدین خاں
سکندر خلیفہ محمد علی
سلطان مرزا سلی بہادر
سلطان نواب
نصر اللہ خاں
سلیمان مرزا سلیمان شکوہ
سلیمان لا اعلم
سلام نجم الدین علیخاں
سودا مرزا محمد رفیع
سوز محمد میر
سوزاں مرزا احمد علیخاں
سہراب سہراب بیگ
سیادت میر مجاہد الدین
سید میر قطب علی
سید میر غالب علی خاں
سید میر غلام رسول

حرف الشین

شاد اللہ یار بیگ
شاد لا اعلم
شاد لا اعلم
شاذ میر احمد حسین
شاداب خوشوقت رائے
شاداں میر رجب علی
شاکر شاہ شاکر علی
شاکر محمد شاکر شاہ
شاہ سعد اللہ
شائق محمد ہاشم
شائق میر حاجی
شائق پیر محمد
شائق محمد نذیر الدین حسن
شرف مرزا شرف الدین بیگ
شرف شیخ شرف الدین
شرف میر محمدی
شریف مرزا شریف بیگ
شرافت مرزا اشرف علی
شرر مرزا جعفر
شرر مرزا صادق
شرر مرزا ابراہیم
شعوری لا اعلم
شعلہ امرناتھ
شفا حکیم یار علی
شفیع محمد شفیع

شفیق مظہر علی خاں
شکوہ محمد رضا
شکوہ میر شکوہ علی
شکیبا شیخ غلام حسین
شکر رادھا کشن
شگفتہ مرزا بیدار بخت
شگفتہ مرزا سیف علی
شگفتہ بدھ سنگھ
شوق شیخ الہی بخش
شوق جوہر بیگ
شوق مولوی قدرت اللہ
شوق لا اعلم
شوق حسن خاں
شوق بھوکے لعل
شوق روشن لعل
شوق محمد بخش
شوق غلام رسول
شوکت منیف علی
شور مرزا ملہو بیگ
شورش غلام احمد
شورش میر غلام حسین
شہرت لا اعلم
شہرت امیر بخش
شہامت شاہ شہامت علی
شہید لا اعلم
شہیدی کرامت علی
شیدا لا اعلم
شیدا خواجہ ہنگا
شیدا نواب معین الدین خاں
شیفتہ لا اعلم
شیفتہ حافظ عبد الصمد
شیفتہ نواب مصطفے خاں بہادر

حرف الصاد

صاحب نواب ظفریاب خاں
صاحب لا اعلم
صاحب اسد الفاطمہ بیگم
صاحب قران امام علی
صادق صادق علیخاں
صادق میر جعفر خاں
صادق صادق علیخاں
صابر صابر شاہ
صانع نظام الدین احمد
صبا کانجی مل
صبا لا اعلم
صبا مرزا راجہ شنکر ناتھ
صبر مرزا غلام حسین خاں
صدق لا اعلم
صفا منو لعل
صفا لا اعلم
صفدر میر صفدر علی
صفدری میر صادق علی
صنعت کریم الدین

حرف الضاد

ضبط میر حسن شاہ
ضمیر شیخ مداری
ضمیر گنگا داس
ضیا میر ضیاء الدین
ضیا مرزا ضیا تحت
ضیا ضیاء الدین

حرف الطاء

طالب طالب حسین
طالب لا اعلم
طالب میر طالب علی
طالب حافظ طالب
طرب جھنو لعل
طرہ طرہ یار خاں
طفل مرزا طفل بہادر
طور لا اعلم
طوباس خاں صاحب

حرف الظاء

ظاہر میر محمدی
ظفر مرزا ولی عہد بہادر
ظہور ظہور اللہ بیگ

حرف العین

عالی لا اعلم
عالی جاہ خلف نظام الملک بہادر
عارف محمد عارف
عارف میر عارف علی
عاجز الفت خاں
عاجز زور آور سنگھ
عاصی امداد حسین
عاصی لا اعلم
عاصی خواجہ برہان الدین
عاقل عاقل شاہ
عاشق لا اعلم
عاشق بھولا ناتھ
عاشق رام سکھ
عاشق مہدی علی خاں

عاشق شیخ نبی بخش
عاشق مولوی
جلال الدین
عاشقی آغا حسین قلیخاں
عبرت میر ضیاء الدین
عبدالواسع اسم باسمی
عزلت عبدالولی
عزیز بھکاری لعل
عزیز عزیز اللہ
عزیز مہاراج سنگھ
عزیز شیوناتھ
عسکری مرزا عسکری
عشاق لا اعلم
عشقی لا اعلم
عشق شاہ گھسیٹا
عشق میر عزت اللہ خاں
عشق شیخ غلام الدین
عشرت میر غلام علی
عظیم مرزا عظیم بیگ
عظیم لا اعلم
عظمت میر عظمت اللہ خاں
علی مرزا علی قلی
علی علی محمد خاں
عنایت عنایت اللہ
عنایت عنایت علیخاں
عیش مرزا حسین رضا
عیشی طالب علیخاں
عیاش میر یعقوب
عیاش خیالی رام

حرف الغین

غالب مکرم الدولہ
بیگ خاں بہادر
غالب غالب علیخاں
غالب مرزا اسد اللہ خاں
غازی لا اعلم
غافل رائے سنگھ
غافل بختاور سنگھ
غربت لا اعلم
غربت شیخ نصیر الدین
غضنفر غضنفر علیخاں
غلام راجہ گوپال ناتھ
غلام شاہ غلام احمد
غمگین میر سید علی
غنی لا اعلم
غنی شیخ عبدالغنی
غواص لا اعلم

حرف الفا

فارغ میر احمد خاں
فارغ لا اعلم
فارغ فارغ شاہ
فارغ مکند سنگھ
فائز لا اعلم
فدا شاہ فدا
فدا میر عبدالصمد
فدا فدا حسین
فدا امام الدین
فدا لچھی رام
فدا عاقبت محمود خاں
فدائے مرزا عظیم بیگ
فدوی اسم باسمی
فدوی میر فضل علی
فدوی محمد محسن
فدوی مرزا محمد علی
فراغ محمد فراغ
فراسو اسم باسمی
فرخ میر فرخ علی
فرخ فرخ بخش
فرحت امیر علی
فروغ میر روشن علیخاں
فریاد لا اعلم
فراق ثناء اللہ خاں
فراقی پریم کشور
فریاد میر سر علی
فصیح مرزا جعفر علی
فضل فضل مولی خاں
فغاں کوکلتاش خاں
فقیر میر فقیر اللہ
فقیر میر شمس الدین
فگار میر حسین
فگار مرزا قطب علی
فیض کرپا کشن
فیض میر فیض علی

حرف القاف

قائم محمد قیام الدین
قاسم سید قاسم علیخاں
قاسم میر قدرت اللہ خاں
قاسم میر قاسم علی
قاصر مرزا سر علی بیگ
قابل مرزا عالی بخت
قبول غنی بیگ
قدرت شاہ قدرت اللہ
قدرت مولوی قدرت اللہ

قدرت قدرت اللہ	کلیم میر محمد حسین	مجرم رحمت اللہ	مروت صغیر علی
قربان میر مہدی	کمال شاہ کمال الدین حسین	مجبور حق رسا	موہون مرزا علی رضا
قربان میر قربان علی	گمان لاعلم	محزوں میر	مزمل مزمل شاہ
قرار حاجی محمد قرار	گنا بیگم اسم بامسمیٰ	محزوں عالم شاہ	مسرور شیخ پیر بخش
قرار میر حسین علی	کوچک مرزا وجیہہ الدین	محو حسین علی خاں	مسرور مرزا سنگی بیگ
قرین لاعلم	کوثر مہدی علی خاں	محو شیخ عظیم اللہ	مسرور شرف الدین احمد
قسمت شمس الدولہ	گویا شیخ حیات اللہ	محب شیخ ولی اللہ	مسکین سید عبدالوحد خاں
قلندر اسم بامسمیٰ	گویا نواب فقیر محمد خاں	محبت میر بہادر علی	مسرت شیخ وزیر علی
قمر مرزا حاجی	حرف اللام	محبت نواب محبت خاں	مستمند مستمند یار خاں
قمر مرزا قمر طالع	لطیف میر شمس الدین	محنت مرزا حسین علی	مسیح براتی
قیس مرزا احمد علی بیگ	لطیف میر تکلف علی	محشر اکرام اللہ خاں	مشیر قطب الدین
حرف الکاف	لطف مرزا علی	محشر مرزا علی نقی	مشتاق مشتاق علیخاں
کامل ٹھاکر داس	حرف المیم	محسن میر محسن	مشتاق تاج الدین
کامل مرزا کامل بیگ	مائل میر مہدی	محترم محترم علی خاں	مشتاق محمد واصل
کبیر حکیم کبیر علی	مائل محمد یار بیگ	محمود محمود خاں	مشہور لاعلم
کریم کریم اللہ خاں	مائل سید کاظم علی	مخلص میر باقر	مقصد میر ماشاء اللہ خاں
کرم شیخ غلام ضامن	ماہر فخر الدین خاں	مخلص مخلص علی خاں	مصحفی غلام ہمدانی
گرم حیدر علی بیگ	مبتلا مرزا کاظم	مدحت لاعلم	مضمون لاعلم
گرفتار سنگی بیگ	مبتلا لاعلم	مدہوش لاعلم	مضمون شرف الدین
گزین میر محمد علی	مجذوب غلام حیدر بیگ	مرزا آقا مرزا	مضطر کنور سین
گستاخ مرزا علی	مجنوں درویش	مرزا مرزا اینا	مضطر مرزا سنگین
کلو میر کلو	مجنوں لاعلم	مرزا ہدایت اللہ	مضطرب درگا پرشاد
کلیم شیخ کلیم اللہ	مجرم میر فتح علی	مرزا لاعلم	مضطرب محمد حاجی

مظہر مرزا جانجاں
مظہری سید محبوب علی
مظفر سید مظفر علیخاں
معقول لا اعلم
معنی محمد امین
معین معین الدین خاں
معروف الٰہی بخش خاں
مغل مغل علی
مغموم میر مشیت علی
مفتون مرزا کریم بخش
مفلس محب علی
مقبول مقبول نبی
مقتول ابراہیم بیگ
مقصود لا اعلم
ملال لا اعلم
ملول شاہ شرف الدین
مملو لا اعلم
ممتاز لا اعلم
ممنون میر اما
ممنون میر نظام الدین
منیر وجیہہ الدین
منیر خواجہ آفتاب خاں
منشی میر محمد حسین
منشی مول چند
منشی نور الاسلام
منتظر شیخ امام الدین
منعم قاضی نور الحق
منعم موہن لعل
منصف منصف علیخاں
منت میر قمر الدین
موزوں میر فرزند علی
موزوں چھتر سنگھ
موج خدا بخش
مونس حکیم سعادت علی
مومن مومن خاں
مہر رجب بیگ
مہر مہر چند
مہلت مرزا علی
میر محمد تقی

حرف النون

ناجی محمد شاکر
نالاں محمد عسکری
نالاں لا اعلم
نادم لا اعلم
نامر نواب نامر جنگ
نادر گنگا سنگھ
نادر میر عارف علی
نازک زینت
ناظم لا اعلم
نامی مرزا رجب علی بیگ
نامی حسام الدین
نامی لا اعلم
ناسخ شیخ امام بخش
نثار عبدالرسول
نثار نثار علی
نثار محمد امان
نجف میر نجف علی
نجات سید زین العابدین
ندرت مرزا مغل
ندیم مرزا علی
نزہت مرزا ارجمند
نزاکت رجو
نسیم گلزار علی
نسیم راجہ کدار ناتھ
نشاط مولوی
الٰہی بخش
نشاط بسنت سنگھ
نصیر شاہ نصیر الدین
نظیر شیخ ولی محمد
نظیر گھنپت رائے
نظیر لا اعلم
نظام نواب غازی الدین خاں
نعمی نعمت اللہ
نعیم نعیم اللہ خاں
نعمت حکیم عبدالحق
نکہت نذر علی بیگ
نوا ظہور اللہ خاں
نوازش نوازش حسین خاں
نیاز مولوی نیاز احمد
نیاز میر محمد

حرف الواؤ

واقف لا اعلم
والہ لا اعلم
والہ مرحمت خاں
واصف حسن بخشی
واصل محمد واصل
وجیہہ نواب الدین خاں
وحشت لا اعلم
وحشت میر ابوالحسن
وحشت غلام علی خاں
وحدت جمیعت رائے
وزیر خواجہ وزیر

وزیر وزیر علی خاں	ولی مرزا ولی محمد	ہرچند ہرچند کشور	ہوش مرزا محمد تقی خاں بہادر

حرف الہاء

ہمدم عباد اللہ خاں

حرف الیاء

وسعت مستقیم خاں	ہادی میر محمد جواد علیخاں	ہمزہ شاہ ہمزہ	یاد میر غلام حسین

وصال نصر اللہ خاں	ہاشمی میر محمد ہاشم	ہمت اخوند ہمت	یاس خیر الدین

ولا مظہر علی خاں	ہاشمی لا اعلم	ہوش غلام مرتضیٰ	یقین انعام اللہ خاں

ولی اسم بامسمیٰ	ہدایت ہدایت خاں	ہوش میر شمس الدین	یکرنگ مصطفےٰ خاں

یوسف میر یوسف علی

مقدمہ مصنّف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ کے کلمات پھولوں کے مانند اس چمن کی زینت ہیں کہ جو شمال کی ٹھنڈی ہوا سے چمن گیتی میں رنگ برنگے روپ دھار کے کھلتے ہیں اور گلدستۂ خیال کی آرائش کرتے ہیں اور شکر گذاری کو درخت کی صورت ایستادہ کرتے ہیں۔ اِس طرح اَبر و بارش کی آبپاشی کے بغیر دنیا کے باغ میں خوب صورت درخت وجود پاتے ہیں۔ وہ ایسا خالق ہے کہ جو انسان کے خاکی وجود کو محبوبوں سے بڑھ کر قبولیت کا آب و رنگ عطا فرماتا ہے وہ خالق ایسا ہے کہ جو دریا کے کنارے ایستادہ سرو کو قامت کے اعتبار سے یار کی دلبری سے کم کم رکھتا ہے۔ وہ باری تعالیٰ ایسا حکیم مطلق ہے کہ جس نے انسان کی شہرت میں نیک و بد کا فرق اور گل و خار کی تمیز پیدا کی ہے وہ ایسا ہے کہ جس نے دِلدار کی زلف کو پُر پیچ و پُر شکن سنبل سے بڑھ کر بنایا ہے اور یہ تمام بے کار کی باتیں ہیں کہ کٹ حجتی کی جائے یا ایک کو بڑھا کر دوسروں کو گھٹانے کا پینترا استعمال کیا جائے۔

اصل یہ ہے کہ ایک ترقی یافتہ ذرّے میں سو آفتاب چھپے ہوتے ہیں اور ایک پتی کا جلوہ ہزار گلستانوں کو شرماتا ہے۔

بیت

وصف صنعت کز لب ہر ذرّہ میرزد بردن
نطق را درمعرض عقدا للسان انداختہ
برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہرورقی دفتریست معرفت کردگار

بہرحال بخیل ترین دوست بھی انسان ہے کہ جو موجودات میں سب سے بڑھ کر اور اشرفُ المخلوقات ہے اسی قیاس پر ہر ایک دوسرے پر توجہ کرتا ہے اور ایک دوسرے کا نقص بھی نکالتا ہے اور رعایت بھی دیتا ہے اور یہ ہی وہ چنگاری ہے جس کی روشنی میں اچھے بُرے کی تمیز کی جاتی ہے اور یہ ہی روشنی آنکھ میں بصیرت کی نگاہ پیدا کرتی ہے مصلحت سے نگاہ کرنا بہت بڑی بات ہے اور دل آفتاب کی مانند جسم کے شبستان میں اس طرح جلوہ گر ہے کہ جیسے اندھیرے میں شمع نور بکھیرتی ہے یہ ایسی حکمت پر سب کچھ بنا ہے کہ ہماری آنکھ لاکھ نرگس کو شرمائے مگر اس کو دیکھ نہیں سکتی اور گل کا جلوہ اپنے چہرہ سے نظر ہی نہیں ہٹانے دیتا کہ انسان کچھ بیاں کر پائے۔ اسی طرح اچھا یہ ہے کہ لالہ رخوں کی تیز ہوا سے آتش شوق اس طرح نہ بڑھے کہ جیسے بلبل پھول سے اپنی آگ کو بھڑکاتا ہے اور شمع جیسے چہرے والے معشوقوں کی آرزو میں آدمی اس طرح نہ جلے کہ جیسے چراغ پر پروانہ نثار ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں محبوب سے بھی بڑھ کر جلوہ بکھیرنے والے ہیں اور یہاں بلندی اور نور افشانی میں ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ بادۂ سخن کا جام کیفیت کے پیمانہ سے ناپا جاتا ہے۔ ؎

قانع نشوی بہرچہ یابی   از خوب بخوب ترشتابی

رقص کے کمال فن کو جو نہیں پہنچتا اور اس کے حصول میں تامل کرتا ہے تو یہ حوصلہ کی پستی ہے اور جو شجر طوبیٰ کے ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ کسی اور درخت کی جانب بڑھاتا ہے تو یہ اس کے مزاج کی کوتاہی ہے۔ بادۂ طہور کے ہوتے ہوئے انگور سے مئے کشید کرنا ٹھیک نہیں ہے اور یوسف کے روبرو ہو کر زلیخا کے چہرہ کو تاکنا درست نہیں ہے، جادو کے زور سے گردش کرنا دانشمندوں کا شیوہ نہیں ہے اور مسیح پر افلاطون کا پیوند لگانا دیوانگی ہے۔

مختصراً حقیقت یہ ہے کہ مجاز ایک (مدھم) دیا ہے جب کہ کعبہ حقیقت کی ایک (روشن) مشعل ہے۔ دراصل مہارت وہی مہارت ہے جس پر فن کار کا علم اور اس کی معرفت غالب رہے اور سچ یہ ہے کہ ایک مکمل پیش کش دنیا کے نوادر کا حصہ ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدم کی طرف سے پیش کی جانے والی ایجاد جو علم اور معرفت کی بلندی تک پہنچے اسی کا نام معرفت ہے اسی کو علم و فضل کہتے ہیں معرفت کی گہرائی کو سمجھنے سے قاصر رہنا ہی پستی ہے لیکن وہ شخص جو دماغی اُلجھن کا شکار ہے اس کا راستہ کیا ہے اور جو منزل کو پہنچنا چاہتا ہو اس کے لیے خضر راہ کہاں سے آئے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کو سمجھانے کے لیے پیغمبروں اور نبیوں کو بھیجا گیا ہے اور وہ لوگ کہ جو الجھنوں کے شکار منزل مقصود کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں ان کو ان کی منزل تک پہنچایا جا سکے اور ان کی کی ایک انجان وادی میں راہ نمائی ہو سکے تاکہ وہ اس مطلوب وادئ مقصود تک کامیابی سے پہنچ سکیں۔ سلام اللہ علیہم اجمعین ان تمام نبیوں اور پیغمبروں پر اللہ کا سلام اور درود ہو خاص طور سے نبیوں کے اس قافلے کے پیش رو اور رہ نما اور نبوت کے درخشاں عنوان اور صاحب کتاب پیغمبروں میں آخری حامل رسالت ادنان ادنانی سلسلہ کے سربراہ اور جن و بشر کے سردار، ابراہیمؑ کے خواب کی تعبیر، موسیٰؑ کے جیسے جاہ و جلال والے، ایوبؑ کی طرح صبر سے لبریز،

یوسفؑ جیسے خوش شکل اللہ کی نعمتوں اور اکرام واجلال سے نوازے ہوئے جن کے ہر قدم پر نور اور فیضان روحانیت کی بارش ہو، وہ ہیں دو عالم کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کے صدقہ میں چمنستانِ زمانے پر آپ کی روح پرور شعاعیں روشنی ڈال رہی ہیں اور آپ کی پاکیزگی کا نور جس پر چمک رہا ہے اور جس کے سورج کی شعاعیں سارے عالم کو روشنی دے رہی ہیں ان کی گردن تک کی رسائی کے پیروں میں فلک کی بلندی ہے۔ لوگ چاہے اس کو پست ہمتی سمجھیں مگر یہی میرے مقام کی بلندی ہے کہ ان کے ثریا پر رکھے ہوئے قدم مبارک کے آستانہ کو بوسہ دوں اور پستیوں سے انکار کروں اور وہ ایسا مہربانی والا ہے کہ اس کے دشمن بھی اس سے دوستی پر آمادہ ہو جائیں۔ اس کے دوستوں کا حال ایک ایسے باغ لگانے کی مانند ہے جس میں اس کے احسانوں اور نیکیوں کی پھلواریوں سے آشنا اور بیگانے سبھی اس کے دماغ کے پھولوں سے فیضیاب ہوسکیں اور اس کی انگلیوں کے اشارے پر آسمان حکم بجالاتا ہے اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور اس کی ناراضگی اور شفقت کے درمیان آفتاب پر کبھی امید اور کبھی خوف کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں اور اس کی شب معراج، شب قدر اور روز عرفات سے زیادہ بلند مرتبت ہے اور پانی کی روانی اس کے شمائل اور عادات کے فیض میں ڈوبی ہوئی انگلیوں پر پانی کے قطرے کی طرح ہے جو اس کے فضل وکمال کے چشمہ سے نکلا ہو۔

یہ وہ دریا ہے جو خشکی اور سمندر کا حاصل ہے جو آرزومندوں کے دامن پر ڈال دیا گیا ہے، یہ وہ چشمہ ہے جس کا فیض خاص وعام پر جاری ہے اور اس کے عدل کو نوشیرواں کا انصاف کہنا ناانصافی ہوگی اور اس کی جود وسخا کے ذکر میں حاتم کا نام لینا بے ہودگی ہے۔ ان کے معجزوں میں نباتات اور پتھروں کا انسانی صفات کے ساتھ بات کرنا اور ان کی حکایتوں میں درختوں کے بولنے اور پتھروں کے حرکت کرنے کا ذکر آتا ہے۔ مشہور ہے کہ آپ کی تلوار

کی چمک نے سرکش اور نافرمان لوگوں کی زندگی کی کشتی کو گرداب عدم میں جھونک دیا اور آپ کے غصہ کی آگ اہل شرک اور نفاق کے وجود پر برق بن کر گری اور تہس نہس کر گئی۔ آپ کے عہد میں کسریٰ کے محل کی کفر و فسق کی بنیادوں کو اُکھاڑ پھینکا گیا اور آپ کے زمانے میں شرک کا فتنہ بھی سرد پڑ گیا ملک فارس کے آتش کدوں کی آگ کا ٹھنڈا ہونا اس کی ایک واضح دلیل ہے اور اپنے اعزا و اقربا میں آپ کی شان اور آپ کی آنے والی نسلوں کو ملنے والی رفعت اور مقام سب سے برتر ہے اور آپ نے خود کے مقام و منزلت میں خداوند تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کیا ہے اور آپ کے اصحاب میں ہر شخص اپنی جگہ ایک بلند روشن ستارہ ہے جس سے ہدایت ملتی ہے اور وہ سب سچائی اور حق کے آبدار موتی ہیں۔

اور اب دیکھنے والوں کو خوشخبری ہو کہ محبوب سخن ناز و ادا کے ساتھ اپنے رخ سے اب نقاب ہٹایا چاہتا ہے اور فکر و خیال اپنی کرشمہ سازیوں کے ساتھ اب جلوہ افروز ہوتے ہیں آفتابی قلم سے نکلی خوش کلام اور برجستہ نظمیں اپنی دلربائی کے ساتھ پیش کی جارہی ہیں اور مشتاق تماشائیوں کے لیے سجی دھجی نثر کی صورت آفتابی شمع اب روشن ہوتی ہے۔ یہ خوشنما اور خوش رنگ تخلیقات ایک بیاض میں جمع کر دی گئی ہیں اور یہ صبح صادق کے غنچوں کی طرح شگفتہ و آراستہ ماحول کی سفیدی سے زیادہ روشن ہیں اور یہ ماحول کے تصور سے مرتب تذکرے سے زیادہ خوشنما اور رنگین ہیں۔ اس میں شامل اشعار فصاحت کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ اس کی زبان (اردو) اختصار اور بلاغت کی خوبیوں سے پُر ہے۔ یہ ایک ایسا ہدیہ ہے جو دل نواز دوستوں اور جان چھڑکنے والے احباب کی خدمت میں نہایت اختصار کے ساتھ پیش ہے۔ ہیروں کی پرکھ رکھنے والے اگر کہیں کچھ پہچاننے سے قاصر تھے تو یہ ان کو میری جانب سے ایک تحفہ ہے پرانے کھنڈروں میں یہ جگایا ہوا یہ نیا جادو افلاطون اور ارسطو کے سروں پر

رکھی ہوئی ناقدر شناسی کی تختیوں کو توڑنے کا باعث ہوگا۔ (میری یہ عطا ضرور ہے) کہ غرور و ناز کی وجہ سے میں نے ایرے غیرے کے گھاس پھوس (کلام) کی جانب توجہ نہیں کی ہے اور نہ ہی اس کو رغبت سے سنا ہے۔ اس تمام واہیات سے ہرگز میرا کچھ سروکار نہیں ہے۔

بیت

من مرغ چمن ترانہ باغ فضیلتم　　　طبع مرا بزمزمۂ شاعری چکار

(میں فضیلت کے باغ کا خوش الحان پرند ہوں،

شاعری کے نغموں سے میری طبیعت کو کیا واسطہ)

بیشک یہ مرحلہ وہ ہے کہ جہاں یہ تمام (شاعر) میرے روحانی دوست ہیں اور میرا وجدان کی آرزو کرتا ہے۔ یہ اس آرزو کے روح رواں بھی ہیں۔ ان کے تذکرے میں میری زبان زیادہ تر تسلیم و رضامندی کی زبان بن کر کھلی ہے اور یہ شرم و خجالت کا بوجھ میرے سر اور گردن پر رکھا گیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ صبح جوانی کے مانند مسرت بخش اور زندگی کے چمن کی بہار کی صورت مسرت افزا، بہار کے موسم سے بھی بڑھ کر خوشی عطا کرنے والی اور چہکتے ہوئے بلبل کے الاپ سے زیادہ جسم و جان کو تازگی بخشنے والی روشن و چمکدار صبح دل کی گھنیری رات سے طلوع ہوئی ہے۔ ماہتاب اور آفتاب طعنہ زنی کے مستحق ہیں۔ شمع اور چہرے اس دعوے کے ساتھ روشن کیے گئے ہیں کہ سورج کے برابر روشن ہو جائیں۔ آسمان اپنے ستاروں سے زمین پر نور کی بارش کرتا ہے۔ زمین چراغوں کے جلنے سے آسمان بنتی ہے۔ ایک باغ ہے کہ جو شگفتگی میں جنت سے بڑھ کر ہے، ایک گلشن ہے کہ جو نازنینوں اور زہرہ جبینوں کی گل گشت سے اور بھی دل لبھانے والا بن گیا ہے۔ راتوں میں چہکنے والے پرند خوش الحانی سے گیت الاپتے ہیں۔ سرو اور شمشاد ہلکی اور ٹھنڈی ہوائیں جوانان رعنا کے مانند جھومتے ہیں۔ صحرا کے ننھے منے پرند

ہزار عشوہ و ادا کے ساتھ سیمیں تنانِ باغ کی روشوں پر آہستہ خرامی کرتے ہیں نہروں میں رواں شفاف پانی کی موجوں کی چال رندانِ بلانوش کی مست خرامی کو شرماتی ہے۔

لالہ کے مانند سرخ رخسار والے پھولوں کے چہرے شراب کے انعکاس سے اور بھی سرخ ہو گئے ہیں۔ نظارگی کو تماشے کا شوق جلا ڈالتا ہے۔ غنچہ کو بھی گل سے برابری کا شوق چراتا ہے۔ سنبل کاکل کے منہ آتا ہے۔ دیکھنے والے یہ سب تماشا دیکھتے ہیں اور عش عش کر اٹھتے ہیں۔ نسیم اور صبا عطر بکھیرتے ہیں۔ نرگس کی آنکھ باغ کا رنگ دیکھ کر کسی دیدہ باز کی آنکھ کے مانند کھلی کی کھلی رہ گئی ہے۔ سوسن اپنی ہزار زبانوں سے چہکتے ہوئے بلبل کی طرح باغ کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہے۔ گل جعفری اپنی ہزار پتیوں اور سامان کے ساتھ جلوہ نما ہے۔ گل بنفشہ کو دیکھو تو ریحان کا دماغ ہے کیسنوں کے رخسار دل کو کھینچتے ہیں۔ سچے احباب اور ہم مزاج دوستوں کے ساتھ ایک ایسی محفل سجائی کہ جہاں امن و اتفاق کی کارفرمائی ہو اور پھولوں کے مانند دل شگفتہ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی مسرت سے تر و تازہ رہیں اور زرِ گل کے مانند ذخیرہ کا درجہ رکھیں۔ جہاں غم و غصہ کا نام و نشان بھی نہ ہو۔ اس محفل میں اگر رشک کی گرمی کا گزر ہو بھی تو ایسا کہ جیسے خود شمع بھی مانند پروانہ جلے۔ اس انجمن کی رنگینی میں حسد کا کوئی پہلو ہو تو ایسا کہ جیسے باغ میں شاعر اور بلبل زمزمہ پردازی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہیں۔ ان میں کوئی ایسا ہے کہ جو اپنی طبع کے صدف سے موتیوں کی بارش کرتا ہے۔ کوئی ایسا ہے کہ جو دل لبھانے والی خوش الحانی سے ڈوم اور قوالوں کے پورے کوچے کو شکست دینے کا حوصلہ رکھتا ہے اور کوئی محض ایک لفظ سے ہی شکر لٹانے والے طوطیوں کی منقار کو باندھ دے گا۔ جمعی چو گل و لالہ بہم پیوستہ (گل و لالہ کے مانند ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں) ان میں وہ

عزیز و حبیب اور دل کے قریب بھی ہے کہ جو احباب کی محفل کی شمع ہے اور اس کی محبت گویا ان کی جان کا جزو اعظم ہے۔ اس نے ایک بار کہا کہ دل چاہتا ہے کہ ایک ایسی کتاب تیار کریں جس میں قابل احترام بزرگوں اور ان کی سعادت آثار اولادوں کا ذکر اکٹھا کیا جائے تاکہ گزرے ہوئے لوگوں کے تذکرے ہمیشہ کے مونس بنیں اور ہر وقت دوستوں کے مانند ساتھی بنے رہیں۔ یہ ایسا سرور ہے کہ جس سے اس دور میں سر ہمیشہ اونچا رہتا ہے اور اس شراب کا نشہ زمانے کے حوادث دوار تک خمار کی تلخی عطا کرنے پر قادر ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میرے مرغ دل کے شکار کرنے والے تو سدرہ نشین طائر ہو کر ببول کے تنکوں سے آشیاں بندی کیا چاہتا ہے۔ تو شفاف پانیوں کا تیراک ہے کیچڑ میں گرنا تجھ کو زیب نہیں دیتا۔ اگر تو کہ جو مجھ سے حسن ظن اور سر میں شعر کا سودا رکھتا ہے اور بربنائے سودا ریختہ میں شعر بھی کہتا ہے (مشکل یہ ہے کہ) اگر تجھ سے پہلے کے لوگوں کی دانش میرے دل کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے نہ ہوتی تو میں نے تجھ کو جو کچھ جنوب (دکن) سے منسوب ہے وہ سب دکھایا ہوتا ہے اور مجھے اس کی تصدیق کے لیے کسی دلیل یا ثبوت کی ہرگز ضرورت نہیں ہوتی۔ حق یہ ہے کہ اگر یہ بات ہذیان نہیں ہے تو کیا ہے دیکھو کہ اس فن کا شروع کرنے والا کون ہے اور جو کچھ خبریں عذاب کے وعدے کے طریق پر آئی ہیں وہ فساد پیدا کرنے والی ہیں اور بعد کی اطلاعیں جو مدح پر دلالت کرتی ہیں ان کا حال یہ ہے مثل ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا (یقیناً شاعری میں دانش ہوتی ہے اور بلا شبہ بیان جادو کے مانند ہے) اور یہ بات وہی ہے کہ اگر کلام برے لوگوں کی ستائش اور لائق ستائش لوگوں کی قدح پر مشتمل ہے تو مذموم ہے ورنہ نیک لوگوں کے اعمال (یا اعمال حسنہ) کی دلیل پر قابل تعریف ہے۔ جس کسی نے کہا ہے۔ خوب کہا ہے کہ "بدان رتبہ شعر را سرسری ٭ بود شاعری بعد پیغمبری"

(شاعری کے رتبہ کو موٹے طور پر یہ جان کہ یہ پیغمبری سے تھوڑا ہی کم ہے)

اور یہ کہ ریختہ کو اگر تونے حقیر شمار کیا اور اس زبان (اردو) کو تونے کمتر درجے کا جانا تو سمجھ لے کر تو یہ نہیں جانتا کہ اصل غرض معانی سے ہوتی ہے پس اگر ہر لفظ میں تازہ معانی اس طور بندھے ہیں کہ کشادگی پیدا کرتے ہیں تو شاعری لائق تحسین ہے اور ایسا کلام دل و جان سے سننے لائق ہے۔ بے شک اس زبان میں تین زبانوں کے لغات ہیں اور اس سے یہ فصیح ہوئی ہے۔ اس میں شامل ہر زبان میرے دل کو لبھاتی اور میرے شوق کی تسکین کا باعث بن کر تفریح کا سامان مہیا کرتی ہے۔ میں نے بڑی مشکل اور چھان بین کے ساتھ پرانے استادوں اور ان کی اولادوں کے دیوان جمع کیے اور جس کسی کا دیوان نظر سے نہیں گزرا اور فراہم نہ کر پایا اس کی شاعری تذکروں اور شاعری کی بیاضوں (گلدستوں) میں سے اور اپنے حافظے سے مہیا کرکے اس میں سے اچھے سے اچھا انتخاب کیا اور یہاں لکھ دیا ہے کیونکہ پیش نظر یہ تالیف تھی اور مقصود نظر یہ تصنیف تھی اس لیے اشعار جمع کرنے کی اس تمام جگر کاوی نے دل کو ذرا بھی پریشان نہیں کیا۔ البتہ وہ شعرا کہ جن کا کلام نظر سے نہیں گزرا ان کا ذکر نہیں کیا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ معروف تھے یا غیر معروف تھے، اچھے تھے کہ برے تھے، زندہ ہیں یا انتقال کر چکے ہیں ان کے نام یہاں شامل نہیں ہیں اب چونکہ وہ اس ناؤ میں سوار نہیں ہیں اور ان کا کلام یہاں درج نہیں کیا گیا ہے تو اس سے وہ مشاہیر کے زمرے سے خارج نہیں ہو گئے ہیں اور اس کا یہ مطلب بھی نہ سمجھا جائے کہ ان کے یہاں ایک شعر بھی لائق تحسین نہیں تھا بعض وہ بھی ہیں کہ مجبوراً جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے کیونکہ میرا مقصود کسی کی گردن پکڑنا نہیں تھا۔ ایسے بہت سے جھوٹے دعوے داروں کے نام اگر ان اوراق میں نظر نہ آئیں تو فقیر کو قصوروار نہ شمار کیا جائے۔ اگر کسی عمدہ خیالات اور (اچھی فکر) والے شاعر کا ذکر اس کتاب میں نظر نہ آئے تو سمجھ لو کہ وہ (اس کا کلام) ہم تک

پہنچ نہیں پایا۔ جہاں تک مہربانی اور کینہ یا دوستی اور دشمنی کا تعلق ہے۔ یہ سب اہل صفا کے دل کے مانند انشاء اللہ اس کتاب میں نہیں ملے گا اور مختصر یہ ہے کہ اس کتاب سے کسی طرح کی آزردگی پیدا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مقصد منتخب اشعار پیش کرنا ہے یعنی آبدار موتیوں کو دھاگے میں پرونا ہے اسی سے اس منثور تحریر کو منظوم کہا جا سکتا ہے (کیونکہ نظم کے لغوی معنی ہیں موتی پرونا) بازار سخن کے جوہریوں کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہر ایک موتی اس کتاب میں نہیں لیا گیا ہے۔ احوال شعرا کی ترتیب ان کے تخلص کے پہلے اور دوسرے حرف کی رعایت اور حروف تہجی کے حساب سے مقرر کی گئی ہے اور اشعار کی ترتیب ان کے آخر حرف سے ترتیب بنائی گئی ہے۔ اس میں زمانی ترتیب اور مرتبہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ کاموں کی کثرت اور فرصت کی کمی کے باعث غزل کے اشعار ہی پیش کیے گئے ہیں اور شاعری کی دیگر اصناف سے گریز کیا ہے۔ اس کارنامے کا آغاز ۱۲۴۸ ہجری کے شروع میں ہوا اور ۱۲۵۰ ہجری کے آخر میں تمام ہوا۔ "بسلہ منتخب زیب" (۱۲۴۸ ہجری) اس کے آغاز کی تاریخ ہے۔ والحمد للّٰہ علی حصول المقاصد والشکر لہ۔ اللہ ہی کی تعریف ہے اور وہ شکر کا مستحق ہے کہ میں اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب رہا اور میرا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا اور آج میری عمر کے تیز رو گھوڑے نے ۲۶ ویں منزل پار کر لی ہے اور مزید حصول مقاصد کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اے اللہ خیر و عافیت کے ساتھ اس کو منزل مقصود تک پہنچانا۔

چونکہ یہ دلکش اور عشرت انگیز گلشن جنت کے کسی باغ کے مانند خس و خاشاک سے پاک ہے اسی باعث اس کا نام "گلشن بے خار" رکھا گیا ہے کہ اہل ذوق حضرات کی شیریں طبع کے موافق ہو اور دیکھنے والوں کی بینائی کی رنگینی بڑھائے۔

اور اب میں مقصد پر آتا ہوں۔ اللہ سے توفیق کا طلب گار ہوں جو رب ودود و مہربان ہے اور میں محمدؐ جو اللہ کی نشانی مصطفےٰ کے نام سے ہوئے کے نام نامی سے مسمّٰی ہوں۔ انھوں نے میرے اس کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے

میں مدد فرمائی اور میرے خاتمے کو میری شروعات سے بہتر کیا اور اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص عطا کیا۔ میری دعا ہے کہ الٰہی یہ کام مشکل پسندوں کی پسند خاطر ہو۔

حرف الالف

آبرو

آبرو تخلص، نام نجم الدین، شاہ مبارک کے نام سے معروف ہے۔ محمد شاہ گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے اور سراج الدین علی خاں آرزو کا شاگرد اور رشتہ دار ہے۔ نامی صاحب زبانوں کے طبقہ (درجہ) میں سب سے آگے ہے۔ صنعت ایہام کی طرف (زیادہ) مایل تھا۔ محمد شاہ کے زمانے میں اس کی زندگی کا ستارہ ماند پڑ گیا (یعنی وفات ہوگئی)۔ اس کے افکار کے نتائج میں سے یہ ہے:۔

کیوں چھپا ظلمت میں گر اُس لب سے شرمندہ نہ تھا
جان کچھ پانی مری ہی چشمۂ حیواں کے بیچ

کون چاہے گا گھر بسے تجھ کو　　مجھ سے خانہ خراب کیسی طرح

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط
کس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں　　اِس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں مَیں
یہاں تک تو فنِ عشق میں کامل ہوا ہوں مَیں

نہ دیوے لے کے دل وہ جعد مشکیں
اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو

پھرتے تھے دشت دشت دِوانے کدھر گئے
وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

شور ہے اس کی اشک باری کا
آبرو چشمِ تر قیامت ہے

آتش

خواجہ حیدر علی نام، آتش تخلص، لکھنؤ کے مشہور شعرا میں سے ہے۔ بڑا رنگین طبع اور بے باک انسان ہے، اس حد تک کہ لوگ آتش کو ناسخ جیسے معروف اور معتبر استاذ کے ہم وزن مانتے ہیں اور دونوں کو ایک جیسا شمار کرتے ہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے جو تحقیق شدہ ہے اور تمام صاحبانِ فہم و دانش اس امر سے واقف ہیں۔ اس کے نیک طبع ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔

اِس کے دیوان کے بغور مطالعے کے بعد (مندرجہ ذیل) اشعار کا انتخاب ہوا ہے:۔

شب ہجراں میں جو دم تھا وہ گویا واپسیں دم تھا
گماں تھا شام سے مجھ پر چراغ صبح گاہی کا

دمِ آخر بھی بالیں پر مرے ہمراہ یار آئے
رقیبوں نے محل رکھا نہ باقی عذر خواہی کا

یاد آیا جو طوافِ کعبہ میں آتش وہ ماہ
حال بدتر تھا کتاں سے جامۂ احرام کا

سامنے ہوتی نہیں اُس شمع رو کی اپنی آنکھ
اے صبا محفل سے پروانہ کی خاکستر اُٹھا

عرصۂ محشر میں جاتے ہی جہنم میں پڑا
اور اُلٹے یہاں ارادہ تھا مجھے فریاد کا

گردشِ چشمِ بُتاں سے مل گیا میں خاک میں
آسماں کو شوق باقی رہ گیا بیداد کا

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے
مَیں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

لحد تیرہ میں مجھ پر جو لگا ہونے عذاب
پھر گیا آنکھوں میں عالم شبِ تنہائی کا

چھوڑتا میرے گریباں کو نہیں دستِ جنوں
کیا یہ اس کو کسی محبوب کا دامن سمجھا

بڑا شور سُنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرۂ خوں نہ نکلا

پیچھے ہٹا نہ کوچۂ قاتل سے اپنا پاؤں
سر سے تڑپ کے چار قدم آگے دھر گیا

مگرہ تھی دل میں زبس حسرت ہم آغوشی
فشارِ گور کا راحت مجھے عذاب ہوا

شبِ فراق میں مجھ کو سُلانے آیا تھا
جگا یا مَیں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا

ہماری قبر سے آئے گی یہ صدا تا حشر
یہ مُردہ آیا کہ مجھ پر کوئی عذاب آیا

اللہ رے شوق اپنی جبیں کو خبر نہیں
اُس بُت کے آستانے کا پتھر رگڑ گیا

روزِ سیاہ ہجر میں میرے جلے چراغ
پروانوں کو نصیب ہوا دن وصال کا

وہ نہیں ہوں میں رُکھائی سے جو ٹل جاؤں گا
آج جاتا تھا تو ضد سے تری کل جاؤں گا

عاشق اُس غیرتِ بلقیس کا ہوں مَیں آتشؔ
بام تک جس کے کبھی مُرغِ سلیماں نہ گیا

چال ہے مجھ ناتواں کی مرغ بسمل کی تڑپ
ہر قدم پر ہے یقیں یہاں رہ گیا وہاں رہ گیا

قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشان کوئے دوست

اُس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیونکر بنے
دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست

آمد آمد اُس سراپا نور کی ہے بزم میں
شمع اُڑ جائے جو ہاتھ آئیں پر پروانہ آج

دندانِ یار جب سے سمائے ہیں آنکھ میں
لیتے ہیں موتی جوہری اپنی نگاہ میں

کوچۂ یار میں سایہ کی طرح رہتا ہوں
در کے نزدیک کبھی ہوں کبھی دیوار کے پاس

اے جذبِ دل بغل میں سمجھتا ہوں یار کو
جاتا ہے دھیان جب تیری امداد کی طرف

سجدۂ شکر خدایا میں کیے رکھتا ہوں
پاؤں پر یار کے سر کو ہی جھکانا شب وصل

وحشی تھے بوئے گل کی طرح سے جہاں میں ہم
نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکاں میں ہم

لوث گناہ کو جو کبھی آگیا ہے دھیان
غوطے لگائے ہیں عرق انفعال میں

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست
مرے احسان ہیں دشمن پر ہزاروں

اسے جاں کے برابر مرتے مرتے ہم نے رکھا ہے
ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسوں

خاک میں مل کے بھی ہوں گا نہ غبار دامن
کمر یار سے اُٹھتا نہیں بارِ دامن

نوازش مجرمانِ عشق پر جلاد کرتے ہیں
خدا اجران کو دے اس کا اسیر آزاد کرتے ہیں

برہمن آنکھوں کو ملتا ہے جو پائے بُت پر
رشک آتا ہے مجھے سنگِ درِ یار نہ ہو
چمنِ دہر میں وہ سبزۂ خوابیدہ ہوں مَیں
باغِ جنت کی ہوا سے کبھی جو بیدار نہ ہو

جس تودے میں شریک ہوئی اپنی خاک اسے
حسرت ہی رہ گئی لبِ معشوق تیر کے
سنگ در پر کسی محبوب کے دے پٹکوں گا
بد دماغی جو یہی ہے تو ہوا سر ٹکڑے

جلاتی ہے دل آتشِ طور کے طرح
کسی پردہ نشیں کی لن ترانی

ایڑیوں تک تیری چوٹی کی رسائی ہوتی
کل جو آنی تھی بَلا آج ہی آئی ہوتی

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر
ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

ہاتھ مشتاقِ گریباں ہے جنوں کا جوش ہے
پیرہن تن پر مری گرمیکا بالا پوش ہے

منزل ہی دور ہے جو یہ پہنچی نہیں ہنوز
دم لینے والی راہ میں عمرِ رواں نہ تھی

افسوس ہے فرہاد کو پہلے ہی نہ سوجھی
سر توڑ کے مر جائیے اس کوہ کنی سے

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا   زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

پری زادوں کے کوچہ میں ہوئے ہیں گرد آلودہ
ہمارے پاؤں کو دھوئیں گی حوریں آبِ کوثر سے

آرزو

سراج الدین علی خاں نام، آرزو تخلص، وطن اکبر آباد ہے۔ بذات خود اس قدر مشہور و معروف کہ تعارف و تعریف سے بالا (ہیں) راقم نے اس حقیقت کے پیش نظر ان کے متعلق بیان و توصیف میں طوالت سے گریز کیا ہے۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی فکر فرمایا کرتے تھے۔ اس کے اشعار ہیں:-

اُس تند خو صنم سے ملنے لگا ہوں جب سے
ہر کوئی مانتا ہے میرے دلاورے کو

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسا ہے

آرام

آرام تخلص، خیر اللہ خاں نام۔ تیر اندازی کا دلدادہ تھا۔ نواب ظفریاب خاں کی مصاحبت اور دوستوں کی صحبت اس کی خوش گوار اور خوشحال زندگی کے زوال اور انحطاط کا باعث بنی۔ اس کا شعر ہے:-

جی میں رکھتا تو غبار آئی رشک گلشن چھوڑ دے
خاک عاشق پر جھٹکتا کیوں ہے دامن چھوڑ دے

آرام

آرام تخلص، رائے پریم ناتھ نام، قوم کھتری پیشکار تھا خط نستعلیق میں بڑی مہارت تھی اور بہت خوب صورتی سے لکھا کرتا جس کی شہرت اور مقبولیت

نے بازارِ کفایت خاں کی رونق میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ تیراندازی میں بھی مہارت رکھتا۔ ریختہ اور فارسی زبانوں میں شعر کہا کرتا تھا۔

یہ اشعار اس کے ہیں:۔

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا دل کا فوارہ اُچھلتا ہی رہا
کون دلداری کرے آرام کی ایک مجنوں تھا سو جلتا ہی رہا

آرام

آرام تخلص، نام مکھن لعل ہے۔ بہت دانا اور زیرک کاتب ہے کسی نے یہ شعر غلطی سے اس کی طرف منسوب کر دیا ہے:۔

ہمدمو مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل
اُس کو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل

آزردہ

آزردہ تخلص، نہایت فاضل انسان، علما میں نہایت نمایاں، مکرّم اور موقر بلیغ علما کے لئے ایک مثال اور اعلیٰ مرتبت، اہلِ فصاحت میں ایک نمونہ، بے شمار اور عظیم اوصاف حمیدہ سے آراستہ، اور بہت سارے اعلے مناصب پر فائز رہنے والے اِس عظیم شخصیت کے اہتمام کی بنا پر نئے نئے فنون معرض ظہور میں آئے، نت نئے علوم و فنون کو خود بھی حاصل کیا بیان واسلوب و معانی کے بادشاہ، شعر و سخن کے قلم رو میں مکمل عمل دخل رکھنے والے حقائق و معارف کے پوشیدہ پہلوؤں سے ابہام کے پردے کو چاک کرنے والے اور اُن کو ایسے الفاظ کے پیرائے میں پیش کرنے والے کہ

جس سے سماعت کو تسکین ہو اور جن کے شفاف قلب سے علوم و معارف کی نہریں بہیں، جن سے فہم و ذکا کو بے مثال تقویت ملے، ان کو اپنے ہم عصروں پر فوقیت رہی اور ان لوگوں میں اپنے علم و فضل کے باعث نمایاں رہے، اُن کے اشعار بیت القصیدہ (قصیدے کا سب سے اہم شعر) کا درجہ رکھتے ہیں ان کے کلمات مشہور عرب اہل فصاحت لبید کے کلمات کی طرح ہیں۔ ان کا درجہ کچھ اس طرح ہے جیسے غذاؤں میں طعام الثرید (قورمہ کی قسم کا ایک لذیذ کھانا ہوتا ہے) جسے ایام میں یوم عید، جیسے راتوں میں شب قدر اور نمازوں میں نماز فجر کو درجہ حاصل ہے۔ ان کا مقام عام پانیوں میں آب زم زم کے مانند ہے، اپنے پیچ و خم میں "مرزم" کی گٹھلی کی طرح ہیں اور سورتوں میں سورۃ اخلاص اور دعاؤں میں دعائے سعد بن ابی وقاص۔ ان کے علم و فضل سے معمور بادلوں سے برسنے والی بارشوں کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے، وہ ایک آسمان علم پر متحرک سیارے کے مانند ہیں جس میں جڑے ہوئے ستاروں کی دمک سے انکار ناممکن ہے۔ دراصل علم و فضل کے کسی میدان میں کسی کے لئے ان سے مقابلہ آرائی ممکن نہیں اور نہ ہی ان کے فنون کی بنیادی یا فروعی علمیت کو چیلنج کرنا ممکن ہے۔

اعنی بدیع الکمال لا نظیر لہ — نفوسنا با لھوی فی خیر شغفت

یا صدر علم لہ فی الصدر منزلہ — من دون عایاتہا الافکار قد وقفت

(میرا مقصد اس بے مثال صاحب کمال سے ہے جس کے علم و فضل کا مقام محض اولین (رہی) ہو سکتا ہے۔)

(ہمارے دلوں نے ہر خیر کی خواہش کی ہے لیکن اس کے حصول سے پیش تر مختلف افکار و خیالات اور تجسس آڑے آتے ہیں۔)

یہ ہیں عالی مقام مولانا محمد صدر الدین خان بہادر جن کے انوار معارف نے انھیں روشن بنایا اور اپنے محاسن اور اوصاف کے نور سے چمکتے دمکتے

رہے۔ اپنے فیضِ علوم سے بادلوں کی مانند سیراب کیا اور سب کے باطن وظاہر پراثر انداز ہوئے۔ مہمان نوازی، بزرگی اور پُروقار شخصیت سے اپنے ماحول کو روشن کیا۔ اگر ان کے اوصاف حمیدہ کو اس کتاب میں بیان نہ کیا جائے تو یہ کتاب بھلے ہی قیامت تک صفحۂ روزگار پر قائم رہے مگر اس عالی مقام کے نام کے ذکر کے بغیر صاحبانِ بصیرت میں اس کو درجہ قبول حاصل نہ ہوگا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر لمحہ بھر کو اس جلالت مآب کے اثرات کو اس کتاب میں رکھیں تو اس مبارک ذکر سے اِس کتاب کی رونق دوبالا ہو جائے گی اور اس گراں مایہ صاحبِ فضل وکمال کی شرکت کی خوبی سے اس کتاب کو اہلِ سخن کے تئیں معتبری کی خوش خبری حاصل ہو اور مبارک ساعت میں ختم ہونے والی یہ کتاب ہم زبانوں میں مرغوب ہو جائے بہرحال مولانا اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے بزرگ اہلِ علم اور معتبر تھے ان کی پیدائش اور پرورش اسی روشن و مبارک شہر میں ہوئی ہے۔ ان کو عدلیہ میں (بہ اعتبار ہندوستانی) اعلیٰ ترین عہدے حاصل ہوئے ہیں۔ انگریزوں کی اصطلاح میں ان کو صدر الصدور کہا جاتا ہے اور فی زمانہ ان کی سلطنت کے ہندوستانی عہدیداروں میں بہ لحاظ خدمت ولیاقت ان سے بڑھ کر شائستہ کوئی دوسرا نہیں ہے اور مولانا نے اس دنیاوی کسب معاش کے ذریعہ آخرت کا سامان بھی مہیا کر لیا ہے اس کا تمام جوش وولولہ کام بنانے میں صَرف ہوتا ہے جس کی آدھی برکت خاص وعام کو حاصل ہوتی ہے۔ مجھ گنہ گار کے ساتھ اُن کی دوستی کی کوئی حد نہیں ہے، ایسا کوئی دن نہیں گزرتا کہ مَیں اُن کی صحبت کا شہد نہ چکھوں اور اس قند مکرر کی مٹھاس کی شدت سے منہ کڑوا نہ ہو جائے اور بندہ کا اعتقاد ہے کہ جو دن اُن سے شرفِ ملاقات کے بغیر گزرتا ہے وہ میری عمر کے دنوں میں داخل نہیں ہے۔ وہ مجسم اخلاق ہیں اور مصور مانی کے تخیل سے بڑھ کر اس ذات

شریف کا نقش میرے صفحۂ دل پر نقش ہے۔ میری نظر میں ادب کے فنون میں 'اعشیٰ' اور 'جریر' (عرب شعرا) کا ثانی اور حکمت و فلسفہ کے میدان میں شمار باقر اور نصیر کے بعد ہی تیسرے نمبر پر آئے گا۔ ان کے فہم کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے اور ان کے علمی ادراک کا دعویٰ خیاط ازل کے جہل کے باعث ان کی قابلیت کے بدن پر چُست نہیں آتا۔ ان کی روشن دلی اور روشن ضمیری اس پر جیسا کہ چاہیئے سج نہیں پائی۔ ان کے کمالِ سخن کے سامنے ایران نے سر نہیں جُھکایا اور ان کی عظمت ساحری بابل سے نہیں آئی ہے۔ ان کے کمالات کی تفسیر بیان کرنے سے میرا طوطی خامہ باوجود قدرت گفتار کے اپنے کو لاچار اور بے زبان پاتا ہے۔ ان کے مکان بلند کی ہوا میں میرا طائر خیال اپنے پَر پھیلانے سے عاجز ہے اور اُن کی قرار واقعی مدح کرنے سے اپنے کو قاصر پاتا ہوں، شاید کہ کوئی دوسرا ان کی مدح کا حق بہتر طریقہ سے ادا کر پائے گا۔ شعر:
انوری عاجز است و من عاجز، طرح مدحش کہ در خور انداز د۔ اسی ناگزیر خواہش کے ساتھ ان کے کلام معجز نظام سے چند اشعار دیئے جا رہے ہیں کہ جو مردہ جسموں میں جان ڈال دینے کو کافی ہیں:۔

مر کر بھی ہمارا دل بے تاب نہ ٹھہرا
کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا

اس دردِ جدائی سے کہیں جان نکل جائے
آزردہ مرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر

ہو نہ دامن گیر کوئی جان کر قاتل تجھے
تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھ کر

برگشتہ بخت جذبۂ دل تم کو آفریں
آکر وہ پھر گیا مرے بیت الحزن کے پاس

آمد آمد ہوئی پھر موسم گل کی شاید   ان دنوں چاک کو پلتے ہیں گریباں سے انس

ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو
ہے فکر بخیہ تجھ کو گریبان کے چاک میں

گیا کون سا صید افگن ادھر سے
کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

یہ چھیڑ دیکھ مجھ سے شب وصل میں کہے
تو اجنبی ہے بند قبا کیونکہ وا کروں

گو اسیری میں ہوں پر مثل اسیر تصویر
نہ غم قید نہ پروائے رہائی مجھ کو

اُلجھنے کو بلا ہیں آپ بھی کچھ خیر ہے صاحب
لگایا ہاتھ کس نے آپ کے زلف پریشاں کو

تیرے مجروح کے سینہ میں کچھ گرمی سی باقی تھی
وہیں بس ہو گیا ٹھنڈا جو کھینچا تیرے پیکاں کو

اُس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے
گر ہم بھی سبک حرکت نا اہل سے ہوتے

آزاد

آزاد تخلص، نام شیخ امیرالدین ہے۔ غلام علی عشرت بریلوی کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔ بن ترے سیر چمن کو نہ گئے ہم ورنہ
خندہ گل نے ہمیں خوب رلایا ہوتا

آزاد

آزاد تخلص، نام میر فقیر اللہ ہے۔ پرانے وقت کا شخص ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔
سب صنعتیں جہان کی آزاد ہم کو آئیں
پر یار جس سے ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد

آزاد تخلص، نام رام سنگھ ہے۔ اس کی شخصیت شگفتہ اخلاق اور قوتِ ارادی کے محاسن سے مرصع تھی۔ ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد آنکھوں کی چمک دمک میں نورِ علم چھلکتا تھا۔ شعر کہنے کا حد درجہ شوق تھا۔ مہدی علی خاں تخلص عاشق کی نگرانی میں اس کا یہ شوق پایہ تکمیل تک پہنچا۔
یہ شعر اس کا ہے:

ان دنوں پیارے تری طرزِ تکلم اور ہے
طورِ چشمک اور ہے وضعِ تبسم اور ہے

آشوب

آشوب تخلص، نام میر امداد علی خاں ہے۔ میر روشن علی خاں فروغ کا صاحب زادہ، وطن شاہ جہاں آباد ہے۔ میر نظام الدین ممنون کا شاگرد ہے۔ اس کے کلام میں استاد کی طرز خوب نمایاں ہے۔ ہر مشاعرے میں شریک ہوتا ہے اور طرحی غزل پر طبع آزمائی کرتا ہے۔ راقم سے شناسائی ہے۔ (نہایت) مہذب نوجوان ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:

ناوکِ غم سے چھنا یہاں تک تن اس نا کام کا
استخوان پر ہے گماں میرے ہما کو دام کا
گنہ کے بوجھ سے محشر تلک پہنچ نہ سکے
اسی ہیں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا

نہ آتو میری بالیں پر تماشا جذبہ دل کا
دکھادوں گا تجھے گر آپ میں مَیں بھی کبھو آیا

کوئی دم خاک میں ہم خاک کے آسودوں کو
اس کے ہنگامہ رفتار نے سونے نہ دیا

پوچھا جو میں نے یار سے انجام سوز عشق
شوخی سے ایک چراغ کو اُس نے بجھا دیا

دل کو سمجھے تھے کہ اس بزم سے لے آئیں گے
ہائے اپنا بھی ہوا وہاں سے پھر آنا مشکل

عذر جفا کے کب تلک تم کرو، ہم گلہ کریں
وصل کی رات کم رہی آؤ معاملہ کریں

پاس آلودگی دامن قاتل نہ گیا
کس قدر ذوق تپیدن سے پشیماں ہوں میں

دل کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں
ہائے کتنا شب ہجراں میں پریشاں ہوں میں

یہ دیدۂ و دل اُس پر مائل میرے دونوں ہیں
دشمن میرے دونوں ہیں قاتل میرے دونوں ہیں

آشفتہ

آشفتہ تخلص، نام عظیم الدین خاں عرف بھورے خاں ہے. نسلاً افغان ہے. میر محمدی مائل کا شاگرد ہے. اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آشفتہ طبیعت اور آزاد منش شخص تھا. آخری ایام میں روحانیت کی جانب رجحان ہوگیا تھا اور شاعری سے توبہ کرلی تھی۔

اس کے کلام سے نمونہ ہے:۔

برگشتہ بخت ہم سے دیکھیں ہیں کم کسی نے
جب ہم ہوئے مقابل وہ منہ کو موڑ بیٹھے

دیوانگی ہماری ہر لحظہ یہاں ہے تازہ
شیدا ہیں اُس پری پر ہم گرچہ مدتوں سے
نبی کو خاطر اصحاب کیوں نہ ہو منظور
کہ زیب و زینت مجلس ہے چار یاروں سے

آشفتہ

آشفتہ تخلص، نام میرزا رضا قلی خاں، حکیم محمد شفیع کا فرزند ہے۔ بعض لوگ اس کو اصل لکھنؤ کا کہتے ہیں اور بعض اس کا وطن اکبرآباد بتاتے ہیں بہرحال بہت دردمند اور غم خوار شخصیت کا مالک، فن طب میں طاق، مشاعروں اور شعری محفلوں کا روح رواں اور مشاعروں کی نظامت میں پیش پیش رہتا تھا۔ میر سوز نے اس کا کلام دیکھا ہے۔ اس کے اشعار سلیس اور شستہ ہیں۔ اس کی شاعری کو انصاف پسند لوگوں نے پسند کیا ہے۔ اہل نظر نے اس کے ان اشعار کو خاص طور سے نقل کیا ہے:۔

جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں — یہاں تلک انتظار تھا دل میں
مر گئے پر بھی ہم کو خاک نہ دی — آج تک یہ غبار تھا دل میں
دم آخر جو ہچکی آئی تھی — وہ فراموش کار تھا دل میں

فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ
ادھر اُدھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
بجائے اشک نکلتے ہیں پارہ ہائے جگر
تمہارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ
دکھانے آئے تھے دامن کے چاک کی خوبی
ہمارا چاک گریبان دیکھتے جاؤ

اگرچہ ہووے گی تصدیع لیکن آشفتہ
کوئی گھڑی کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ
اپنی ے ہوتے بھلا غیر کو صدقے تونکر
ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے ترے قربان گئے
چہرہ کچھ ان دنوں غم پنہاں سے زرد ہے ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے
چلا ہے کعبہ کو آشفتہ پارسا بن کر خدا جو بیٹھے بٹھائے اسے خراب کرے
ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے الٰہی موت دے گزرا میں ایسے جینے سے
مر گیا اک صنم پہ آشفتہ موت ایسی خدا نصیب کرے

آشفتہ

آشفتہ تخلص، نام سید منور علی ہے۔ سید علی نواز رضوی کا صاجزادہ، اصل سادات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی پیدائش جہان آباد دہلی میں ہوئی۔ طب میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل ہے، یہ فن دہلی کے نامور بزرگ اور رئیس حکیم غلام حیدر خاں کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا۔ آشفتہ تخلص کی تاثیر نے اس کے مزاج میں مستانہ پن، پریشاں حالی اور خمیر میں عشق کا نمک تحلیل کر دیا تھا۔ اپنا تخلص اس خاکسار فقیر سے لیا ہے۔ اس کے کلام سے چند اشعار:۔

پرسشِ حال نے پھر یاد دلائی ان کی گور میں بھی پس مُردوں نہ کچھ آرام آیا
اجل تو نے کیا کیسا مجھے شرمندہ قاتل سے
تماشا تھا اسے میرے تڑپنے کی اذیت کا
آشفتہ تیری گور میں تڑپے ہے ساری خلق
ہے بے قرار آمد محشر کو جان کر
تم غیر سے ملے میں کسی سے ملا نہیں سچ ہے کہ بیوفا ہوں میں تم بیوفا نہیں

نہ قتل کا خیال انھیں اور نہ موت کو — قسمت میں کیا خدا مرے مرنا لکھا نہیں

عاشق کو لطف سے ہے فزوں لطف جور میں
یہ غیر کی سزا ہے ہماری سزا نہیں

جو نامہ بر گیا وہ گیا جان سے وہاں
اب جی میں ہے رقیب کو ہم نامہ بر کریں

گر سنے ناصح کر دشمن سے نباہی کس طرح — ہے یقیں تو بھی کہے وہ بیوفا کہنے کو ہے

آوارہ ہوں آپ پر جہاں کو — میں خضر کی طرح رہنما نہیں

ہے وصل میں بھی فراق کا غم — ظاہر میں ہوں پاس پر جدا ہوں

دیکھیں آشفتہ ہمیں مر کے بھی راحت ہوگی
یا رہے گا یہ غم و درد مری جان کے ساتھ

غش ہوں گے ہم آشفتہ تاب رخ جاناں سے
پوچھے گا قیامت میں بے ہوشوں سے کیا کوئی

امیرا ہے کیا قصور ہے بے تاب و بے قرار
جز غیر اور کون نہیں تیرے واسطے

ابھی دل رُبائی کو کیا جانتا ہے — ستم کو وہ بدخو ادا جانتا ہے
ہے جلاد کی سادگی میں بھی شوخی — مرے خوں کو رنگِ حنا جانتا ہے

آصف

آصف تخلص، نام وزیر الممالک نواب یحییٰ خاں آصف الدولہ بہادر، جس کی تعریفوں کی داستانیں اور نوازش و کرم کے افسانے تمام عالم پر افشاں و عیاں ہیں، جس کی بزرگی اور اعلیٰ پایہ کی شرح ممکن نہیں ہے اور لوگوں پر جس کے بے پناہ احسانات ہیں اور گراں قدر ہمت والا، بے نظیر عدیل و منصف، گویا کہ فیض و کرم کا چشمہ بہہ رہا ہو، ہاتھ میں موتی اور پاؤں

میں سونا رکھتا تھا۔ نیاز مند اور ضرورت مندوں کی حاجت بڑی بے نیازی سے رفع کرتا۔ تیر اندازی میں ماہر، شکار پسندیدہ شوق تھا۔ شاہی خاندان کے فرد کے لئے ایسی مشق ضروری ہے کہ اُڑتے پرندے کو نیچے گرا دے۔ یہ مہارت اور شعر و شاعری سے لگاؤ اس کی قدر و منزلت کا رتبہ اور بلند کرتا ہے۔ وہ اس فن کے ماہر لوگوں کو انعام و اکرامات سے نوازا کرتا تھا۔ چالیس سال کی عمر میں انتقال کر گیا اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ یہ اشعار اس کے پاکیزہ افکار و خیالات کی عکاسی کرتے ہیں:۔

ایک دن یار سے یہ میں نے کہا　　اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے

ہنس کے کہنے لگا کہ اے آصف　　یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جاں سے گئے

ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے　　پر ہم کو چاہیئے کہ تگ و دو میں رہے

جاروب کش نے اس کے نہ رہنے دیا مجھے

گر وہاں نسیم شکل پر کاہ لی گئی ۔

آفتاب

آفتاب تخلص، نام حضرت فردوس منزل ابو المظفر مجاہد الدین شاہ عالم بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ، جن کے حقائق کی روشنی نیمروز آفتاب کے مانند دنیا کے ذہنوں کو روشن کرتی اور بزرگی و عظمت تاریک رات کو تابندہ اور روشن کرنے والی شمع کے مانند کسی اعلان اور اظہار بیان کی محتاج اور نیاز مند نہیں ہے۔

۴۹ سال تک اپنی سلطنت کا علم بلند رکھا۔ اس کو وفات پائے آج ۲۹ سال گزر گئے ہیں۔ شاعری اور شاعروں سے نہایت لگاؤ تھا۔ اس کے کلام کے چند اشعار جو اس کے افکار کی عکاسی کرتے ہیں بطور نمونہ پیش ہیں:

صبح اُٹھ جام سے گزرتی ہے　　شب دلارام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے　　اب تو آرام سے گزرتی ہے

آئی جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر

اے آفتاب دولت بیدار سمجھئے

آفریںؔ

آفریںؔ تخلص، نام شیخ قلندر بخش ہے۔ سہارنپور کا رہنے والا ہے۔ اس کا شجرۂ نسب امام الائمہ سراج الامۃ ابوحنیفہ کوفی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے وہ شعری صنعتوں سے بخوبی واقف تھا۔ تحفۃ الصناع (نام کے) رسالہ کی تصنیف کی ہے اور اصناف سخن جیسے غزل، قصیدہ اور مثنوی بھی کہے ہیں۔ اس کے فکر و خیال کا خلاصہ:۔

نہ جا چمن میں تو اب آفریںؔ کر چوں غنچہ

لبوں میں اس کے نہاں ہے بہار خندۂ گل

بہت ہیں گرچہ تمہیں اور ناز کرنے کو

بُرے تو ہم بھی نہیں دل نیاز کرنے کو

آفاقؔ

آفاقؔ تخلص، نام میر فریدالدین، بہاءالدین کا بیٹا ہے۔ دہلی کے معروف اولیا، شاہ سلیمان سے رشتہ داری کی نسبت ہے۔ ثناء اللہ خاں فراقؔ کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ہاتھ کا اس کے خط لکھا لایا　　تیرے قاصد میں ہاتھ کے صدقے

آگاہؔ

آگاہؔ تخلص، نام میر علی۔ شاہی داستان گویوں میں سے ایک شخص ہے

طبیعت میں ایجاد کا مادہ ہے اور ذہن میں تیزی طراری ہے۔ کئی طرح کے فنون میں مہارت رکھتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ہاں تیغ کھینچ اے بت آتش مزاج تو
مرنے پر آج یہ بھی گنہ گار گرم ہے

آگاہ

آگاہ تخلص، نور خاں نام کا ایک شخص، باعتبار قوم افغان ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اس کے حالات کا زیادہ علم نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

منہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم چاہ کی　　　باتیں بنا بنا کے نہ کیجئے نباہ کی

اٹل

اٹل تخلص، نام میر عبدالجلیل، شاہ جہاں آباد دہلی کے گرامی قدر سادات (کے خاندان) سے ہے۔ جعفر زٹلی کا معنوی شاگرد ہے لیکن بظاہر استاد کو نہیں دیکھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

زلف ہے چہرہ پہ یا جنجال ہے　　　جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

اثر

اثر تخلص، نام حسین علی خاں، مرزا حیدر بیگ خاں تورانی کا فرزند ہے۔ شیخ امام بخش ناسخ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ اس کی ایک اردو غزل جس کے اشعار یہاں دیئے جا رہے ہیں، بہت مشہور ہوئی۔ ان اشعار کے علاوہ دیگر (شاعری) نہیں سننے میں آئی۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

بسکہ ورد آٹھوں پہر نام اس مہ تاباں کا ہے
بن گیا اختر مری تسبیح کا جو دانہ تھا

سن کے غل شب تا در زندان وہ آکر پھر گیا
شیون زنجیر خواب بخت کو افسانہ تھا

اثر

اثر تخلص، نام سید محمد میر ہے۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کا چھوٹا بھائی ہے۔ نہایت شکستہ دل اور افسردہ رہتا تھا۔ بڑے بھائی (یعنی میر درد) سے جاں نثاری کی حد تک محبت کرتا ہے۔ خاندانی روایت کے مطابق پرہیزگاری اور تقوے کی طرف مائل ہوا اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کا ایک مختصر سا دیوان ہے۔ شاعر کے بعض نہایت دل آویز اور دردمند خیالات اس کے اشعار سے جھلکتے ہیں اور شریکِ اشاعت ہیں۔ اس کی مثنوی بھی بہت مشہور ہوئی جس کے واقعات بطور محاورہ بیان ہوئے اور اس وجہ سے عوام میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کے دیوان سے چند اشعار منتخب کیے گئے ہیں:-

دیکھیں گے اُس کی سنگدلی کو ہم اے اثر
گر کوئی نالہ ہم سے سر انجام ہو گیا

اس سنگدل کے دل میں تو نالے نے جا نہ کی
کیا فائدہ جو اور کے جی میں اثر کیا

ہو جائیں گے جور اس کے معلوم — داغوں کو مرے شمار کرنا
کیا کہیے اثر تو آپ ہی ٹک دیکھ — یوں حال اپنا تباہ کرنا
جی اب کے بچا خدا خدا کر — پھر اور بتوں کی چاہ کرنا
لگی رکھی نہ تو نے میرے ساتھ — تیرے نزدیک قصہ پاک ہوا
بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر — مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے — پر ہمیں تو اثر کی آس نہیں

مرتو چلے کہاں تلک اب دو گُز کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

جی میں ہے از سرِ نو جور تیرے یاد کریں
تو سُنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کریں

ہم اسیروں کی اسے چاہیئے خاطر داری
اور اُلٹی نہ کہ ہم خاطرِ صیاد کریں

یہاں تغافل میں اپنا کام ہوا
تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہیں

حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میری جو معتبر ہی نہیں

نہ لگائے گئے جہاں دل کو
آہ ے جائیے کہاں دل کو

ہر دن فزوں ہیں کجرویاں روزگار کی
کچھ سیکھتا چلا ہے روش میرے یار کی

مانا آثر کہ وعدہ فردا غلط نہیں
لیکن کٹے نہ آج یہ شب انتظار کی

غرض آئینہ داری دل سے
تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے

تیری عیاریوں کی باتیں آثر
سب سمجھتا ہے گو دِوانا ہے

اور تو کوئی نہیں دام و قفس دامنگیر
تنگ آیا ہوں فقط دل کی گرفتاری سے

دلربائی و دلبری تجھ کو
گو کہ آتی ہے پر نہیں آتی

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا
دشمنی پر تو پیار آتا ہے

حال پر اپنی مجھ کو آپ آثر
رحم بے اختیار آتا ہے

آپ ہی نہ جل بجھے نہ کچھ اس دل میں راہ کی
اس پر کہیں گے آہ کہ ہم نے بھی آہ کی

چھپ چھپ کے دیکھنے کی مزے سب یہ اے آثر
معلوم ہوں گے جو کبھی اس نے نگاہ کی

کبھی دوستی ہے کبھی دشمنی
تیری کونسی بات پر جائیے

ہمیں حیرت ہے آپ ہی تجھ کو دے دیں کیا جواب اس کا
کہ تجھ بن اب تلک کس طرح ہم نے زندگانی کی
آپ میں کہنے لگوں سو ہے کہاں میری مجال
پوچھے تو احوال میرا ایسی کیا تجھ کو پڑی
مہر و کیں کچھ تو ہے تحقیق سے کیا کام مجھے
یوں تو ناحق نہیں دے بیٹھے ہے دشنام مجھے
کب کب تیری گلی میں ہم بے قرار آئے
سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے
تارے تو بڑ گئے شب ہجر داغ اپنے مگر شمار کیجئے
کب کب آتا ہے آخر کیوں تجھے ننگ آتا ہے
آنکلتا ہے کبھو جی سے جو تنگ آتا ہے

احسان

احسان تخلص، لکھنو والوں میں سے ہے۔ مرثیہ گوئی میں شہرت پائی ہے۔ اس کا یہ شعر ملا ہے :۔

مجنوں کو اپنی لیلےٰ کا محمل عزیز ہے
دل میں ہمارے تو ہے ہمیں دل عزیز ہے

احسان

احسان تخلص، نام حافظ عبدالرحمن خان ہے۔ حضرت خلد آشیانی شاہ عالم بادشاہ کے عہد کے شاعروں میں سے ہے۔ کئی سال تک مرزا ایزد بخش بہادر کی سرکار میں عہدہ مختاری پر فائز رہا۔ اس کا شمار شہر کے پسندیدہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ بڑھاپے کے باوجود اکثر و بیشتر شاعروں کی محفل میں

شرکت کرتا ہے۔ اس کے عاشقانہ اشعار لہو لہان دل کی کیفیت پیش کرتے ہیں۔ اس کے اشعار میں صنائع لفظی مثلاً جناس، اشتقاق اور طباق وغیرہ پر حد سے زیادہ زور ہوتا ہے۔ راقم سے بھی اس کی ملاقات ہے۔ اچھے اخلاق والا ہے۔ اس کا دیوان دیکھا ہے اور اس سے یہ اشعار منتخب کیے ہیں:۔

دو دن سے میں جدا ہوں اس مو کمر سے احساں
ایک سو طرح کا صدمہ اس درمیاں میں دیکھا

کہاں وہ گریہ و نالہ وہ جاں بلب رہنا
کسی کا کام ہمیشہ بنا نہیں رہتا

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں مجھ کو شکایتیں کیا کیا

میں تو اُس نوجوان پرغش ہوں ہائے عالم تری جوانی کا

سخت نادانی کی احساں جو کہا عاشق ہوں
بھید کہتا ہے کسو سے کوئی دانا دل کا

ہے وہ مرید آبلۂ پائی عاشقاں پانی پہ ٹھہرے کیونکہ نہ بستر حباب کا

مری آتی ہے بس نیند آئی تو اب یہ اپنی چشم پوشی دیکھتا جا

یار و سبھوں کو میرے گریباں کی فکر ہے
ناصح کے مونہہ کو آن کے کوئی نہ سی گیا

یہی مجھ کو رہ رہ کر آتا ہے ارماں کہ تجھ سے نہ کچھ میرا ارمان نکلا

مجھ پر نہ پیک یار ہی کچھ خشمگیں ہوا نامہ بھی وا کیا تو وہ چیں بر جبیں ہوا

اس میں بھی دراندازوں نے سو رخنے نکالے
احساں نے جو اس رخنہ دیوار کو دیکھا

دامن کوہ کو تکتا ہے بحسرت مجنوں سنگ باقی نہ رہا دامنِ طفلاں میں کیا

آخر کو لگے گور کے ہم آہ کنارے دریائے محبت کا یہ ساحل نظر آیا

خاک ہو کر بھی رہوں تھا یہ وفا نے چاہا
کیا کروں نیک نہ کمبخت صبا نے چاہا

مینائے بادہ ہاتھ سے یوں میرے لے گیا
خون محتسب کا آج تو پینا حلال تھا

جو کوئی جان بچا کر تمہارے در سے پھرا
یہ جانتا ہوں مری جاں خدا کے گھر سے پھرا

دل آہن سرشت اس کا بنے موم
مدد اے روح عالی شان داؤد

فائدہ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
ہے نہ یارائے سخن اور نہ یارائے نظر

مجھ کو مت ٹھکراؤ بس چلئے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

دیکھو میری طرف سچ کہیو اے اختر شناس
کیوں فلک کو تو نے دیکھا میرے اختر دیکھ کر

کوٹھے پر چڑھا کر تو مری جان سمجھ کر
پریاں نہ اتر آئیں پرستان سمجھ کر

گرد دل احسان غم معشوق وہی صد آفریں
پیر و مرشد واہ یہ بدعت خدا کے گھر کے پاس

کڑھتا ہے دیکھ کر مجھ کو تو اس طرح ظالم
نہاں زبان پہ ہے الحمد و آشکار دریغ

احسان میں جس کے نام پہ دیتا ہوں اپنی جان
وہ جانتا نہیں ہے مرا نام اب تلک

غم ساتھ ہوا گلی سے تیری
ایک آئے تھے اور دو گئے ہم

میں جو مے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں
عمر عسس منع کرے اُس کا لہو پی جاؤں

میں تڑپتا ہوں غم عشق بتاں میں احسان
حکما فضل الٰہی خفقاں کہتے ہیں

کسی مہرو کی خاطر ہم کو ایک جھومر بنانا ہے
اگر بیچے فلک عقد ثریا مول لیتے ہیں

مت گھر دگھر دپھر تو ہردم مری دعا کے — ہم کوئی تیری منت تاثیر کھینچتے ہیں
خفا مت ہو مجھ کو ٹھکانے بہت ہیں — مرا سر رہے آستانے بہت ہیں
کہتے ہو کیا رقیب کو بھیجوں بتا صلاح — لعنت ہی بھیجئے گا یزید لعین کو

کچھ سانس رکا آئے ہے رہ رہ کے یہ ڈر ہے
قاصد نہ کہیں راہ میں کمبخت رکا ہو

اُس سے پوچھے ہے جو احسانؔ وفا پیشہ کبھی
بے وفا کون ہے کہتا ہے وہ اغیار کہ تو

حال دل حزین جگر خستگاں پہ رحم — مَیں نے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ
جنت میں مجھ کو اس کی گلی سے ہیں لے چلے — کیا جانیے کہ مجھ سے ہوا آہ کیا گناہ
کوئی فلک زدہ ایسا نہیں زمیں پہ کہیں — دماغ آہ کا اس پر بھی آسمان پر ہے
چین تجھ کو بھی نہ ہو مجھ کو ستانے والے — تو بھی ٹھنڈا نہ رہے جی کے جلانے والے
آشنا کس کے ہیں بیدید ہیں یہ دیدہ و دل — ہیں یہی دیدہ و دانستہ ڈبانے والے
ان کے رونے پہ ہنسی آتی ہے مجھ کو احساںؔ — دو ڈبے پانی کو ہیں کیا آگ لگانے والے
بیٹھ اے آہ بس خدا نہ کرے — تجھ کو فرصت ہو سر اٹھانے کی
یاد مسجد میں آئے گی احساںؔ — کیفیت اس شراب خانے کی

کچھ اپنی بغل دیکھ کے روتا ہے تو احساںؔ
ہاں اُٹھ کے گیا کوئی تو ہے پہلو سے تیرے

پس خاک قدم دیجیے تکرار بہت کی — مٹی مری اس خاک نے بے خوار بہت کی
ہم لائق بندگی نہیں تو — بس خیر ہے بندگی ہماری
ہم جان چکے کہ جان کے ساتھ — جائے گی یہ جان کنی ہماری
کہتے ہیں پلٹ گیا وہ رہ سے — تقدیر اُلٹ گئی ہماری
کیا کام کسی سے ہم کو احساںؔ — ہم اور یہ بیکسی ہماری
مجھ کو مت چھیڑ و معاذ اللہ مجھے لب تلک — نالے گر آئیں تو پھٹ جائیں جگر دہاڑ کے

اے بخت تو جاگ اور جگا ہم کو کبھو ہم تاحشر نہ جاگیں گے جگائے سے کسو کے

زاہد اسجدے میں یہ دیر مگر بھید ہے اور

گنج قاروں پہ تو حسرت سے نظر کرتا ہے

یہ ستانے سے مرے تجھ کو ہے حاصل ظالم

تجھے موذی کہے خلقت مجھے ایذا پہنچے

مرنے کے بعد ان کے کٹوائیں بیڑیاں

آج آپ اپنی کشتی کی منت بڑھا چلے

احسن

احسن تخلص اور یہی اس کا نام تھا۔ یہ شاعر آبرو اور ناجی کے معاصرین میں سے تھا اور ان ہی کی طرز میں غزل سرائی کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

نازک بدن پر اپنے کرتے ہو تم جو غرہ

موسی کمر نے تم کو فرعون سا بنایا

یہ شعر جو لکھا ہے اس کا مضمون بالکل ایسا ہی دوگنے اثر کے ساتھ شاہ مبارک آبرو کے کلام میں بھی پایا گیا ہے کیونکہ ان صاحب کے کلام میں کوئی اور شعر اس درجہ کا نہیں مل پایا یہی شعر لکھ دیا ہے۔

احسن

احسن تخلص اور نام مرزا احسن علی ہے۔ آصف الدولہ مرحوم کی سرکار میں بطور شاعر ملازم تھا۔ وہ اپنی خطاطی اور بیان کی خوبیوں کے لیے مشہور ہے۔ مرزا رفیع سودا کے گنے چنے شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ میر کے آفتاب علم سے روشنی کے حصول کی کوشش کرتا رہا اور پھر اسی جدوجہد کے صدقے اس خورشید کا ذرہ بن کر ابھرا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ٹکڑے اُڑ جائیں گے سینے میں جگر کے احسنؔ
تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

حسن پر اپنے ہر ایک مہ پارہ گرم لاف تھا
گھر سے وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

اشک گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند
یہ رکھے سنگ سے نسبت یہ جگر سے پیوند

سجدہ گہہ ہے خاک احسنؔ اب تو ساری خلق کی
جان دی تھی اس نے کس کی حسرت پا بوس میں

بزم میں اس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہ ہو

تم تو دل مانگو ہو یہاں جان تلک حاضر ہے
بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمانے کی

احسنؔ

احسنؔ تخلص، نام احسن اللہ خاں ہے۔ جہاں آباد میں لاہوری دروازہ کے پاس سرہندی مسجد میں رہتا ہے۔ جب سے اپنے محبوب کی خوبصورت خم دار ابرو دیکھی تھی سر سجدہ میں ڈال دیا تھا اور منبر و محراب کو فراموش کر کے خطبہ کی جگہ نالہ و فریاد کی بنیاد رکھی۔ آخر کار واعظوں کی پند و نصیحت پر عاشق زاد نے پرانی راہ اختیار کی اور برہمن کا عہد توڑ کر بیعت شیخ لی اور زنار توڑ کر تسبیح اٹھالی۔ ایک شعر اس کے نام سے ملا ہے۔ جو یہاں لکھا جا رہا ہے:۔

اس کی گلی میں احسنؔ شب چوری چوری جانا
یہ چال ڈھال تیری خانہ خراب کیا ہے

احمد

احمد تخلص، نام شیخ حافظ غلام احمد ہے۔ پنجاب کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

گرچہ ہیں دست اپنے نارسا — اس کے پاؤں تک رسائی ہو چکی

احمد

احمد تخلص، نام احمد بیگ، قزلباشوں میں کا جوان ہے۔ گورا رنگ ہے۔ سپہ گری کے قاعدے اچھی طرح جانتا ہے۔ مرزا ولی عہد بہادر کی سرکار میں فوج کی ایک ٹکڑی کا سردار رہ چکا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

غضب سے ہاتھ میں جب تو نے تیغ کیں پکڑی
نہ اٹھ سکا تیرے بسمل نے یہ زمیں پکڑی

احقر

احقر تخلص، نام مرزا جواد علی ہے۔ قزلباشوں میں سے ہے۔ اس کی پیدائش اتفاق سے لکھنؤ میں ہوئی ہے۔ مثنوی بدر منیر کے مصنف میر حسن سے اپنی شاعری پر اصلاح لیا کرتا تھا۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد فیض و برکت والے مزارات کی زیارت سے فیض یاب ہوا، اور (بعد میں) اپنے وطن واپس چلا گیا۔ اس کے کلام سے یہ شعر (مجھ کو) پسند آیا ہے :۔

بزم میں اس کی جو شب چاہ کا مذکور چلا
اٹھ کے محفل سے وہیں وہ بت مغرور چلا

اختر

اختر تخلص، تمور گانی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی طبیعت کا

رجحان شعر گوئی کی طرف بہت زیادہ تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

مجھے بھی ہٹ ہوئی ایسی کہ مرتا لیکن نہ تیرے کوچے سے ہرگز اٹھا قدم میرا

اختر

اختر تخلص، نام میر اکبر علی ہے۔ سرہند کے شیخ زادوں میں سے ہے آتش بازی بنانے کے فن میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ شیخ قلندر بخش جرآت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

تماشے کی ہے جا مژگاں پہ جو لخت جگر نکلا
عجب یہ نخل ہے جس میں کہ شکل گل ثمر نکلا

ارمان

ارمان تخلص، جعفر علی حسرت کا فرزند ہے۔ حسرت بلادِ مشرق کے مشہور لوگوں میں سے تھا۔ اس کا نام معلوم نہیں ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھئے کہ کیا ہو
دو دن نہ چھپ سکے تو چاہت تیرا بُرا ہو
تا سر بالیں اسے آنا قیامت شاق ہے
یہ دل بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے

اسعد

اسعد تخلص، نام مرزا اسعد بخت ہے۔ شاہ عالم بادشاہ کا پوتا ہے۔ اس کا ایک مقطع سنا ہے جو یہاں لکھا جا رہا ہے:۔

اسعد تو غضب ہے کہ ہاتھوں سے تیرے
نہ تسبیح ٹھہری نہ زنار ٹھہرا

اسد

اسد تخلص، نام میرامانی تھا۔ جہان آباد دہلی کا رہنے والا تھا۔ شگفتہ طبیعت اور ظریفانہ مزاج کا انسان تھا۔ مرزا رفیع سودا کا شاگرد تھا۔ لکھنؤ کے راستہ میں بد بخت تباہ کار چور لٹیروں نے اس کا قتل کر دیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

جوں توں اسعد کو لائے تھے اس کی گلی سے ہم
خانہ خراب راہ میں آکر مچل گیا

بزم بتاں ہو جام ہو خلوت ہو پھر تو بس
کافر ہوں گر وہاں میں خدا کا بھی ڈر کروں

اسد اس جفا پرستوں سے وفا کی مرے شیر شاباش رحمت خدا

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع
یارب نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی

جس سے کہ دل ملا تھا جب آیا وہ سامنے
ہلنے نہ پائے ہونٹ کہ سو بات ہو گئی

مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسو کی گو آپ سفارش کرے اللہ کسو کی

اسلام

اسلام تخلص، نام شیخ الاسلام ہے۔ سہارنپور کے مضافات کے قصبہ بھانہ کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

ظلم ظالم کا پس مرگ بھی رہتا ہے بجا ہیں یہ بازوئے عقاب اب جو بنے تیر کے پر

اسیر

اسیر تخلص، تبسزار نام کا عیسائی تھا۔ ظفریاب خاں کے دوستوں میں سے

تھا۔ اچھا لمبا چوڑا جوان تھا۔ اصلاح سخن شاہ نصیر سے لیا کرتا۔ یہ شعر اس کا ہے۔ ہم اس آئینہ کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں
کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

اسفان

اسفان تخلص، غالباً نام بھی یہی تھا۔ (مذہباً) عیسائی تھا نسلاً انگریز تھا لیکن اس کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی تھی۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

خط کا یہ جواب آیا جو لکھا کبھی پھر خط
کر ڈالوں گا ایک دم میں ترے آن کے پُرزے

اشرف

اشرف تخلص، نام محمد اشرف ہے۔ اس کے والد کا نام امام الدین ہے۔ کاندھلہ (ضلع مظفر نگر) کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

آتش دل سے ہوا ہے مجھے یہ ڈر پیدا کہ مرے سینے میں ہووے نہ سمندر پیدا

اصغر

اصغر تخلص، نام سید امجد علی، اکبر آباد کا رہنے والا ہے۔ اس کے بڑے بھائی حکیم محمد میر میرے والد ماجد کے اچھے دوستوں میں سے تھے۔ اچھے خاندان کا ہے۔ شاہ عبداللہ بغدادی علیہ الرحمہ کا خلیفہ ہوا۔ عزت و وقار اور پابندی شرع کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ اللّٰھم اغفرو الرحم (اللہ مغفرت کرے اور رحم فرمائے۔) یہ شعر اس کا ہے:۔

ہوا ہوں بسکہ خفا اب تو اپنے جینے سے لگا ہی لوں گا میں اس تیغ زن کو سینے سے

---

[1] یہ فقرہ رامپور میں ہے نول کشور میں نہیں ہے۔

اظہر

اظہر تخلص، نام غلام محی الدین ہے۔ غلام حسین سرودی کا شاگرد ہے فارسی میں شاعری کرتا ہے۔ جہان آباد کا باشندہ ہے۔ میر فرزند علی موزوں سے بھی اصلاح سخن لیتا ہے۔ بچے پڑھا کر زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

رکھتی ہے میری جان کو مضطر تپش دل
دکھلائے گی ہنگامہ محشر تپشِ دل

آعظم

آعظم تخلص، اور نام آعظم خاں ہے۔ دہلی کا رہنے والا تھا۔ قوم سے افغان تھا۔ ظریفانہ مزاج والا اور مقابلہ بازی کا شوقین انسان تھا۔ شاہ نصیر کا شاگرد تھا۔ آخری زمانے میں اس فن (یعنی شاعری) کو ترک کر کے علوم حاصل کرنے میں لگ گیا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

اسی مضمون سے معلوم اس کی سرد مہری ہے
جو اس نے مجھ کو نامہ کاغذ کشمیر پر لکھا

درد دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم
شمع آسا نبض زیر استخواں رکھتے ہیں ہم

افسوس

افسوس تخلص، نام میر شیر علی۔ میر علی مظفر خاں کا فرزند ہے کہ جو نواب قاسم عالی جاہ (نواب بنگال) کے توپ خانہ میں داروغہ تھے اور نارنول کے رہنے والے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب امام عالی مقام جعفر صادق علیہ السلام سے ملتا ہے۔ افسوس مشہور شاعروں میں سے ہے۔ میر حیدر علی

حیراںؔ کی خدمت میں رہ کر شاعری کا فن سیکھا۔ شروع میں مرزا جواں بخت بہادر مرحوم کی سرکار میں رہا تھا بعد میں کلکتہ میں انگریزی سرکار سے منسلک ہوگیا۔ (کلکتہ میں) فارسی کتب کو اردو میں ترجمہ کرنے کا کام اس کے سپرد تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں ؎

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا
کیا لکھوں اس کو میں احوال یہ کہنا قاصد
بے حواسی کے سبب طاقت تحریر نہیں
دیکھتے ہی اسے حاضر ہوئے مر جانے کو
وہی اشخاص جو یہاں آئے تھے سمجھانے کو
کیوں نہ ہو اس قدر گھمنڈ اس بت پر غرور کو
صبر کسی طرح نہیں اس دل ناصبور کو
اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی   دیکھیے آگے آگے کیا ہووے
صورت تجھے حق نے دی پری سی   پر آدمیت نہیں دی ذری سی
کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

افسرؔ

افسرؔ تخلص، نام غلام اشرف تھا۔ اس کے بزرگ شاہی گاؤ خانے میں ملازم تھے۔ غلام ہمدانی مصحفیؔ کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کا بیشتر کلام مرثیوں تک محدود رہا۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

جب دیکھیے ہے مہ داغ سیہ اپنی جبیں پر
آتا ہے اسے رشک تیرے روئے حسیں پر

اکبر

اکبر تخلص، نام اکبر خاں۔ مجھ گناہ گار کا چھوٹا بھائی ہے۔ بڑی خوبیوں کا مالک ہے۔ کچھ مدت سے شاعری سے رغبت پیدا ہو گئی ہے۔ حضرت مومن سے مشورہ سخن کرتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

سوچیے حضرت ناصح کوئی تدبیر وصال　　حیف چارہ نہ کرے آپ سا دانا دل کا
خانۂ غیر میں گر لگنے لگا جی تیرا　　ہم کو بھی اور سے آتا ہے لگانا دل کا

ہوا نہ شوق سے اس کوچے میں گزر اپنا
ہمیشہ پیچھے رہا ہم سے راہ بر اپنا
جنون عشق کا درماں نہ ہو کسی سے کبھی
کہو علاج کرے جا کے چارہ گر اپنا
دیا نہ رنج ستم سوز دل سے کام لیا
یہ خاک ہونے کا احساں ہے چرخ پر اپنا
عدو کے ذکر سے وہاں ہوش جائیں یہاں موت آئے
مزاج ان سے بھی نازک ہے کس قدر اپنا

قتل کر لاشۂ اکبر کو چھپایا گھر میں　　باری اس نے مجھے جانے نہ دیا اور کہیں

ہوں صید دام دیدہ میں صیاد درگزر　　غفلت میں وہم ہے کہ فریب کمیں نہ ہو
دوش ملک پہ دیکھ کے نعش شہید عشق　　حوروں کو یہ گماں ہے کہ عرش بریں نہ ہو
اکبر تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا　　اس بے وفا کو مجھ سے محبت کہیں نہ ہو

کون رویا ہے ترے کوچے میں رات
کیوں سفیدی اڑ گئی دیوار کی
ہم تو یہیں رہے۔ جو خفا ہو تو خوش رہو
آئے نہ تھے طلب سے کہ رخصت کیا چلے

الہام

الہام تخلص، نام شیخ شرف الدین ہے اور شاہ ملول کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ لکھنؤ وطن ہے۔ آزاد طبع اور درویش ہونے کے باعث زندگی بڑی پروقار گزاری۔ ان کا شمار استادوں کے زمرے میں ہوتا تھا۔ فارسی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

اری بیکسی تیرے قربان ہوں — بُرے وقت میں ایک تو رہ گئی
نگہ وہ دشنہ کہ طعنہ کٹار پر مارے — مژہ وہ تیر کہ خنجر کو دھار پر مارے

اَلَم

اَلَم تخلص، نام محمد علی ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق کے شاگردوں میں سے ہے۔ (اس کے ذکر پر) اس کا ایک مقطع فوراً ہی ہر ایک کی زبان پر آجاتا ہے۔ دل اس کی تحسین کرتا ہے اور یہاں وہی لکھا جا رہا ہے :

نہ تھا تحمل اگر اس کے ناز کا تو پھر — اَلَم فریفتہ کیوں ایسے نازنیں کے ہوئے

اُلفت

اُلفت، قصبہ مظفر نگر کے ایک باشندہ کا تخلص ہے۔ اس کے بارے میں مزید معلومات نہ ہو سکی۔ اس کا ایک شعر نظر آیا اور وہ کیفیت سے خالی نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

ہمیشہ کہتے تھے اُلفت کو لوگ زشت نصیب
سو آج کوچے میں تیرے ہوا بہشت نصیب

الفت

الفت تخلص اور نام منگل سین ہے عظیم آباد (پٹنہ) کے کائستھوں

میں سے ہے۔ حضرت دہلی کبھی آیا کرتا اور اپنے کلام کی اصلاح قلندر بخش جرأت سے لیا کرتا۔ یہ شعر کہ جو قلم کی نوک پر آ رہا ہے اس کی یاد کو تازہ اور طبیعت کو اک گونہ مسرور کر رہا ہے :۔

ہر قدم پر یہاں تلک آنے میں سو سو نازے تھے
کیوں کہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

آمیر

آمیر تخلص اور نام امیرالدولہ ناصر جنگ ہے اور مرزا مینڈھو پور کے نام سے معروف ہے۔ وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ بہادر، آصف الدولہ مرحوم کا چھوٹا بھائی ہے۔ بادشاہ کی سرکار سے میر آتشی کی خدمت (امیر کو) سپرد ہوئی تھی۔ غلام قادر خاں کے فتنے سے پیشتر اپنے مکان پر ریختہ کا مشاعرہ منعقد کرتا تھا۔ جلسہ ختم ہونے پر تمام حاضرین کے لیے دستر خوان بچھاتا اور انواع و اقسام کی نعمتیں پیش کرتا تھا۔ یہ نازک خیالات اس کے ہیں :۔

یاس و غم و آرزو جمع یہ سب چیز ہے
بل بے ترا حوصلہ دل بھی عجب چیز ہے

امیر

آمیر تخلص اور نام نواب علی محمد خاں[۵] ہے۔ اعلیٰ درجے کے افغانوں میں سے ہے۔ قیام الدین علی قائم کا شاگرد ہے۔ شاعروں میں بیشتر اس کے مطیع ہیں اور اس کے دستر خوان سے فیض اٹھاتے تھے۔ وہ مشاعرہ کا جلسہ (بھی) منعقد کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

---

۵ رام پور نسخہ میں عرشی صاحب کے ہاتھ سے لکھا ہے کہ اس کا نام محمد یار خاں پسر نواب علی محمد خاں ہے۔

اس شکار انداز سے لگ کر کوئی چھٹتی ہے آنکھ
کیوں نہ ہو سوئے قضا منہ وقت زم نخچیر کا

بس میں آیا جو تمہارے اسے چاہو سو کرو
کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے

تیرے گھر جانے سے بس اپنا تو گھر جاتا ہے
اے میری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے

ہائے سرخی تیرے رخسار کی ہنگام عتاب
جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے

امیر

امیر تخلص اور امیر اللہ نام کا ایک شخص ہے۔ جہان آباد کے باشندوں میں سے ہے۔ آدمی نہایت لائق فائق ہے مگر خستہ حال ہے۔ رمل کے فن میں اچھی مہارت رکھتا ہے۔ شاہ نصیر کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس گناہ گار سے کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

اس تشنہ گلو پر ہے پھرا دیکھ تو قاتل
بے آب ترا خنجر براں نہ ہوا ہو

امین

امین تخلص اور نام خواجہ امین الدین ہے۔ عظیم آباد (پٹنہ) کے لوگوں میں سے ہے۔ بعضے اس کو مرشد آباد کا بتاتے ہیں اور یہ قطعی غلط ہے۔ آدمی قناعت پسند اور سوچ سمجھ کر چلنے والا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا
مہ چادر مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا

ہم کو کیا گر بہار آتی ہے　　دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا

ڈر سے ترے نالہ بھی نکلتا نہیں لب سے
ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا پر

مرتے ہیں ہم تو اس کے لب آبدار پر
گر آب زندگی ہو تو مارے ہیں دھار پر

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو
اتنا خفا ہو کس لیے اس خاکسار پر

یہ نہیں جوہر نمایاں تیغ تیز یار پر
کھد رہا ہے نام مقتولوں کا اس تلوار پر

دل خیال زلف میں بے خواب و بے آرام ہے
رات ہوتی ہے آئیں بھاری ہر اک بیمار پر

دل تو کیا ہے کہیں جو آئے یار　　جان آگے نکال رکھتے ہیں

مجھے بے چین رکھتا ہے دل افگار پہلو میں
وہ سوئے کس طرح جس کے رہے بیمار پہلو میں

ہم آنے کو مانع نہیں غیر کے　　پر اتنا ہے خلوت میں ہر دم نہ ہو
آئین کی غذا آرہی ہے یہی　　الٰہی یہ خون جگر کم نہ ہو

جلوہ ترے حسن کا کہاں ہے　　یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی

صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی

کس سے تشبیہہ دیں بھلا تجھ کو
ایک یوسف سو تیرا ثانی ہے

امیؔن

امیؔن تخلص اور نام امین الدین خاں ہے۔ قاضی وحید الدین خاں کا فرزند ہے۔ آدمی باصلاحیت اور پسندیدہ اطوار والا ہے۔ نجیب الدولہ نواب نجیب خاں مغفور کے زمانہ میں اپنے والد کے ساتھ دہلی میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاس عمدہ اشعار ایک بڑی تعداد میں ہیں۔ ہمارے ہاتھ جو آیا ہے وہ یہ شعر ہے کہ جو اس کے روحانی دوستوں کی نگاہ سے گزرا ہے:۔

کون آتا ہے یہ کس کے پاؤں کی آواز ہے
ہر صدائے پا میں جس کے سو طرح کا ناز ہے

امیؔن

امیؔن تخلص اور نام محمد اسمٰعیل ہے۔ شروع میں وحشی تخلص کرتا تھا۔ اس کے تخلص کی اس تبدیلی کی وجہ ہم کو معلوم نہیں۔ بہرحال وجیہہ نوجوان تھا اور نسب کے لحاظ سے شرفا میں سے تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:

اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہمدم مکھڑا نظر آجائے لب بام کسی کا

امیؔن

امیؔن تخلص اور نام میر محمد امین ہے۔ بنارس والوں میں سے ہے نسب کے لحاظ سے سید ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جی سے کہدو کہ آہ سرد کے ساتھ ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے

اماؔنی

اماؔنی تخلص اور نام میر امانی ہے۔ شاہ جہاں آباد کا رہنے والا ہے۔ خواجہ

آثمی کا فرزند ہے۔ مسلک کے لحاظ سے اثنا عشری تھا۔ ۱۱۷۰ ہجری میں اس کا انتقال ہوگیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

گھیرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے جی کا
اے نالۂ دل وقت ہے فریاد رسی کا

سینے میں جدھر رو ہو ترا پھونک دے اے آہ
ٹک دل سے خبردار کہ یہ گھر ہے کسی کا

اثر ہو سنگ میں کیا کیونکر ان کو رام کریں
بتوں کے دل ہو تو یا رب یہ آہیں کام کریں

شمع شب دیکھ مجھے صبح تلک دتی تھی
نامہ بر کہیو زبانی کہ تڑپتے تجھ بن

اماؔنی

اماؔنی تخلص کا ایک شخص شاہ جہاں آباد والوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کے نام سے دیکھا ہے سو یہاں لکھ دیا ہے:۔

کس کے یہ خار مژگاں دل میں کھٹک رہے ہیں
جو چشم سے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں

امجدؔ

امجدؔ تخلص اور نام مولوی امجد ہے۔ مولوی ارشد کا فرزند ہے۔ قناعت پسند انسان تھا۔ مولوی عبدالرحمٰن کا باپ ہے کہ جو مجھ فقیر کے خاص دوستوں میں ہیں۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جس گھڑی آپ کو دیکھوں ہوں میں جوں قطرۂ اشک
اپنی نظروں سے بھی امجدؔ میں گرا جاتا ہوں

ے رام پور نسخہ میں خاص ہے جو صحیح لگتا ہے لکھنؤ نولکشور میں تخلص ہے جو ناموزوں لگتا ہے

اَمّی

اَمّی تخلص اور روشن بیگ نام ہے۔ حمیدالدولہ جو ولی عہد کی سرکار میں منصرم تھا اس کا چھوٹا بھائی ہے۔ شاہ نصیر کا شاگرد لیکن علم سے بے بہرہ تھا۔ نوجوانی ہی میں انتقال کر گیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں۔

جہاں زنجیر ہم سنتے ہیں منگوا مول لیتے ہیں
تری زلفوں کے سودے میں یہ سودا مول لیتے ہیں

جی دھڑکتا تھا کہ پہنچے میں نہ آجائے لچک ہاتھ سے چھوڑ دیا میں نے ترا جانکے ہاتھ

اَمانت

اَمانت تخلص اور نام امانت رائے ہے۔ جہاں آباد میں دریبہ محلے میں رہائش تھی۔ یہ شعر اس کا ہے۔

تشریف یہاں نہ لاؤ پر نامہ بر تو بھیجو مت لو خبر ہماری اپنی خبر تو بھیجو

اَنوَر

اَنوَر تخلص اور نام محمد خاں ہے۔ شیخ زادوں میں سے ہے۔ اس کے اجداد شاہی عدالت کے داروغہ ہوتے تھے۔ فارسی اور ریختہ میں شعر کہا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں۔

ایسی جاں بخش ہوا موسم گل کی آئی قصد پرواز میں ہیں بلبل تصویر کے پر
ہوا اشک خونیں بہار گریباں رگ گل بنے تار تار گریباں

اِنتظار

اِنتظار تخلص ہے۔ اس ناچیز کو اس کا نام معلوم نہ ہو سکا البتہ فغاں

اور آبرو کا ہم عصر ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں۔

جو ہیں بہارِ گل کی قفس میں خبر گئی
بلبل یہ سُن کے ایسی ہے تڑپے کہ مر گئی
کنجِ قفس میں جا کے بناتا ہوں آشیاں
سیرِ چمن کی دل سے ہوس اس قدر گئی

انیس

انیس تخلص اور نام امیر الدولہ نوازش خاں ہے۔ میر نظام الدین ممنون کا شاگرد اور شاہ نواز خاں مرحوم کا بھانجا ہے۔ حضرت شاہ عالم بادشاہ جب اپنی تمام بلندی اور اقتدار کے ساتھ تخت نشین تھے۔ ان کے اس عہد سلطنت میں شاہ نواز خاں مرحوم مختاری کی خدمت پر مامور تھا اس سے وہ اور یہ عہدہ دونوں ہی لائق فخر بنے۔ راقم الحروف کے ساتھ تعارف کی حد تک رشتہ ہے لیکن شعر و سخن کی بات کبھی درمیان میں نہیں آئی۔ فقیر کو اس فن (یعنی شاعری) میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے نام سے دو تین شعر سُنے ہیں تو یہاں لکھ دیئے ہیں۔

پرکالۂ آفت تھا وہ رخسار انیس آہ
چہرہ جو غضب ناک ہوا اور بھی چمکا
کشتی سے اپنی چرخ خبردار رہ کہ آج
رکتی سرشکِ دیدۂ طوفاں فشاں نہیں

انجام

انجام تخلص اور نام عمدۃ الملک نواب امیر خاں ہے۔ اس کے نسب کا سلسلہ میر میراں نعمت اللہ سے ملتا ہے کہ جو (ایران کے) صفوی سلاطین کی قربت تک پہنچتا ہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد کے اُمراء میں سے ہے۔ حالانکہ اس کا ایک بزرگ تاریخ میں اہم ہے اور اس کا ذکر آتا ہے اور زبانوں

پر بھی یہ خبر مشہور ہے لیکن اس شخص کو اس جانب سے کوئی آمدنی نہیں ہے یہ اشعار اس کی طبع پاکیزہ کا نتیجہ ہیں:۔

ساتھ اپنے سر کے تھا انجام پاس تمکنت
شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر جلاد ہم
نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

انشا

انشا تخلص اور نام میر انشاء اللہ خاں ہے اور حکیم میر ماشاء اللہ خاں تخلص مصدر کا فرزند ہے۔ اصلاً نجف کا رہنے والا ہے لیکن مرشد آباد میں پیدا ہوا۔ وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں بہادر کا چہیتا خدمتگار تھا۔ فنون رسمیہ میں قدرے مہارت حاصل تھی۔ لیکن ہر ایک فن میں اپنی چابکدستی کا ڈھول پیٹتا تھا۔ اپنے ہم عصر شاعروں کا اعتراضات اور طعنوں کے مارے اس نے قافیہ تنگ کر دیا تھا۔ اس کا ایک دیوان بھی جملہ اصناف سخن پر مشتمل ہے لیکن کسی بھی صنف کو سچے شاعروں کی طرح بیان نہیں کیا ہے البتہ اس کے شوخ طبیعت اور ذہین ہونے میں دو رائے نہیں ہیں۔ اس کو وفات پائے بیس سال گزر گئے ہیں۔ اس کا دیوان پڑھا اور ان اشعار کا انتخاب کیا۔ پہلا شعر راقم کا پسندیدہ شعر ہے اور یقیناً انتہائی بلند مرتبہ ثابت ہوا۔

اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے
واسطے دو دن کے عرش کبریائی مانگتا
جس وقت وہ یوسف سے ہم آغوش تھی اس وقت
سنتے ہی ترا نام زلیخا کو غش آیا

چلتی تھی حرم کو رہ میں ہوئے ایک صنم پہ عاشق
نہ ہوا ثواب حاصل یہ لیا عذاب اُلٹا

آبخوری برف کی انشا کو کبھی آپ نے — اس کے یہ معنی کہ جو نقشہ تمہارا جم گیا

گرچہ مے پینے سے کی توبہ ہے میں نے ساقی
بھول جاتا ہوں وے تیری مدارات کے وقت

امرد ہوئے ہیں اس کے خریدار چار پانچ — دے اور ایسے حق مجھے اغیار چار پانچ

گلبرگ تر سمجھ کے لگا بیٹھے ایک چونچ — بلبل ہمارے زخم جگر کے کھرنڈ پر

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازے سے باہر — شوخی میں دھرو پاؤں نہ اندیشے سے باہر

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر — فعل بد تو ان سے ہوں لعنت کریں شیطان پر

کہہ تو اے چرخ بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

گر یار مے پلائے تو کیوں کر نہ پیجیے — زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

دل کو لے بھاگے کدھر ہاتھ سے تیرے انشا — کوئی کھڑکی بھی تو اس گنبد بیدر میں نہیں

چھیڑنے کا تو مزا تب ہے کہو اور سنو — بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

ہو جو انشا کو اجازت تو بھرے وہ نالہ — کبھی بلبل کے فرشتوں کو بھی جو یاد نہ ہو

بولے وہ اپنے سرو خراماں کو تاڑ باندھ — گر قصد بوسہ ہووے تو گرد اس کے باڑ باندھ

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے — چلو پر کعبے ہی ہو آئیں بھلا سیر تو ہے

غیر کے ایک اشارے پر اُٹھ گئے میرے پاس سے
تس پہ یہ مجھ سے پوچھنا بیٹھے ہو کیوں اُداس سے

سچ یہ آفت تری یہ دھج یہ خوش اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے

غصے میں تیرے ہم نے بڑا لطف اٹھایا — اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے

گالیاں سیکڑوں دیں پاؤں جو دابے ہم نے
محنتیں خوب سے کیں خوب سے انعام لیے

گر نازنیں کے کہنے سے مانا برا ہو کچھ — میری طرف تو دیکھیو میں نازنیں سہی

کی میں نے شب جو سہواً تعریف چاندنی کی — میری طرف سے اپنے وہ منہ کو موڑ بیٹھے

صاحب کے ہرزہ پن سے ہر ایک کو گلہ ہے — میں جو نباہتا ہوں میرا ہی حوصلہ ہے

دیں گالیاں ہزاروں سن مطلع اس غزل کا — کہنے لگا کہ انشا اس کا یہی صلہ ہے

رونے سے اپنے دل کی تپش گرد ہو گئی — دو چار بوندیوں میں ہوا سرد ہو گئی

آویسی

اویسی تخلص اور نام شاہ محی الدین ہے۔ بریلی کے شیخ زادوں میں سے ہے۔ دکن منتقل ہو گیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

باغ میں گلعذار ہو فصل بہار ہو نہ ہو — میں ہوں غزل سرا وہاں بلبل زار ہو نہ ہو

آوباش

اوباش تخلص اور نام شیخ امیر الزماں ہے۔ لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے ہے۔ غلام ہمدانی مصحفی کا شاگرد رہا ہے۔ اس کا یہ شعر ملا ہے:۔

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے سو وہ درد و غم میں پھنسا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

ایمان

ایمان تخلص اور نام شیر محمد خاں ہے۔ حیدر آباد کا رہنے والا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے وہاں پر استادی کا جھنڈا گاڑا ہوا ہے

یہ اشعار اس کے ہیں :-

روا ہے کون سے مشرب میں کہ اے عشق نا منصف
دل پرویز خوش ہو خاطر فرہاد محزوں ہو
ٹپک پڑتا ہے خون دل مری ایمان آنکھوں سے
مے گلگوں کا جس دم بزم میں ساغر چھلکتا ہے

حرف الباء الموحدۃ

بحر

بحر تخلص، ایک شخص ہے جس کی سرگذشت کی نظیر اس روئے زمین پر نہیں ملے گی۔ یہ اشعار اسی کے ہیں :-

مانند اشک دامنِ دولت نہ چھوڑینگے ۔۔۔ آنکھوں سے تم نے ہم کو گرا یا تو کیا ہوا
سو ذلتیں اٹھا کے ہم آخر سمجھ گئے ۔۔۔ تم نے نہ اپنا بھید بتایا تو کیا ہوا
اس گل کی آرزو نہ گئی ہے نہ جائے گی ۔۔۔ داغوں سے دل کو باغ بنایا تو کیا ہوا

برگشتہ

برگشتہ تخلص اور نام مشرف ہے۔ بھورے خاں آشفتہ کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

رشتہ توڑا، برگشتہ آلفت کا ۔۔۔ دیکھ اس نے شکستہ حال ہمیں

برکت

برکت تخلص اور نام برکت اللہ خاں ہے۔ کوتانہ کے لوگوں میں سے

ہے کہتے ہیں کہ وہ بیش تر فارسی زبان میں بات کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے

جلا یہاں تک تپ غم سے دل غم ناک سینے میں
اگر ڈھونڈے کوئی دل کو تو پاوے خاک سینے میں

برکت

برکت تخلص اور نام برکت علی خاں ہے۔ خیرآباد کا رہنے والا ہے نصیرالدولہ اختر لونی ناظم دہلی کی خدمت میں چونکہ اس کو تقرب حاصل تھا اور ناظم دہلی شہر دہلی کی اہم شخصیتوں کے لیے عزت مآب تھا اس لیے یہ کچھ مدت کے لیے راجہ پٹیالہ کا مختار بن کر رہا اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب راجہ پٹیالہ کا ستارہ اقبال عروج پر تھا۔ قصہ مختصر یہ شخص تمام عمر ستارہ زحل کے دامن سے بندھا رہا اور ظفر یاب ہوا۔ آخرکار آسمان کی گردش نے پلٹا کھایا اور ایک مرتبہ جب یہ اپنے وطن واپس آرہا تھا اور رات میں سفر کر رہا تھا تو اس کا ستارہ عمر پلٹ گیا اور وہ راہ ہی میں انتقال کر گیا۔ آج اس کی وفات کا دن (برسی) ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ عطارد عقل و ہمت کا مالک ہے۔ اس کو شعر و سخن کا بہت زیادہ شوق تھا اور خوب کہتا تھا مشاعرے کی محفل منعقد کرتا تھا۔ اس کے افکار کا خلاصہ یہ ہے:۔

اشکوں کو بہا دیدہ گریان سمجھ کر
گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھ کر

موسم گل ہے قفس ہی میں نہ ہو جان ہوا
مت نسیم سحری مرغ گرفتار سے مل

پہنچے آسیب نہ اس کو کہیں دلگیر نہ ہو
نالۂ شب میں الٰہی مرے تاثیر نہ ہو

دل بیتاب کسی طرح سے ٹھہرائے کوئی
مجھے سمجھائے کوئی یا اسے بجھائے کوئی

غم اٹھانا ہے اس دل کا ٹھکانے لگ جائے
ایک دم کے بھی لیے پاس جو بٹھلائے کوئی

مٹی نہ سوزش دل اشک کے بہانے سے
یہ آگ وہ ہے کہ بجھتی نہیں بجھانے سے

مجھ کو رُکا رُکا سا جو پایا تو یوں کہا
پالے خدا نہ ڈالے کسی بدگمان کے

خط کی نمود چہرے پہ معلوم ہو گئی
قاصد نے جب کہا کہ یہ خط کی رسید ہے

تصور میں ترے گر کوئی چھیڑے ہے تو کہتا ہوں
ذرا دم لو کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے

پرؔوانہ

پرؔوانہ تخلص اور نام محمد بیگ ہے۔ خیر آباد کے موزوں طبع لوگوں میں سے ہے۔ اس کا ایک مطلع یہاں لکھا جا رہا ہے:۔

قتل کر مان مت کسو کی قسم
تجھے قاتل میرے لہو کی قسم

پرؔوانہ

پرؔوانہ تخلص اور نام راجہ جسونت سنگھ ہے۔ راجہ بینی بہادر کا فرزند ہے کہ جو وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر کے اہم ارکین سلطنت میں سے تھا۔ خوش باش، شگفتہ رو، وجیہہ و خوبرو نوجوان ہے۔ بے تحاشا زندگی کرتا ہے۔ اس کو سرب سنگھ دیوانہ کا شاگرد کہا جاتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

نسیم آہ نے شاید کسی کی کی تاثیر
شگفتگی سی تیرے غنچۂ دہاں پہ ہے

بزّاز

بزّاز تخلص، نام حسین بخش ہے۔ اکبر آباد کے بزازوں میں سے ہے یہ شعر اس کا ہے:۔

کہوں ہوں جس سے میں ان کو بلا لاوہ یہ کہتا ہے
مجھے ناحق ہو دوڑاتے نہ آئیں گے نہ جائیں گے

بسمل

بسمل تخلص، نام سید جبار علی، اور چنار گڑھ کا رہنے والا تھا۔ مزاج کا بہت سادہ تھا۔ بنارس کے راجہ کی سرکار سے متعلق تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

یاد آگئی مشت خاک اپنی — اُڑتے جو کہیں غبار دیکھا
دل خس وخاشاک کی صورت اٹکتا ہی رہا — گو سدا دامن کو اپنے وہ جھٹکتا ہی رہا
ہردم مجھے نیا رادسے ناز ہی رہا — انجام کار عشق کا آغاز ہی رہا
تیری ہی یاد ذکر تباہی ہر آن ہے — گویا کہ اس لیے مرے منہ میں زبان ہے

بشیر

بشیر تخلص اور نام میر بشارت علی ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے لکھنؤ گیا تھا خبر یہ آئی ہے کہ راستہ میں انتقال ہوگیا۔ میر نظام الدین ممنون کا شاگرد ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دل بیتاب پہ ہم ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
دیکھتے ہیں تجھے حسرت سے بھرے بیٹھے ہیں
یارب نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی — وابستہ ہے وہاں خاطر دلگیر کسی کی

بقا

بقا تخلص اور نام شیخ محمد بقاء اللہ ہے۔ حافظ لطف اللہ خوشنویس کا بیٹا ہے۔ اکبر آباد کا رہنے والا ہے اور لکھنؤ میں پلا بڑھا۔ طبیعت میں ظرافت تھی لیکن ظرافت کو چھوڑ کر میر اور سودا کے دائرے میں شریک ہوگیا۔ طرف داریوں میں زیادہ حصہ لیا اور بہت سی ہجویں کیں۔ طرح

طرح کی نظموں میں اس کی طبع خوب رواں اور شگفتہ تھی۔ طبیعت رنگین اور اسلوب بامزہ تھا۔ فارسی میں تھوڑا بہت دخل رکھتا تھا اور شعر کہتا تھا۔ فارسی میں مرزا فاخر مکین کا شاگرد تھا اور ریختہ میں شاہ حاتم اور خواجہ میر درد کا شاگرد رہا ہے۔ اس کے قلم کی شکر ریزی کا انداز اس طرح کا ہے :۔

دست ناصح جو میری جیب کو ایک بار لگا
پھاڑوں ایسا کر پھر اس میں نہ رہے تار لگا

یار کو پہنچی خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا

آہیں افلاک میں مل جاتی ہیں
منتیں خاک میں مل جاتی ہیں

ساقی کو دو نوید بہار آئی باغ میں
سودے نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

دیکھ آئینہ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اس کا میں چاہنے والا ہوں بقا واہ رے میں

اے عشق تو ہر چند مرا دشمن جاں ہو
مرنے کا نہیں نام کا میں اپنے بقا ہوں

تو نے اس طرح سے اے چرخ گرایا ہم کو
کہ موئے پر بھی کسی نے نہ اٹھایا ہم کو

گر قتل کیا بقا کو خوباں
اس بات کو منہ سے مت نکالو

پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق
جانے دو اب اس پہ خاک ڈالو

رخ اس کے صفائی تیرے تلوے کی سی لائی
خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھائے

آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی
طفل اشک آن چھپے دامن مژگاں کے تلے

عشق میں بو ہے کبریائی کی
عاشقی جس نے کی خدائی کی

دل سے نکلی کہیں پابوسیٔ قاتل کی ہوس
کاش وہ خوں کو مرے رنگ حنائی جانے

یاد میں تڑپے ہے دل اس ابروئے خمدار کے
آج کچھ ناخن بھرا ہے آہ اس بیمار کے

کیا خط تجھے لکھیے حرکت ہاتھ سے گم ہے
خامہ بھی میرے ہاتھ میں انگشت شم ہے

بہادر

بہادر تخلص اور نام راجہ بینی بہادر ہے۔ جو صوبہ بہار کے راجاؤں میں سے

ہے۔ اس کا والد جسونت سنگھ پروانہ ہے کہ جس کا ذکر پہلے لکھا گیا ہے۔ یہ شعر اس کے کلام سے ہے:۔

سیاہی مو کی گئی دل کی آرزو نہ گئی ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بُو نہ گئی

بیتاب

بیتاب تخلص کا ایک شخص شاہ حاتم کے شاگردوں میں تھا۔ اس کا شعر ہے:۔

بیتاب بھی کیا جواں تھا لے والے ہو خانہ خراب اس اجل کا

بیتاب

بیتاب تخلص اور نام خداوردی خاں ہے۔ سعادت یار خاں رنگین کا چھوٹا بھائی ہے۔ میر نظام الدین ممنون سے اصلاحِ سخن لیا کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

مجھ سے وہ ہر دم کہے ہے اپنا خنجر دیکھ کر
قتل کیجیے تجھ کو جی چاہے ہے اکثر دیکھ کر

بیتاب

بیتاب تخلص اور نام سیوک رام ہے۔ اس کے علاوہ مزید اس کے بارے میں مجھے علم نہیں ہے۔ ایک تذکرہ میں اس کا ایک شعر میری نظر سے گزرا وہ یہ ہے:۔

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہمیں دکھ دیں ہم ان کو اس طرح چاہیں

بیتاب

بیتاب تخلص ہے اس کے نام سے میں واقف نہیں ہوں۔ یہ اگلوں میں سے ایک ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

گل رخوں کی گلی میں اے بیتاب　　خاک پلے ہے گلاں کے مانند

بیتاب

بیتاب تخلص اور نام عباس علی خاں ہے۔ یہ نواب عبدالعلی خاں ابن نواب غلام محمد خاں بن نواب فیض اللہ خاں مرحوم والی رام پور کا فرزند ہے۔ جوان آدمی ہے، خوش شکل، اعلیٰ تہذیب زیبا شمائل، خوش اخلاق اور پاکیزہ سرشت سے مزین ہے۔ اس کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے آراستہ ہے۔ کافی عرصہ لکھنؤ میں رہنے کے بعد اب چند سال سے مایہ ناز جہان آباد میں مقیم ہے۔ اس کی آمد اس مبارک سرزمین کی زینت ہو گئی ہے۔ مومن خاں کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:

بھا گیا اپنے زبس قتل کا ایما ہم کو　　بعد مردن بھی ہے مرنے کی تمنا ہم کو
داد سے روز جزا کے بھی رہوں گا محروم　　یہ نظر آئے ہے طول شب ہجراں مجھ کو
پیدا ہوا رقیب کا غم دل میں ان دنوں　　بیتاب غم بھی کھانے میں اب کچھ مزا نہیں
آخر فریب کھا کے کیا اس نے مجھ کو قتل　　میں نے کہا تھا تم سے اٹھائیں گے مرکے ہاتھ
سحر نہ دیکھتی ہم کو نصیب ہو یارب　　شب وصال بھی اپنی یہی دعا ہو گی
اب کوئی کہاں جائے اگر ہے یہی کثرت　　دیوانے ترے دشت کو آباد کریں گے

بیباک

بیباک تخلص اور نام میر نجف علی ہے۔ نسلاً عرب ہے لیکن وہ قصبہ

کول میں پیدا ہوا۔ اس کا سلسلۂ نسب امام ہمام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک جاتا ہے۔ مصحفی کے شاگردوں میں سے ہے۔ فن طب میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ دہلی آگیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ایک دن ہو تو کوئی صبر کرے — روز کے انتظار نے مارا

مجلس میں اس کی ہم نے تہمت کے ڈر کے مارے — سو سو جگہ سے اٹھ کے اپنا مکان بدلا

دادخواہوں سے گھر گئے رستے — اس کا جس کوچے سے گزار ہوا

صیاد یہ ہوس ہے دل داغدار میں — گلپوش کر قفس کو مرے نو بہار میں

بیجان

بیجان تخلص اور نام شیبو سنگھ رمالی ہے۔ دہلی کا باشندہ ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

آسماں گر پڑیں گے ٹوٹ کے ٹکڑے ہو کر
جب کہیں آہ ہماری میں اثر ہووے گا

بیخود

بیخود تخلص اور نام نرائن داس ہے۔ دہلی میں ہنڈی لکھنے والا ایک ہندو شخص تھا۔ خواجہ میر درد کے شاگردوں میں سے تھا۔ یہ اس کا شعر ہے:۔

مے گلگوں کو چشم کم سے تو مت دیکھ اے زاہد
نہ پایا ہے یہ اعجاز مغاں نے آب آتش کا

بیخواب

بیخواب تخلص ہے۔ اس سے زیادہ اس کا احوال معلوم نہیں ہے کہ وہ ایک شاعر تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

مدعا تجھ کو یہاں نہ آنا تھا　　روٹھنے کا بھی ایک بہانا تھا

بیدآر

بیدآر تخلص اور نام میر محمدی ہے۔ اصل دہلی کا رہنے والا ہے۔ اس شہر دہلی کے جنوب میں واقع عرب کی سرائے میں رہائش رکھتا تھا۔ کافی مدت یہاں رہنے کے بعد اکبرآباد منتقل ہوگیا اور وہیں سکونت اختیار کرلی تھی وہیں پر اس کی روح پاک قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ مرتضےٰ قلی بیگ فراق کے شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مولانا فخرالدین کی خدمت میں رہ کر کسبِ باطن کرتا تھا اور ان کا خلیفہ ہوا۔ روحانی سلسلہ اس کا درست تھا اس نے مدتوں شاعری کا ریاض کیا اور اپنے شایانِ شان مہارت حاصل کرلی۔ صاحبِ دیوان ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

ناتوانی سے مری دیکھو اے دستِ جنوں　　رہ گیا ہو نہ کوئی تار گریباں میں چھپا
بھرا نہ مثلِ نگیں زخم یہ مرے دل کا　　کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا
بیدآر راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی　　صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا
کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے　　اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا کرتا
تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار　　گل جدا سرو جدا نرگس بیمار جدا
ہوگیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار　　اشک تھا بیدآر یا یہ آگ کا پرکالہ تھا
عکس اس کا پڑا جو دریا میں　　آب حیرت زدہ ہو بہہ نہ سکا
واہ واہ اے دلبر کج فہم یونہی چاہیئے　　ہم سے ہونا آشنا غیروں سے ہونا آشنا
پھونک دی یہ آگ کس کی بزم حسن افروز نے　　اور ہی کچھ سوختن ہے شمع و پروانے میں آج
رکھتا ہے تو جس جا قدم ہوتا ہے لہو کا نشاں
پامال کرتا ہے کوئی خون شہیداں اس قدر
تھا یہی زور تری زلف دلآویز کا بس　　خم ہوئی لا نہ سکی تاب گرفتاریٔ دل

نہ پر پرواز ہے بیدار نہ فصل بہار — کس توقع پر قفس سے ہو دیں آپ آزاد ہم
فتراک سے باندھ خواہ مت باندھ — اب تیرے شکار ہو گئے ہم
دامن کو ترے نہ پہنچے اب تک — ہر چند غبار ہو گئے ہم
جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں — بل بے ظالم تیری بے پروائیاں
خرقہ رہنِ شراب کرتا ہوں — دل زاہد کباب کرتا ہوں
ہم تری خاطر نازک سے خطر کرتے ہیں — ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
جو ہم کلام اس لب جاں بخش سے ہوئے — کس سے انھیں دماغ کہ پھر گفتگو کریں
یہاں تو جی آن کے ٹھہرا ہے لبوں پر اپنا — آہ کیا جانیں وہاں اس کو خبر ہے کہ نہیں
کہاں ہے طالع بیدار یہ کہ ایسا ہو — کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو
آج لگتے ہی کچھ بغل خالی — کون سینے سے لے گیا دل کو
ہے زمانے سے جدا روز و شب سوختگاں — شام کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ
دیکھ اس گیسوئے مشکیں کی ادائیں شانہ — دونوں ہاتھوں سے یہ لیتا ہے بلائیں شانہ
شکوۂ کم نگہی آنکھوں سے اس کی نہ کرو — گفتگو خوب نہیں مردم بیمار کے ساتھ
آئینہ دیکھ تو اس منہ سے تجھے اے طوطی — دعوئ ہم سخنی اس لبِ گفتار کے ساتھ
خواب میں ایک بھی شب یار نہ آیا بیدار — اس تمنا میں کئی دن ہوئے سوتے سوتے
بیدار کیونکر آتش دل اشک سے بجھے — ظاہر کی آگ ہووے تو پانی بجھا سکے
زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں مے خوار کئی — ابھی یہاں چھین لیے جبہ و دستار کئی
جام و مینائے مے و مطرب و ساقی ہمراہ — اس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے
ربط جو چاہیئے بیدار سو اس سے معلوم — مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے
نہ گئی تیری سرکشی ظالم — ہم نے ہر چند جبہ سائی کی

بیاںؔ

بیاںؔ تخلص اور نام خواجہ احسن اللہ ہے۔ دہلی کا باشندہ ہے۔ مرزا

جان جاں مظہر رحمتہ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھا۔ طریقت کے لحاظ سے مولانا فخر الدین قدس سرہٗ کی بیعت اختیار کی۔ آخرکار حیدرآباد چلا گیا اور وہیں انتقال کیا۔ اس کا اندازِ بیان شیریں اور دلکش ہے اور شاعری شیوا بیانی کے نمک اور چاشنی سے پُر ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

قفس میں میں رہائی کے لیے کیا کیا نہیں کرتا
تڑپھتا ہوں پھڑکتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا

کہتا نہیں میں عرش پر اے نالہ جا پہنچ
کانوں تلک تو اس کے تو اے نارسا پہنچ

باتوں میں آہ کس نے لگایا اسے بیاں
رکھتا تھا کان ٹک مری فریاد کی طرف

کافر ہوں گر زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو
اک بے خلل مکاں ہو بس میں ہوں اور تو ہو

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی
ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی

بیاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو
تغافل کے قرباں تجاہل کے صدقے

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں
شام سے لے کے صبح تک وہ ہی نہیں نہیں رہی

پیام

پیام تخلص اور نام شرف الدین علی خاں اکبرآبادی ہے۔ فارسی کے مشہور شاعروں میں سے ہے۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی شعر موزوں کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے
کام عشاق کا تمام کیا

ایک عاشق نظر نہیں آتا
ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف التاء الفوقانی

تاباں

تاباں تخلص اور نام میر عبدالحیٔ ہے۔ اس کے وجود کا خمیر بھی جہاں آباد کی خاک سے اٹھا ہے۔ اس کے نسب کا سلسلہ حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آدمی یوسف کا سا حسن رکھ کر بھی یعقوب کا سا رنج و ملال اٹھاتا ہے اور آفتاب کے جمال سے متصف ہو کر مہ رخوں کے وصال کی حسرت کے داغ دل پر حاصل کرتا ہے۔ یہ مرزا مظہر (جان جاں) کے دل کے مانند نہیں ہے کیونکہ اس کے شوق کی گرمی سے اس کا دل تپا ہوا اور سینہ تنور بنا ہوا تھا کہ جو زمانہ بھر سے نبرد آزما ہوتا ہے بلکہ دنیا کو جلا ڈالنے والے شعلۂ عشق کی گرمی کے سبب اس کی فریاد سے ہر گلی کوچہ گونجتا ہے اور اس کا نالہ و بکا شعر کے سانچے میں ڈھل کر سودا (مرزا رفیع) کے گوش گزار ہوا کرتا تھا۔ خود استاد اپنے شاگرد کی نسبت سے محفل در محفل سربلندی حاصل کرتا تھا۔ وہ عین عالم شباب میں جہان فانی سے کوچ کر گیا اور اپنے چاہنے والوں کے جگر پر حسرت و ملال کے داغ دے گیا۔ آزاد منش شخص تھا جیسی اچھی شکل و صورت پائی تھی ویسا ہی اچھا مزاج بھی پایا تھا۔ صاحب دیوان ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار اس کے دیوان سے منتخب کیے گئے ہیں:۔

اُڑا دے صبا خاک میری اگر تو — تو کوچے میں اس بیوفا کے ہی لے جا

تو دیکھ مجھ کو نرع میں مت کڑھ کہ میرے بعد

مجھ سے بہت ہیں ایک نہ ہوگا تو کیا ہوا

کاکل کی طرح کیوں نہ پریشاں مجھے کہے
تو جانتا ہے دام میں میرے یہ آ چکا

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے اے ظالم
وہ ایکدم ہے ترے روبرو ہوا سو ہوا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالا
آتا ہے مجھ کو تاباں بے اختیار رونا

ہے سوز عشق مجھ میں یہاں تک بعد مرگ
پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

کس کس طرح کی دل میں گزرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ بتکدے میں شیخ
کہ یہاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں بہ رنگ شعلہ
کون جاں سوختہ جلتا ہی تہ خاک ہنوز

دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباں
کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز

یہ زاہد بے خبر کیوں عاشقوں پر طعن کرتے ہیں
کہ کہلاتا ہے پیغمبر کا اے تاباں خدا عاشق

آتا ہے فاتحہ کو بھی گلرو رقیب ساتھ
لاتا ہے خار قبر پر میرے بجائے گل

کہتی ہیں اثر ہے گا رونے میں یہ باتیں
ایکدن بھی نہ یار آیا روتے ہی کٹیں راتیں

غم وصل میں ہے ہجر کا ہجراں میں وصل کا
ہرگز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں نہ دوڑے جنوں
طوق ہے میرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے
جو جانتا ہو میں اسے آگاہ کیا کروں

یہاں تک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ
گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے

ظالم وفا کا میری جو لیتا ہے تو حساب
اپنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

کروں دعوئے خوں میں قاتل سے اپنے
کب آئے گی یارب قیامت کہاں ہے

ہمارے اس بسنتی پوش کے آنے سے مجلس میں
پڑی ہے دھوم تاباں اس طرح گویا بسنت آئی

تاب

تاب تخلص اور نام مہتاب رائے ہے۔ نسلاً کشمیری ہے لیکن اس کی

پیدائش اور پرورش اسی خوب صورت شہر دہلی میں ہوئی۔ یہ اشعار اس کے نام سے مشہور ہیں:۔

خو ہوتی ہمیشہ سے تمہاری اگر ایسی — تو کاہے کو بنتی مرے اے فتنہ گر ایسی

یا تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا — یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

تپش

تپش تخلص اور نام مرزا محمد اسماعیل ہے، مرزا جان کے نام سے معروف ہے۔ مرزا یوسف بیگ کا بیٹا ہے۔ نسلاً بخارا کا رہنے والا ہے لیکن اس کی پیدائش شاہ جہاں آباد میں ہوئی۔ اس کا سلسلہ نسب سید جلال بخاری سے ملتا ہے۔ خواجہ میر درد کے شاگردوں میں سے ہے۔ سنسکرت میں اس کو خوب مہارت حاصل تھی۔ اعلیٰ آداب واخلاق کا مالک تھا۔ مشرقی اضلاع کی جانب چلا گیا ہے اور وہاں خوب نام پیدا کیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

آتے تو ہو کہیں سے آخر ملے دے تم — کیا ہوا گر مرے بھی لگ جاؤ پھر گلے تم

تم تو کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں — پر خدا جانے ہمیں دم کا بھروسا کچھ نہیں

کچھ تیرے سلیقے سے پھنسے ہم نہیں صیاد — لائی ہے ہمیں دام میں تقدیر ہماری

کس کی طرف سے آج تپش تجھ کو یاس ہے — سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

ہمیں تو اشک کے قطرے کا بھی ہے سامنا مشکل

بھلے وہ لوگ ہیں جن کے تئیں دل تھام آتا ہے

ہر طرف آج ہے بسنت کی دھوم — سیر میں ہے ہر ایک تماشائی

کتنے گلرو جو ہیں بسنتی پوش — جی میں کھٹکے ہے جن کی رعنائی

کہتے ہیں آنکے مجھے ہنس ہنس — دیکھ کر میری ناشکیبائی

ہو مبارک تمہیں جنون تپش

پھر نئی رت نئی بہار آئی

تجلّی

تجلّی تخلص اور نام میر محمد حسین ہے اور حاجی کے نام سے مشہور ہے میر تقی میر کی بہن کا لڑکا اور میر محمد حسن کلیم کا بیٹا ہے۔ بیگم باغ واقع چاندنی چوک میں رہتا تھا۔ خوش باش، شگفتہ رو جوان تھا۔ طبیعت میں ظرافت اور نکتہ سنجی تھی۔ اس کی شاعری کا جہاں تک تعلق ہے تو ایک مثنوی لیلیٰ و مجنوں ریختہ زبان میں نگاہ سے گزری ہے لیکن اس نے دل خوش نہیں کیا یہ اشعار اس کے ہیں :-

میری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ سر یہ تیغ ہے لے اب تو اعتبار آیا

آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میری جان
دیکھا تری طرف جو کسی نے تو کیا ہوا

یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلّی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلّی کو عبث
وہ بچارا کبھی اس کوچے میں آیا نہ گیا

تر دامن آگیا جو میں روز حساب میں
کہنے لگے بٹھاؤ اسے آفتاب میں

توبہ اسکی جفاؤں کی خبر رکھتے نہیں
بے وفا مجھ کو ہی کم ملنے سے ٹھہرانے لگے

حال تیرا ان سے کیا کہتا تجلّی میں بھلا
وہ تو تیرے نام ہی کو سن کے شرمانے لگے

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

وہ اب تو ہمیں بھول گئے ہیں یہ تجلّی
جب ہم نہیں ہونگے تب بہت یاد کرینگے

تجلّی

تجلّی تخلص، یہ شاہ تجلّی نام کا ایک درویش ہے۔ حیدرآباد کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

دامن کا عکس کس کے پڑا ہے کہ آج تک
پھیلا رہا ہے سرو لب جوئے بار ہاتھ

تجمّل

تجمّل تخلص اور نام محمد عظیم ہے۔ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کتاب قصہ فرہاد و دفتر مجنوں
یہ دو ورق ہیں مری عشق کی کہانی کے

تجمّل

تجمّل تخلص، یہ شخص لکھنؤ کے مالدار لوگوں میں تھا۔ اس کے نام کا مجھے علم نہیں ہے۔ قاعدے کی زندگی جیتا تھا۔ علم سے بھی شدید تھی۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جس کے گھر ٹیکے میں یہ دیدۂ تر بیٹھ گیا
اٹھتے اٹھتے مرے آخر کو وہ گھر بیٹھ گیا

تجرّد

تجرّد تخلص اور نام میر عبداللہ ہے۔ اس کے حال احوال سے میں واقف نہیں۔ یہ مطلع اس کا ہے:۔

اس رخ میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

تحیّر

تحیّر تخلص اور نام مصطفےٰ ہے۔ یہ جناب شاہ رفیع الدین قدس اللہ سرہ العزیز کا فرزند ہے جس کے خاندان کی نجابت اس درجہ شہرت رکھتی ہے کہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے۔ اس کے چچا بزرگوار جناب مستطاب مولانا عبدالعزیز طاب ثراہ کو مختلف فنون میں مہارت حاصل تھی۔ وہ اپنے وقت کے انوکھے (لوگوں میں سے) تھے اور اپنی طرح کے ایک ہی تھے۔ یہ شخص (یعنی

تحریر) اگرچہ علم سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا لیکن جیسا کہ عربی کہاوت ہے کہ بیٹے کے اوصاف اپنے باپ کا ورثہ ہوتے ہیں، یہ بھی اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کا مالک ہے۔ ثناء اللہ خاں فراق سے مشورۂ سخن کیا کرتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

فکر اطفال کو ہے سنگ اٹھالانے کی　　آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

ترقی

ترقی تخلص اور نام مرزا تقی خاں بہادر ہے۔ فیض آباد کے رؤسا میں سے ہے اور اپنی عادات واطوار اور بود و باش سے صاحب حیثیت ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

ساکنان کعبہ نے کی بت پرستی اختیار　　وہ صنم نام خدا کیا ان دنوں جوبن پہ ہے

اس نے تو دکھ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
پر مزا میں نے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے

تسلی

تسلی تخلص اور نام ٹیکا رام ہے۔ وزیر الممالک گوپال رائے بخشی کا بیٹا ہے۔ دراصل اٹاوہ کا رہنے والا ہے لیکن اس کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ اس نے گوشہ نشینی کے ساتھ صاف ستھری زندگی گزاری۔ اس کو فارسی میں فاخر مکین کی شاگردی کا فخر حاصل ہے اور ریختہ میں مصحفی کو اساتذہ میں شمار کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں　　کیا پوچھتے ہو حال شب انتظار کا

گو دل میں خفا ہے تو پر اس بات کو ناداں　　کہہ بیٹھیو مت عاشق دل گیر کے منہ پر

اب بھی اس نیم جان میں کچھ ہے　　فائدہ امتحان میں کچھ ہے

تسکین

تسکین تخلص اور نام سعادت علی ہے۔ میر قمرالدین منت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
خط بھی لکھا جو ہم کو تو خط غبار میں

تسکین

تسکین تخلص اور نام میر حسین ہے جس کا سلسلہ نسب فرخ سیر کے وزیر کے قاتل میر حیدر خاں سے ملتا ہے۔ بلند فکر کا مالک ہے۔ اس کی شاعری کی طرز پسندیدہ ہے۔ حضرت مومن خاں مومن سے اپنے اشعار پر اصلاح لیتا ہے۔ راقم کے حلقہ احباب میں سے ہے۔ ذیل کے اشعار سے اس کے فکری رجحان کی غمازی ہوتی ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دیکھیو خانہ خرابی غیر وہاں قابض ہوا
جس کے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو چکا

ہم کو ہر دام میں لازم ہے پھنسانا دل کا
سیکھے ہیں تیری لگاوٹ سے لگانا دل کا

بے بال و پری کھوتی ہے توقیر اسیری
صیاد کبھی لے کے یہاں دام نہ آیا

ہر صبح وہ ڈھونڈے ہے کوئی تازہ خریدار
صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا

چھپ گئے مجھ کو تو چرچا یہی پھر وہاں ہوگا
راز اپنا نہ خموشی سے بھی پنہاں ہوگا

اس در سے نہ جاؤں گا کبھی لاکھ کہو تم
دشمن ہی سہی تابع فرمان تمہارا

یہاں آنے سے کس واسطے جلتا ہے ہلاکے
عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا

تم کو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے
جو ربط کہ اس دست و گریبان میں دیکھا

گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو
فضائے کوچۂ لیلیٰ کو اس نے تنگ ٹھہرایا

وحشت اب لاش کو لے بھاگے گی
تنگئ گور سے گھر یاد آیا

بھول جائیں گے وہ اغیار کو میں
مر گئے پر بھی اگر یاد آیا

کوچۂ یار میں میں نے تسکینؔ
پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا

خوبصورت نہ ہو کوئی تو نہ ہو بدنامی
سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہوتا ہے اچھا ہونا

غیروں کو اشارا ہے مرے قتل پہ ناحق
یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کاہے کو ہوگا

سہل سمجھے ہو اس کا آجانا
تم نے تسکینؔ دل کو کیا جانا

اس گلی میں اژدہام اغیار کا یاد آگیا
دل میں جوش حسرت و یاس تمنا دیکھکر

گر مرے چھٹے دل کی تپش سے تو عزیزو
تا حشر نہ نکلیں گے کبھی گور سے باہر

اس کو میں مجھ کو جانے سے کرتا ہے منع مانئے
ناصح کو کوئی جا کے کرے پاسبان غیر

اے چشم سرمگیں تری گردش نے کیا کیا
راحت پذیر تھے ستم آسماں سے ہم

رُوئے ہے مجھ کو ڈبو کر چشم تر کو کیا کہوں
وہ ہی آتا ہے پسند اپنی نظر کو کیا کہوں

دیکھوں تو لے ہے جاں ملک الموت کس طرح
تم وقت مرگ پاس سے اٹھنا ذرا نہیں

زلف پر پیچ کو کھولا ہے یہ کس نے یارب
کہ مرے پاؤں کی زنجیر کسے دیتے ہیں

ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سن
دل میں رُوتے ہیں یہ ظاہر میں ہنسے دیتے ہیں

یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گزرو گے
پر یہ ممکن نہیں ہم پر کبھی بیداد نہ ہو

مجھ بے گنہ کے قتل پہ گر ہے خوشئ غیر
ظالم تو میرے واسطے اندوہگیں نہ ہو

کر سکے دفن نہ اس کو میں جو احباب مجھے
خاک میں دل کی کدورت نے دبایا اب مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اس سے دل بیتاب مجھے

ہجر میں ، اس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس
نہ دیئے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے

نام تسکینؔ و یہہ مضمون تپش نازیبا
تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے

کس کو جی جانے سے ناصح تو ڈرا جاتا ہے
یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے

دل کے جاتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھ
صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے

عشق اور حسن میں ہے ربط ستم مجھ پہ ہے
جوں جوں میں اس کو چھپاؤں وہ نہاں رہتا ہے

وہ مسیحا لب اگر آئے تو جی اٹھوں ابھی
ہاتھ اٹھایا چارہ ساز و تم نے کیوں تدبیر سے

دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار
حال دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے

چین سے بیٹھے رہے محفل میں تسکیں رات بھر
اس نے پہچانا نہ ہم کو رنگ کے تغیر سے

اب یہ حالت ہے کہ ان سا بیدرد
میرے بچنے کی دعا مانگے ہے

کیوں ہڈیوں پہ جنگ سگانِ سر کوچہ ہے
وارث ہیں یہ کیا عاشق مسکیں کے تمہارے

تصوّر

تصوّر تخلص اور نام سید حیدر حسن خاں ہے۔ قصبہ پنکوڑا کا رہنے والا ہے۔ اس کا سلسلہ نسب امام زید شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے جرأت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

رونا کوئی موقوف کرے ہیں مری آنکھیں
جب تک نہ تسلی کو دل آئے جگر آئے

تصوّر گرم جوشی یار کی مجھ کو رلائے گی
بہت گرمی کا ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے

لے گئے یوں ترے کوچے سے تصوّر کو لوگ
جوں اٹھا دیں کسی بدمست کو میخانے سے

تعشق

تعشق تخلص اور نام میر سید محمد ہے۔ حکیم میر عزت اللہ خاں عشق سے شاگردی اور رشتہ داری کی نسبت ہے۔ اس نے درسی کتابیں قاعدے سے پڑھی ہیں۔ آج کل شاہ جہاں آباد کے ایک انگریزی مدرسے میں پڑھا رہا ہے۔ میں نے اس کو محفل تقریبات میں دیکھا ہے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ آج کل وہ شاعری میں دل چسپی نہیں لیتا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

سامنے دیکھو آتا ہے تعشق وہ کون
بارے کہہ اب تو ہوا خوش دل محزوں تیرا

تمکین

تمکین تخلص اور نام صلاح الدین ہے۔ اس نے بڑی آزاد زندگی گزاری ہے۔ لوگوں سے ملنا جلنا سخت ناپسند کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

عشق اور حسن کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

تمنّا

تمنّا تخلص اور نام محمد اسحاق خاں ہے۔ بہت عاشق مزاج بتایا جاتا ہے۔ اس کی نظریں اور تنی ابروئیں ہمیشہ سیاہ بالوں والی حسیناؤں کی تلاش میں کوشاں رہا کرتیں۔ اور در پردہ عاشقی کی ہوس بہت زیادہ تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ ہمیشہ بے رحم نازک اندام حسیناؤں کی صحبت میں رہے۔ اچانک ایک روز اپنی پرانی روش سے ہٹ کر راہ راست اور اعتدال پسندی پر آگیا جس کے لیے اطبا نے بھی اس میں نئی روح پھونکی اور انہی حالات میں اس نے اشعار کہے جو اس کی طبیعت کی صحیح عکاسی کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

اپنی تو یہ صورت ہے کہ جوں بلبل تصویر
پرواز کی طاقت نہیں اور پاس چمن ہے

جس کے غم میں ہم کبھی آرام سے واقف نہیں
کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

تنہا

تنہا تخلص اور نام محمد عیسیٰ ہے۔ اس کے اجداد شاہ جہاں آباد دہلی کے تھے لیکن اس نے لکھنؤ میں پرورش پائی۔ غلام ہمدانی مصحفی سے شاعری کا فن سیکھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

تم کہ بے وجہ تڑپتے نہیں بسمل تیرے
آب خنجر سے یہ رہ رہ کے مزا لیتے ہیں

ان دنوں چاک ہے پیراہن گل اے تنہا
ہم کوئی اپنے گریباں کو سلا سکتے ہیں

غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی دانائی تیری
میں ہوا رسوا تو کیا ہوگی نہ رسوائی تیری

حشر میں کس لیے ہم آہ بھٹکتے پھرتے
اپنا منہ ہم سے یہاں گر نہ چھپاتا کوئی

میں جو روٹھا تو منا کر مجھے وہ یوں بولا
کہئے کیا کرتے جو تم کو نہ مناتا کوئی

حرف الثاء المثلثہ

ثابت

ثابت تخلص اور نام مرزا معز الدین ہے۔ مرزا احسن بخت بہادر کا برادر خورد ہے۔ حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان سے شاعری کی تربیت حاصل کی ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

سحر ہونے کے دھڑکے سے ہمارا ہے بدن ٹھنڈا
کہ تیرا ہار موتی کا ہوا ہے سیم تن ٹھنڈا

میں کسی چشم مفتن کا ہوں مائل ثابت
کیونکہ محکوم مرا ابلق ایام نہ ہو

اس قدر او بے مروت مجھ سے استغنا تجھے
جان دینی تھی مجھے پر دل نہ دینا تھا تجھے

ثابت

ثابت تخلص اور نام اجابت خاں ہے۔ مرزا بھچو فدوی کے شاگردوں میں سے ہے۔ عظیم آباد کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

وقت مرنے کے مرے پاس وہ موجود ہوا
اپنے ہی جی کا زیاں اپنے تئیں سود ہوا

ثاقب

ثاقب تخلص اور نام شمس الدین ہے۔ پرانے بزرگوں میں سے ہے بہت بے نیازی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ شاہ مبارک آبرو کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

مرے ادب نے رکھا مجھ کو یہاں تلک محروم کہ بعد قتل بھی دامن تلک لہو نہ اڑا

ثروت

ثروت تخلص اور نام سید درویش علی نظر ہے۔ اس کے نام کے ساتھ ایسا تخلص مزا دیتا تھا۔ آدمی شوریدہ سر قسم کا تھا۔ اس کا ایک شعر یہاں لکھ دیا ہے:۔

قابل نہ تھے جفا کے اٹھانے کے ہم ذرا ثروت نباہ ہے یہ اس آفت پناہ کی

ثنا

ثنا تخلص اور نام میر شمس الدین عظیم آبادی ہے نسلی اعتبار سے کشمیر کا ہے۔ شاہ مشتاق طلب کا شاگرد بتایا جاتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے۔

چمن ہے خندہ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

حرف الجیم

جام

جام تخلص اور نام کنور سین ہے۔ بڈھولی (ضلع مظفر نگر، اتر پردیش) کا

رہنے والا ہے۔ غلام محی الدین کے فرزند۔ شرف الدین مضمون نے اس کو اپنا شاگرد لکھا ہے۔ یہ اس کا شعر ہے:۔

چڑھے ہے باد کے گھوڑے پہ گو موج ہوا لیکن
نہ دعویٰ کر سکے گلگوں سے تیری ہم عنانی کا

جاںؔ

جاںؔ تخلص اور نام جان علی ہے۔ جہان آباد کے لوگوں میں سے ہے نواب بیرم خاں مغفور سے رشتہ داری کی نسبت رکھتا ہے اور میر تقی میرؔ کے شاگردی کی۔ آزاد منشی سے زندگی گزار رہا ہے۔ یہ اس کا شعر ہے:۔

ذکر اس زلف کی درازی کا   صبح سے تا بشام ہوتا ہے

جاںؔنی

جاںؔنی تخلص اور نام بیگم جان ہے۔ بہو بیگم مشہور ہیں۔ نواب قمرالدین خاں مرحوم کی دختر اور نواب آصف الدولہ بہادر کی زوجہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس وقت سابق الذکر بیگم مختلف بیماریوں اور ان کی علتوں سے نڈھال تھیں تب ہمدم نام کا خواجہ سرا ان کی عیادت کو آیا۔ توفی البدیہ یہ مطلع کہا اور اس کو سنایا:۔

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جسم ناتواں کی
ہر رگ میں نیش غم ہے کہیئے کہاں کہاں کی

یہ شعر بھی اس کا ہے:۔

دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جاںؔنی
کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہیں ہے

جذب

جذب تخلص اور نام میر قدرت اللہ خاں ہے۔ میر بھکاری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے رشتہ دار بریلی میں رہتے ہیں۔ آدمی ادب لحاظ والا حلیم الطبع اور فطرت سلیم کا مالک تھا۔ رسمی علوم سے واقفیت رکھتا تھا ہر فن میں اس کا دخل تھا۔ عمر بہت کم پائی لیکن سیاحت کی غرض سے بہت سے شہروں کا سفر کیا کرتا تھا۔ ایسے ہی ایک سفر میں بخارا کے قریب سفر آخرت کے شوق نے اسے گھیر لیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

یہاں میری جان کی صفائی ہے		ہاں صفائی وخود نمائی ہے
ناک میں ان کی جان آئی ہے		جو کہ حلقہ بگوش نتھ کے ہیں

جراح

جراح تخلص اور نام غلام ناصر ہے۔ نسلی اعتبار سے کشمیر کا ہے۔ اس شہر (دہلی) میں ہی وہ عدم سے وجود میں آیا۔ اپنے پیشے کی مناسبت سے یہ تخلص اختیار کیا تھا۔ اور سچ بات یہ ہے کہ اس فن (جراحی) میں اس کو اچھی مہارت حاصل تھی کبھی کبھار میرے پاس آتا تھا۔ خوش مزاج شخص تھا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔ اس کا نام خیال میں آتے ہی اس کا یہ شعر از خود نوک قلم پر آ گیا ہے جو لکھا جا رہا ہے:۔

جراح ٹانکے دینے میں مت کر درنگ تو
اس واسطے کہ زخم مرے یار گرم ہے

جرأت

جرأت تخلص اور نام قلندر بخش ہے جس کا سلسلہ نسب جانباز محمد شاہی

تک جاتا ہے جس نے نادر شاہ کے جلادوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مردانگی سے اپنی جان دے دی تھی۔ فن موسیقی میں نکتہ داں ہونے کا دعوے دار تھا ستار اچھا بجاتا تھا، علم نجوم سے بھی قدرے آشنا تھا۔ زمانہ کا اچھا برا کم دیکھ پایا۔ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اچھے مبارک چہرے دیکھنے کی حسرت ہی تھی۔ مہ جبینوں اور نغمہ سرایوں کی صحبت میں رہتا تھا۔ ایک زمانہ تک مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے دسترخوان میں کامیابی سے شریک اور اس سے مستفیض رہا۔ وہیں پر انشا اور مصحفی سے مقابلہ بازی کیا کرتا اور (اکثر) اسی ردیف قافیہ میں غزل کہتا۔ آج اس کو فوت ہوئے بیس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ عاشق و معشوق کے درمیان جو کچھ گزرتا ہے اس پر مضامیں باندھتا، طبیعت میں رسائی تھی۔ اس کے شاگرد حسرت نے بھی ایک ضخیم دیوان انواع سخن سے مرتب کیا تھا۔ چونکہ وہ خود اس فن کی اصل اور قوانین سے واقف نہ تھا بہت بے سُری آواز میں نغمے گاتا۔ اس کی ڈھول جیسی بیٹھی ہوئی آواز دور دور تک جاتی۔ طبیعت کو ناگوار لگنے والی اوباش اور فحش زبان میں کلام کرتا۔ بہرحال اس کے دیوان میں چند اشعار اہل فن کے طرز و طریقہ جیسے نظر آئے قدرے دلچسپ اور جالب ہیں جن کا انتخاب کر کے یہاں لکھا جا رہا ہے :۔

محمد ہے نبی ممدوح ذات کبریائی کا	کہے بندہ گر اس کی مدح دعوا ہے خدائی کا
رتبہ گل بازی کا دلا کاش تو پاتا	ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
سنیو شوخی کہ یہ کہتا ہے وہ قاصد سے مرے	نامہ بر ابھی وہاں جانے میں تاخیر لگا
جرأت انبوہ ہو در کا اگر بعد فنا	دیجو اس کی مرے تابوت پہ تصویر لگا
ناتوانی سے نہ پایا جب مجھے صیاد نے	بول اٹھا ہے قفس کا کس طرح در کھل گیا
لگاؤں چھاتی سے جرأت نہ کیونکہ اس کو کہ یہ	وہ ہاتھ ہے کہ کسی کے گلے کا ہار رہا
در تک اب چھوڑ دیا گھر سے نکل کر آنا	یا وہ راتوں کو سدا بھیس بدل کر آنا

کلہ بھرے ترا جسے دیکھے تو بھر نظر
کافر اثر ہے یہ تری کافر نگاہ کا

چھپکے اجل سے کیونکہ مری آنکھ وقت نزع
بسمل ہوا ہوں میں کسی بانکی نگاہ کا

نہ آنے کی جب میں سنانے لگا
وہ آئینہ مجھ کو دکھانے لگا

کون دیکھے گا بھلا اس میں ہے رسوائی کیا
خواب میں آنے کی بھی تم نے قسم کھائی کیا

تماشے کو نکل آتا ہے وہ رشک پری گھر سے
مزا دکھلا رہا ہے ان دنوں دیوانہ پن اپنا

روٹھے سو بار کیے ہم نے سفر بھی اکثر
پر گلے ہم سے کبھی آکے نہ دلدار ملا

کاش یوسف کی میں اس کو نہ دکھاتا تصویر
اب ہوا اور بھی دعوا اسے یکتائی کا

سن کے میں عزم سفر مر ہی گیا
تم تو گھر سے گئے یہاں گھر ہی گیا

تھا یہی دھڑکا خدا جانے کہ کیا لائے پیام
جا کے وہاں سے جو نہ آیا نامہ بر اچھا ہوا

فکر کچھ میرے قلق کا کیجے
نہیں پھر آپ بھی گھبرایئے گا

ناصحو آپ میں جرأت نہ رہا
اب سمجھ کر اسے سمجھایئے گا

بلائیں ہاتھوں نے مری جو لیں تمہاری رات
بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

جرأت میں پوچھتا ہوں کہ یہ اضطراب دل
جائے نہ وصل میں بھی تو پھر اس کا کیا علاج

دور سے کل ہم نے اس کے آستاں کو دیکھ کر
رو دیا کن حسرتوں سے آسماں کو دیکھ کر

ہر دم کی اٹھا کون سکے رنجش بے جا
اس واسطے پھر پھر کے یہ غصہ ہے ہمیں پر

حیران ہوں ہیں یہ کون ہے جو عین وصل میں
کہتے ہو تم کو چل بے اسی کو تو پیار کر

وہاں ہے یہ بدگمانی جائے حجاب کیونکر
دو دن کے واسطے ہو کوئی خراب کیونکر

دور سے دیکھ نہیں سکتے ہیں جرأت اور ہائے
جی یہ چاہے ہے کہ دن رات رہیں یار کے پاس

عید قرباں کو بھی دے گھر سے ہمیں یار نکال
جی میں آتا ہے گلا کاٹئے تلوار نکال

روز کہتے ہیں وہ آئے تو کہیں غم جرأت
جب وہ آتا ہے تو اس وقت نہیں ہوتے ہم

نہ دیکھا جو نصیبوں میں ہے تو وصل میں بھی
اٹھا کے آنکھ نہیں دیکھنے حجاب سے ہم

اپنے پہلو سے وہ جب اٹھ کے چلا اے جرأت
اس کا منہ دیکھ کے بس رہ گئے مجبور سے ہم

حیران مجھے دیکھ کے بولا وہ ہنسی سے
ہے آج تو جرأت پہ بھی تصویر کا عالم

کل واقف کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

کیا جانیے کم بخت نے کیا ہم یہ کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

ضبط وحشت ہے تجھے اے دل دیوانہ ضرور
اتنا آنا بھی نہ وہ چھوڑ دے جھنجھلا کے کہیں

گو وہ نہ بوسہ دیوے لیکن اس آرزو میں
کس کس مزے کی باتیں اپنی زبان پر ہیں

تپش سے اس کی اب اعضا تمام جلتے ہیں
جو ہم سے دل کوئی بدلے تو ہم بدلتے ہیں

زبسکہ مرتے ہیں ایک سبز رنگ پہ جرأت
یہ شعر کہتے نہیں زہر ہم اُگلتے ہیں

دم بدم دیکھ ہم کو روتا ہے
مارے ڈالے ہے ہم نشیں تو ہمیں

کوچہ جاناں سے جاتے ہیں پہ جا سکتے نہیں
گو اٹھاتے ہیں قدم پر دل اٹھا سکتے ہیں

جی میں سو بار آئے ہے جرأت نہ ملیے یار سے
پر سمجھ کر دل میں کچھ سوگند کھا سکتے نہیں

میری بیتابی سے محفل میں یہ دھڑکا ہے اسے
اٹھ کے ہونے نہ لگے یہ مرے قرباں کہیں

قدم میں ناتواں جب اس کے کوچے سے اٹھاتا ہوں
تو شکل نقش پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

برنگ مہر ہے گردش ہی ہم کو سارے دن
جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن

وصل میں جس کے نہ تھا چین سو جرأت افسوس
وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی مجھ کو

کام رونے سے ہے یہاں اس کو خبر ہو کہ نہ ہو
گریہ جوں ابر ہے خلقت میں اثر ہو کہ نہ ہو

کھل گیا اپنا جو نوشتہ تھا
دور سے شکل نامہ بر کو دیکھ

عیاری تو دیکھو نہ ملانے کے لئے آنکھ
دیوانہ کیا ہے ہمیں مشہور کسی نے

کچھ لگاوٹ کا سبب اور نہیں پر جرأت
یہ وہ چاہے ہے کہ اس کو بھی لگائے رکھیے

جتاؤں درد محبت تو کس ادا سے کہے
کرو نہ مجھ سے یہ باتیں دوانہ پن کی سی

مالوف جس سے طبع ہے یارب حبیب کی
ہو جائے کاش شکل مری اس رقیب کی

روداد اس سے کہیے تو منہ پھیر مسکرا
کیا چپکے سے کہے ہے وہ شامت نصیب کی

جرأت اب بند ہے تنخواہ تو کہتے ہیں ہم
کہ خدا دیوے نہ جب تک تو سلیماں کر دے

اجل گر اپنی خیال جمال یار میں آئے
تو پھر بجائے فرشتہ پری مزار میں آئے

وعدے پر آیا نہ وہ اور میں رہا جیتا آہ
اس سے شرماتا ہوں میں اور مجھ سے وہ شرمائے ہے

جواب نامہ کی کیا پوچھتے ہو وہاں سے پھر آکر — بمنت مصلحت دیتا ہے قاصد باز آنے کی
دم آخر نہ پوچھو وضع اس بدظن کے آنے کی — کہ آکر نعش پر کہنے لگا خوبی بہانے کی
دلِ وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی — دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی
غم سے گھٹنا یہ مرا سب میں بڑھاتا ہے اسے — جو مجھے دیکھے ہے سو دیکھنے جاتا ہے اسے
گھر کو جاتا ہے ترے کوچے سے جرأت تو یوں — جائے ہے جیسے کہ رستا نہیں آتا ہے اسے
لیکے دل کہتے ہو ملنے میں ہے رسوائی آہ — آپ ہشیار بنے مجھ کو دوانہ کر کے
وہ نہ آئے تو یہ ہو جائے غلط — کہ بن آئے نہیں مرتا کوئی
کھڑا تھا بام پر وہ نظر میں نے جو اوپر کی — نظر آنے لگی گویا مجھے پتلی سکندر کی
اس پردہ نشیں سے کوئی کس شکل بر آئے — جو خواب میں بھی آئے تو منہ ڈھانک کر آئے
گزرے ہے جب اس کے لب و دنداں کا تصور — نچلے نہیں رہتے لب و دندان ہمارے
ناصح میں اور ہم میں بھی ہے طرفہ صحبت آہ — ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے
قاتل نہ مجھ سے موڑیو منہ وقت قتل تو — ٹک شرم کیجیو مری گردن جھکائی کی
یہ تو میں کیونکہ کہوں کچھ نہیں بھاتا مجھ کو — کچھ تو بھایا ہے کہ اب کچھ نہیں بھاتا ہے مجھے
زخم تازی کی طرح چرخ کہن اے جرأت — ٹک ہنساتا ہے تو پھر خوب رلاتا ہے مجھے
یاد اس سے بدے ہم نے بمنت کئی بوسے — ہارے بھی تو کیا ہار مزے دار نکالی
چھوڑ اپنے گرفتاروں کو صیاد سمجھ کر — جاتی نہ رہے جان رہائی میں کسی کی
کیا صلح کو جی چاہنے لگتا ہے وہیں بس — لڑ جائے ہے جب آنکھ لڑائی میں کسی کی
یاد جب آتا ہے یہ کہنا تو اڑ جاتی ہے نیند — اپنی ہٹ تو رکھ چکے لو اب تو ہٹ کر سو رہیے
پوچھا یہاں تلک کہ ہوا تنگ نامہ بر — لذت ملی جو یار کے پیغام سے مجھے
جی خاک میں ملایا تمہارے ملاپ نے — اچھا غرض سلوک کیا ہم سے آپ نے

آج بھی اس کے جو آنے کی نہ ٹھہرے گی تو بس
ہم وہ کر بیٹھیں گے جی میں جو ہیں ٹھہرائے ہوئے

جعفری

جعفری تخلص اور نام میر باقر علی ہے۔ میر قمرالدین منت کا بیٹا ہے اور میر نظام الدین ممنون کا چھوٹا بھائی ہے اور انھیں سے تربیت پائی ہے۔ پچھلے سال سفر حجاز سے واپسی پر انتقال کر گیا۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

آرام وعدہ کی شب ایک دم کبھو نہ آیا ۔۔۔ آیا نہ چین دل کو جب تک کہ تو نہ آیا
تیغ یوں دل میں خیالِ نگہ یار نہ کھینچ ۔۔۔ ناخدا ترس تو کعبہ میں تو تلوار نہ کھینچ

جلال

جلال تخلص ہے۔ ایک شخص فیض آباد کا رہنے والا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا کچھ حال سننے میں نہیں آیا۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

تنگ احوال ہے اب تو ترے شیدائی کا ۔۔۔ آکے ٹک دیکھ تماشا تو تماشائی کا
قتل کرتے تھے دو عالم کو بیک چشم زدن ۔۔۔ چشم بد دور وہ اب باندھنے ہتھیار لگے
کیا ہوا میں نے جو ٹک جانب ابرو دیکھا ۔۔۔ اتنی بس بات پہ تم کھینچنے تلوار لگے

جنون

جنون تخلص اور نام مرزا نجف علی خاں ہے۔ مرزا محمد علی خاں المتخلص دیوانہ کا بیٹا ہے۔ باپ اور بیٹا دونوں بنارس کے رہنے والے ہیں۔ اس کا باپ مرزا محمد علی خاں دہلی آنے کے بعد سر رشتہ دار مامور ہوا۔ مجھ سے کئی مرتبہ روبرو ملاقات ہوئی ہے۔ تحصیلداری اور سر رشتہ داری کے سلسلہ میں۔ انگریزی سرکار کے اعلیٰ عہدوں پر مثلاً تحصیلداری اور سر رشتہ داری وغیرہ پر زیادہ تر فائز رہا ہے۔ آج کل نہ معلوم کہاں مقیم ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

اپنے چہرے سے مت نقاب اُلٹ ۔۔۔ دیکھ جاوے گا آفتاب اُلٹ

دل کو شاید کوئی ستاتا ہے　　　قاصدِ اشک تیز آتا ہے

جنوںؔ

جنوںؔ تخلص اور نام فخرالاسلام ہے۔ پرانے ترک خاندان کا فرد ہے۔ دہلی کے گنے چنے بزرگوں کے زمرے کا ہے۔ ممنون کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

اٹھی جو شرم تو دونوں ہی دل ملے نکلے　　　بجز احباب یہاں نہ فاصلے نکلے

جنوںؔ

جنوںؔ تخلص اور نام شاہ غلام مرتضٰے ہے۔ الہ آباد کے برگزیدہ لوگوں میں سے ہے۔ متقی پرہیزگار ہے۔ منتخب و مشہور عارف ہے۔ شاعری سے بھی تھوڑی بہت رغبت رکھتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا
کہ مے دوآتشہ طاق پر جو دھری تھی وہ وہیں دھری رہی

جوہرؔ

جوہرؔ تخلص اور نام مرزا احمد علی ہے۔ قزلباش خاندان کا ایک شخص ہے اس کا یہ ایک مطلع لکھا جا رہا ہے :-

آتش زدہ چمن ہو یا برق آشیاں ہو　　　اے مرغ نالہ کچھ ہو ایک شب تو پرفشاں ہو

جوششؔ

جوششؔ تخلص اور نام محمد عابد ہے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کو جسونت ناگر عظیم آبادی کے آدمیوں میں شمار کیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

چوں آئینہ یہ ستم رسیدہ — رہتا ہے مدام آبدیدہ
تمہارے در پہ جو درباں نے آستیں پکڑی — برنگ نقش قدم ہم نے بھی زمیں پکڑی

جوشش

جوشش تخلص اور نام شیخ محمد روشن ہے۔ عظیم آباد کے نئے شاعروں میں ہے صاف شعر کہتا ہے۔

وہ زمانہ کیا ہوا جو مری گریہ میں تھا — یہی چشم خوں فشاں تھی یہی دل یہی جگر تھا
گر یوں ہی یہ دل درپے آزار رہے گا — ایک روز نہ ایک روز مجھے مار رہے گا

اس کے اشعار ہیں :۔

وہ زمانہ کیا ہوا جو مرے گریہ میں اثر تھا — یہی چشم خوں فشاں تھی یہی دل یہی جگر تھا
گر یوں ہی یہ دل درپئے آزار رہے گا — اک روز نہ ایک روز مجھے مار رہے گا
جیسا کہ دل پہ زخم ہے اس کے خدنگ کا — گلشن میں ایک گل نہیں اس آب و رنگ کا
اس کا خدنگ داغ جگر سے گزر گیا — اک تیر تھا کہ صاف سپر سے گزر گیا
دیکھ کر ایک ستم تیری جفا کاری کا — کوہ کن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا
اس کی آنکھوں کو دیکھیں اے جوشش — منہ تو دیکھو شراب خواروں کا
جز چشم بتاں میکدۂ دہر میں جوشش — ہم نے تو کسی مست کو ہشیار نہ پایا
اس کی رنجش کا تجھے خوف عبث ہے جوشش — ہو چکا ہے وہ اسی طرح سے سو بار خفا
یار کو قاصد مرے جا کے اگر دیکھنا — میری طرف سے بھی تو ایک نظر دیکھنا
کل جو اسے دیکھ کر ہو گئے ہم بے خبر — ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا
قیس پھرتا جو رہا دشت میں دیوانہ تھا — اس کو لیلیٰ ہی کے دروازے پہ مر جانا تھا
مدعی سمجھوں ہوں جن جن کو میں اب تیرے لیے — دوست اپنے ہی تھے سب کیا کوئی بیگانہ تھا
مزا دکھاؤں تجھے تیری بے وفائی کا — اگر نہ ہووے مجھے پاس آشنائی کا
حیراں ہوں کس طرح ہے وہ انساں میں جلوہ گر — جلوے سے اس کے طور تو جل خاک ہو گیا

ہماری آہ کے صدمے نہیں اٹھانے کا — یہ چرخ بام کہن ہے کسی زمانے کا

نہ پھولتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں — چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نہ جام کی صورت — رہی زیر فلک پھر کون سے آرام کی صورت

چھپاتے ہیں سبھی صیاد دام اور یہ مرا نو خط — دلوں کو صید کرتا ہے دکھا کر دام کی صورت

ہمیں تو رونے نے آخر یہ رنگ دکھلایا — سفید ہوگئیں آنکھیں ہوا گریباں سرخ

رونے کے لیے ہوں آفریدہ — ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر

ہمارے حال پہ اس کو نظر نہیں ہرگز — کسی کے دل کی کسی کو خبر نہیں ہرگز

دیکھیے ہم ہیں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے — لوہو کی پیاسی ہیں وہ تشنۂ دیدار ہیں ہم

دود کی طرح میں دل سوختہ جاتا ہوں جدھر — اپنے احوال پہ عالم کو رلا جاتا ہوں

عمر عزیز گزری ہے رنج و ملال میں — عاشق کہاں ہوئے کہ پڑے اک زوال میں

نے ڈر عسس کا ہے ہمیں نے خوف محتسب — رہتے ہیں مست شام و سحر اپنے حال میں

کریں ہیں جور کا تیرے ہی شکوہ یار آپس میں — جہاں مل بیٹھتے ہیں آشنا دو چار آپس میں

آج ہے عزم شکار اس کا یہ معلوم نہیں — خوف سے مر گئے یا صید حرم جیتے ہیں

بے کسی سے یہی گلہ ہے مجھے — تھام لیتی ہے دست قاتل کو

راغب نہیں طبیعت گر جور رو برو ہو — اپنی یہ آرزو ہے دنیا ہو اور تو ہو

توانائی تو کر بیٹھی جدا آغوش سے مجھ کو — کرامت دیجیو اے ناتوانی دوش سے مجھ کو

دمبدم بزم میں کاہیدہ ہوئی جاتی ہے — لگ گئی شمع کو شاید نظر پروانہ

جی میں جس وقت کہ مضمون کمر آتا ہے — بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

شبنم کی طرح سامنے اس آفتاب کے — ہونے کو تو ہوئے تھے ولیکن نہ ہو سکے

جوشؔ

جوشؔ تخلص اور نام رحیم اللہ ہے۔ دہلی کے بازاری لوگوں میں سے تھا فقیروں کی طرح مجمع اکٹھا کر کے اشعار پڑھا کرتا تھا۔ خود کو مصحفی کا شاگرد کہتا تھا

یہ اشعار اس کے ہیں :-

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا　　بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا
دریا میری آنکھوں سے ایک جاری لہو کا ہے　　بیدرد تو کیا جانے کیا حال کسو کا ہے

جوآن

جوآن تخلص اور نام مرزا نعیم بیگ جہان آبادی ہے۔ وہ مرشد زادہ والا تبار مرزا سلیمان شکوہ بہادر کا رشتہ دار ہے۔ آج اس کو اس دار فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف روانہ ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

پہلو میں دل اپنے کو بھی غم خوار نہ پایا　　یہ خوبیٔ قسمت کہ کوئی یار نہ پایا
از بسکہ ہوئی گرمیٔ خورشید قیامت　　کوچہ میں ترے سایۂ دیوار نہ پایا
ظلم و ستم و جور سبھی ہم نے اٹھائے　　جب اور کوئی تجھ سا خریدار نہ پایا
دیوار و در کی چھاتی سوراخ ہو گئی ہے　　کیا روزنوں سے اس نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
کسی کو اپنی سفارش کے واسطے اس پاس　　جو لے کے جاؤں تو وہ اس کا آشنا نکلے
جیتا کہیں پھرتا ہے کوئی اس کی گلی سے　　مجھ تک مرے دلدار کی کیونکر خبر آوے

جولآں

جولآں تخلص اور نام میر بہار علی ہے۔ اسی شہر (دہلی) کا ہے۔ اپنے زمانے کا مشہور تیرانداز رہا ہے۔ اس کا شعر ہے :-

کنج قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے　　اے ہم صفیرو چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

جولآں

جولآں تخلص اور نام میر حسن علی خاں ہے۔ دکن کا رہنے والا ہے۔ یہ

شعر اس کا ہے:- اب ایسے جام میں ساقی شراب ارغوانی بھر
کہ جس کو دیکھ کر زاہد کے منہ میں آئے پانی بھر

جہانگیر

جہانگیر تخلص اور نام جہانگیر بیگ ہے۔ باشندہ دراصل دہلی کا ہے۔ برسوں لکھنؤ میں رہا۔ دماغ میں کچھ فتور آگیا تھا۔ تلواریں کھائیں اور زخم برداشت کیے۔ آخر عمر میں وطن واپس آیا۔ اور مالیخولیا میں مبتلا ہو گیا۔ ایک دن وعظ کے دوران میں مولانا عبدالعزیز میر شاہ علی کو جن کا درویش تخلص تھا، زخمی کر دیا۔ نتیجہ میں قید خانے میں بند کر دیا گیا اور قید خانے میں ہی موت کے خنجر نے اس کو شہید کیا۔ یہ شعر اس کا ہے:-

وہ کافر میرا درد کیا جانتا ہے　　جو گزرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

جہاندار

جہاندار تخلص ہے۔ ایک عالم کے ہادی ....

مرزا جہاں دار شاہ نام ہے اور مرزا جواں بخت بہادر کے نام سے معروف ہے۔ حضرت شاہ عالم بادشاہ کا ولی عہد ہے۔ فہم و فراست اور عقل و دانش میں امتیاز رکھتا ہے حق یہ ہے کہ ممتاز خوبیوں کی یک جہتی سے وہ ایک افسانہ بن گیا ہے۔ یہاں سے وہ لکھنؤ کی جانب گیا اور وہاں سے بنارس چلا گیا۔ سن ۱۲۰۱ھ میں اسی مقام پر معبود حقیقی سے جا ملا۔ اس کے سفر اور قیام کی داستان طویل ہے کہ جو اس مختصر مقالہ میں سما نہ پائے گی

یہ اشعار اس کے ہیں:-

مر کس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا　　آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا
ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سراپا دینا　　تیرے کوچے میں جو اے شوخ قدم رکھتے ہیں

آخر گِل اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی
پہنچے وہاں ہے خاک جہاں کا خمیر ہو

کون سی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی
پر جفا جو تری ناحق کی لڑائی نہ گئی

جھمن

جھمن تخلص اور نام جھمن ناتھ ہے۔ دہلی کا باشندہ ہے۔ فکر میں تازگی ہے اور کہنہ مشق شاعر ہے۔ اس کا شعر ہے :۔

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا
ایک آہ کھینچتے ہی مرا دم نکل گیا

جینا بیگم

جینا بیگم اس کا احوال اس کی خوبصورتی کے مانند پردہ میں پوشیدہ رہا اور (شاید) یہی اس کے کمال کا تقاضا بھی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

یہ کس کے آتشِ غم نے جگر جلایا ہے
کہ تا فلک مرے شعلے نے سر اٹھایا ہے

حرف الحاء المہملہ

حاتم

حاتم تخلص اور نام شیخ ظہور الدین ہے۔ شاہ حاتم کے نام سے معروف ہے۔ قدیم طرز کے شاعروں میں نیا اور تازہ خیال شاعر ہے۔ جوانی کے دنوں میں سپاہی پیشہ تھا لیکن بعد میں دنیا سے بے نیاز ہو کر جہان آباد میں بڑی آزادی سے زندگی گزارنے لگا۔ بیشتر شاعروں نے اس سے استفادہ کیا جن میں مرزا رفیع سودا بھی شامل ہے۔ شروع میں اس کی شاعری کا

انداز وؔلی وغیرہ جیسے قدیم شعرا کے مانند تھا لیکن چونکہ بعد کے شعرا کی طرز بہت مشہور و معروف ہوئی چنانچہ اس نے بھی اپنے دوسرے دیوان کی بنیادیں اسی طرز پر رکھیں۔ زندگی بھر اسی شہر میں مقیم رہا اور یہیں پر زندگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

اس قدر کی صرف تسخیر پری دیاں میں عمر
رفتہ رفتہ نام میرا اب پری خواں ہو گیا

ہجر کی زندگی سے مرگ بھلی
کہ جہاں سب کہیں وصال نہ ہو

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں
دور ہو پہلو سے صحبت کے مرے قابل نہیں

تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو
اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

مفلسی اور دماغ اے حاؔتم
کیا قیامت کرے جو دولت ہو

کرے ہیں قمریاں تعریف سرو اور ہم ترے قد کی
جو تو آوے چمن میں تو ہمارا بول بالا ہو

آتا ہے اب نشے کی طرف جی کبھو کبھو
ساقی نگاہ مست ادھر بھی کبھو کبھو

پیری میں آج یار مرا ہمکنار ہے
ساقی شتاب آ کہ خزاں میں بہار ہے

بے خود اس دور میں ہیں سب حاؔتم
ان دنوں کیا شراب سستی ہے

دیکھ جراح تیرے مرہم کو
میرے سینے کا داغ ہنستا ہے

وہ وحشی اس قدر بھڑکا ہے صورت سے مری یارو
کہ اپنے دیکھ سائے کو مجھے ہمراہ جانے ہے

حاؔفظ

حاؔفظ تخلص اور نام محمد اشرف ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ موسیقی کے فن میں خود کو یکتا جانتا ہے۔ اس کا کوئی ممتاز شعر دستیاب نہیں ہے مجبوراً یہ شعر لکھا جا رہا ہے :۔

ابر میں مہ کی طرح زلف کے پردے میں آہ
تو نے گو منہ کو چھپایا مجھے معلوم ہوا

حالی

حالی تخلص اور نام میر محب علی ہے۔ مرشد آباد کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

عوض میں بوسے کے دی ہے گالی سوال دیگر جواب دیگر
یہ طرز تو نے نئی نکالی سوال دیگر جواب دیگر

حبیب

حبیب تخلص ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کا وطن مراد آباد ہے لیکن اس کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ اس کا شعر ہے:-

خانہ ویرانی مری گرچہ کی اس نے حبیب　　پر خدا حشر تک آباد رکھے خانۂ دل

حجّام

حجّام تخلص اور نام عنایت اللہ عرف کلّو ہے۔ سہارنپور کا رہنے والا ہے حجامی کے پیشے کو مجازاً موتراش کہتے ہیں۔ وہ اسی (پیشہ) سے معاش حاصل کرتا ہے۔ خود کو مرزا رفیع سودا کا شاگرد کہتا اور اس پر فخر کا اظہار بھی کرتا ہے مولانا فخرالدین علیہ الرحمہ کا مرید تھا اور ان کے افکار سے اپنے دل کو سیراب کرتا۔ اس کے چند اشعار یہاں لکھے جا رہے ہیں:-

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوبوں کے　　بہتر اس شغل سے حجّام ہنر کیا ہوگا
جینا نظر اپنا تو ستم گر نہیں آتا　　بے وصل ترے سو یہ میسر نہیں آتا
خط آنے سے بھی اپنی رسائی نہیں ہے وہاں　　حجّام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں
دیکھ عاشق کی ترے رسوائیاں　　عشق کی لوگوں نے قسمیں کھائیاں
اک روز نصیبوں سے کہیں وہاں تئیں پہنچے　　پھر سر ہے مرا اور در و دیوار تمہارے

ہے جی میں کہ اک روز میں ان آنکھوں سے پوچھوں
بچتے نہیں کس واسطے بیمار تمہارے

اس کاوش مژگاں کا گلہ مجھ سے عبث ہے
اے آنکھو یہ بوئے ہوئے ہیں خار تمہارے

مثال ناقہ لیلی کی ایک دو گام غلط
خدا کرے کہ ادھر بھی ترا سمند کرے

حزیں

حزیں تخلص ہے۔ اس کے بارے میں اتنی ہی اطلاع ہے کہ اس تخلص کا ایک شخص فردوس آرامگاہ محمد شاہ کے زمانہ میں گزرا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

ویراں ہوا خزاں سے چمن یہاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

حسرت

حسرت تخلص اور نام جعفر علی ہے۔ ابو الخیر کا بیٹا ہے اور لکھنؤ کا رہنے والا۔ اس کے بزرگ عطار پیشہ تھے۔ یہ بھی عرصہ تک اسی پیشے میں مصروف رہا لیکن بعد اصل پیشہ پر قناعت نہ کی اور مرزا جہاندار شاہ مرحوم کے یہاں منتسب مقرر ہوا لیکن اس کی بلند ہمت کی ملازمت سے نہیں نبھی اور دنیا کے پست و بلند اور زمانہ کے نشیب و فراز کو ترک کرکے گوشۂ عافیت میں پناہ لے لی۔ شاعری میں سرب سنگھ دیوآنہ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گیا عبارت کی سلاست اور فکر کی سلامت روی میں مشہور و معروف شاعر قلندر بخش جرأت اس کے شاگردوں میں سے ہے حالانکہ وہ اپنے استاد سے بڑھ گیا۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

گیا دل سو گیا رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا
اگر رو رو کے دل کھو دیں تو دل پیدا نہیں ہوتا

آشیاں چھوڑ چلے اے چمن آرا ہم تو
تو ہی لیجائیو سر پر یہ گلستان اٹھا

درس تھا مکتب میں مجھ کو آہ کا
یہ سبق تھا پہلی بسم اللہ کا

ہے غبار آلودہ یہاں تک اشک اس غمناک کا
دشت مژگاں میں سدا رہتا ہے سبحہ خاک کا

کل کون سے تھے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ
یعنی کہ نوبت آوے سخن کی قسم تلک

لیکن سمجھ کے بات کو اس اُڑا دیا
پہنچلتے ورنہ ہاتھ ہم اس کے قدم تلک

ساقی مے دے کہ اہل مجلس
پانی پانی پکارتے ہیں

کسے منظور تھا یوں تلخ کیجے زندگانی کو
وے کیا کیجئے حسرت بلائے ناگہانی کو

نازک دلوں کے زخم کو مرہم کبھو نہ ہو
پیراہن حباب پھٹے تو رفو نہ ہو

کس کا ہے جگر کس پہ یہ بیداد کروگے
لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے

بزم میں بیٹھے تھے کل جتنے پریرو سے
دیکھ کر اس کو لگے لینے بلائیں دو سے

مجھ کو تجھ سے خدا جدا نہ کرے
میں ہوں تجھ سے جدا خدا نہ کرے

فسانہ وصل کا جس سے دل بیتاب کہتا ہے
وہ کہتا ہے کہ افسانہ نہیں یہ خواب کہتا ہے

یہ بھی ایک ستم تھی کہ خواب میں مجھے شکل آکے دکھا گئے
کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اسی طرح سے جگا گئے

حسرت

حسرت تخلص اور نام ذوقی رام ہے۔ اصل کے لحاظ سے جہان آباد (دہلی) کا رہنے والا ہے لیکن فرخ آباد میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا شعر ہے۔

برنگ آبلہ اے وائے یہ کیا زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتا ہوں اسی کو سرگرانی ہے

محولہ بالا شعر جعفر علی حسرت کے نام سے بھی لکھا گیا ہے۔

حسرت

حسرت تخلص اور نام ہیبت علی خاں ہے۔ عظیم آباد کا رہنے والا ہے

شاعری کی تربیت مرزا مظہر سے حاصل کی۔ اس کا شعر ہے :۔

فرہاد سے ہمسری کرے کون　　سر کس کا پھرا ہے یوں مرے کون

حسن

حسن تخلص اور نام سید غلام حسن ہے۔ میر غلام حسین المتخلص ضاحک کا بیٹا ہے جن کے بارے میں مرزا رفیع سودا نے رکیک ہجویں نظم کی تھیں۔ نسلاً ہرات کا رہنے والا ہے لیکن دہلی میں پیدا ہوا۔ اوائل شباب میں مشرق کی جانب ...... روانہ ہو گیا تھا اور وہیں فیض آباد میں نواب سردار جنگ خلف نواب سالار جنگ بہادر کے فیض کے دسترخوان سے مستفید اور کامیاب ہوا۔ میر ضیاء الدین ضیا کے شاگردوں میں سے ہے۔ سلیم الطبع اور سالم فکر رکھنے والا شخص ہے۔ اس کو جملہ اصناف سخن پر مکمل قدرت حاصل تھی خاص طور سے مثنوی بہت اچھی کہتا۔ اس کی مثنوی "سحر البیان" نے جس کو "بدر منیر" کہتے ہیں، بہت شہرت پائی۔ شاعری کی بعض لغزشوں سے قطع نظر اور عوامی محاورے کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو کچھ ایسی بُری نہیں کہی ہے بلکہ کما حقہ بلاغت کا حق ادا کرتی ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں :۔

گر کیجے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا　　تو چاہیے خامہ بھی اسی ایک زباں کا

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد　　ظاہر کا یہ پردا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تا اشارے کو سمجھنے نہ لگے غیر کے وہ　　میں نے اس ڈر سے کبھی اس کو اشارہ نہ کیا

چھوڑ دے کوئی کسی کے لیے کس طرح سے کچھ　　ہم نے منت میں تری کون و مکاں چھوڑ دیا

بے وجہ تو نہیں یہ حسن اس گلی میں روز　　جا جا کے بات کرنی ہر ایک سے پکار کر

میں حشر کو کیا ڈروں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے　　برپا ہوئی اک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں　　پاؤں دیوانے نے پھیلائے ہیں صحرا دیکھ کر

دروازہ گو کھلا ہے اجابت کا پر حسن　　ہم کس کس آرزو کو خدا سے طلب کریں

جو کوئی آوے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں

اس کی جب بزم سے ہم ہو کے تنگ آتے ہیں
اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

کہتا ہے تو کہ تجھ سے میں ہی نباہتا ہوں
تو ہی کہیں ہو سچا میں یہ ہی چاہتا ہوں

روٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسن
یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر
جی میں ہے آج جی بھی کھو آؤں

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو

تیرے ہم نام کو جب کوئی پکارے ہے کہیں
جی دھڑک جاتا ہے میرا کہ کہیں تو ہی نہیں

دی تھی یہ دعا کس نے مرے دل کو الٰہی
اجڑے یہ گھر ایسا کہ پھر آباد نہ ہووے

پھر پھر آئینے کو وہ دیکھنے لگتا ہے حسن
ایک دم آپ میں وہ شوخ جو پاتا ہے مجھے

شب وصل صنم ہے آج اے ہمدم کسی ڈھب سے
گریبانِ سحر کو ٹانک رکھنا دامن شب سے

پڑی رات داد و ستد کچھ عجب
جو بوسے کو اس شوخ سے جا اڑے

لگاتے ہی لب لب سے بس جی دیا
حسن اور لینے کے دینے پڑے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی
پر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی

ساتھ دیکھوں ہوں کسی کے جو کسی دلبر کو
میں بھی جی رکھتا ہوں مجھ کو بھی ہوس آتی ہے

آ جا کہیں شتاب کہ مانند نقش پا
تکتے ہیں راہ تیری سر راہ میں پڑے

حسن

حسن تخلص اور نام خواجہ حسن ہے۔ خواجہ ابراہیم کا بیٹا ہے اور خواجہ غیاث الدین مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسوں میں سے ہے۔ اس کے بزرگوں کو نگاہ میں رکھا جائے تو تصوف اس کو ورثہ میں ملا ہے اور یہ اس سے بخوبی آگاہی رکھتا ہے۔ اس کو موسیقی میں اچھا سلیقہ اور دخل ہے

مزاج میں شوریدگی ہے مگر دردمند دل کا مالک ہے۔ خوش نصیب اور خوش طالع شخص ہے۔ شاعری کی اصناف میں جعفر علی حسرت کے شاگردوں میں سے ہے۔ خواجہ تاشی کے سبب قلندر بخش جرأت کے ساتھ عمدہ روابط اور یگانگت کا رشتہ رکھتا ہے۔ لکھنؤ میں بخشی نام کی ایک بازاری عورت سے اس کو عشق ہو گیا اور اس کے نام کو اپنی غزل کے مقطعوں میں کسی نہ کسی طریقہ سے لے آتا۔ درویشانہ طریقہ سے زندگی بسر کرتا ہے یہ اشعار اس کے ہیں :-

امڈ کے آنکھوں سے یک بار یہ چلے آنسو ہنسی ہنسی میں جو ذکر وداع یار ہوا
وقت نظارہ نہ رو کہتے تھے اے چشم تجھے شدت گریہ سے لے خاک نہ سوجھا دیکھا
کیا قتل اور جان بخشی بھی کی حسن اس نے احسان دوبارا کیا
وہ تو آیا تھا تماشے کو میری نزع کے پر ہم نے اس وقت میں بھی اس کا تماشا دیکھا
وقتِ وداع یار دل بے قرار نے یہ آہ کی کہ عرش معلّی ہلا دیا

دل دلاسوں سے کرے ہے بے قراری بیش تر
خانۂ ماتم میں ہو پرسے سے زاری بیش تر

ہمیں آرام زیر خاک بھی کیا خاک ہووے گا
لیے پہلو میں یہ ایسا دل پر شور جاتے ہیں

بھلا میں دوانہ سہی پر یہ ناصح مرے ساتھ بکتا ہے عاقل کو دیکھو
آہ کس کس بے وفائی کا تری کیجے شمار اور تو سب یک طرف منہ بھی دکھانے سے رہے
اس نے کس کس طرح ٹالا ہم کو اپنے در سے پر دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے

حسن

حسن تخلص اور نام مولوی ابوالحسن ہے۔ مولوی الٰہی بخش المتخلص بہ نشاط کا فرزند ہے۔ قصبہ کاندھلہ (ضلع مظفر نگر، یو پی) کا رہنے والا ہے۔

میرٹھ میں بھی کافی عرصہ رہا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

جواب لائیو قاصد شتاب نامے کا جواب نامہ نہ ہووے جواب نامے کا

منفعل ہوں دست و پا بھی مارنے سے وقت ذبح
کیوں میں تڑپا جو ترے دامن پہ چھینٹا پڑ گیا

گو تو نے لپٹ کر نہ کیا ہم کو ذرا گرم رہتی تھی ترے عشق میں چھاتی یہ سدا گرم

حسن

حسن تخلص اور نام حسن علی خاں ہے سوائے اس کے کہ یہ کشمیر کا رہنے والا ہے۔ مجھے اس کا کچھ احوال معلوم نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

آنکھوں میں مرے قطرۂ خوناب ٹھہرا ہر چند کیا ضبط یہ سیماب نہ ٹھہرا

حسن

حسن تخلص اور نام مرزا حسن ہے۔ سیف الدولہ رضی خاں بہادر کا فرزند ارجمند ہے۔ اس کا یہ شعر نواب اعظم الدولہ المتخلص بہ سرور کے کے تذکرے سے لکھا گیا ہے :

دل کو دے کر اس بت کافر کو ہم نے اے حسن
جس قدر ناحق یہ کھینچی ہے ندامت کیا کہوں

حسین

حسین تخلص اور نام سید غلام حسین دہلوی ہے۔ سید عبداللہ کا بیٹا ہے۔ ابتدا میں عزیز تخلص کرتا تھا۔ کچھ عرصہ میرٹھ میں ایک انگریز کو پڑھایا کرتا تھا۔ کلکتہ میں بھی رہا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

تھا عرش سے بڑھ کر جو دماغ اپنا وہی ہے یوں چرخ نے گو کر دیا مجبور کسی کا

حسینؔ

حسینؔ تخلص اور نام نواب غلام حسین خاں ہے۔ خاندانی اعتبار سے افغانوں میں سے ہے۔ اور شاہ جہاں پور کے رئیسوں میں ہے۔ اس کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اخلاق و آداب میں ٹھیک تھا۔ یہ اس کے اشعار ہیں جو یہاں قلم بند کیے جا رہے ہیں:۔

میں تو تدبیر میں تھا زخم جگر کی مصروف — دل بھی پہلو میں تپاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
آگے ملنے کی کوئی راہ نکل آئے گی — بے قراری تو مجھے اس کے تو در تک پہنچا
تشنۂ آب دم خنجر ہے بسمل اور بھی — دست نازک کو ذرا تکلیف قاتل اور ہے

حشمتؔ

حشمتؔ تخلص اور نام محتشم علی خاں ہے۔ میر باقی کا صاحبزادہ ہے۔ نسلاً بدخشانی ہے لیکن شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوا۔ فارسی زبان میں اس کے خیالات لعل بدخشانی اور یاقوت زمانی سے بڑھ کر رنگین تھے۔ اس نے میر محمد افضل ثابت اور شیخ عبدالرضائی کی صحبتیں اٹھائیں اور مطارحات تحریر کیے۔ سن ایک ہزار ایک تریسٹھ ہجری (۱۱۶۳ھ) میں اچانک انتقال کر گیا۔ اللہ ہم سب کو اپنی امان میں رکھے۔ اس کا شعر ہے:۔

گورے سوتے دوانوں کو جگاتی ہے بہار — شور ہے غل ہے قیامت مست آتی ہے بہار

حشمتؔ

حشمتؔ تخلص اور نام میر محمد علی ہے۔ اگلوں میں سے ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

خط نے ترے حسن سب گنوایا
یہ سبز قدم کہاں سے آیا

حضور

حضور تخلص اور نام لالہ بال مکند کھتری دہلوی ہے۔ خواجہ میر درد کا شاگرد ہے۔ عربی میں دخل رکھتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

نہ پاؤں کو جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت — جو اٹھ کھینچوں دامن میں اس دلربا کا
سر راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی — کہ اللہ یا در ہے بے دست و پا کا
یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں — ایک خانہ خراب ہیں دونوں
یہاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی — وہاں اب بھی ہے امتحان باقی

جفا کو تم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے
ادھر کچھ دل میں تم سمجھے ادھر کچھ دل میں ہم سمجھے

حفیظ

حفیظ تخلص اور نام محمد حفیظ ہے۔ دہلی والوں میں سے ہے۔ حکیم قدرت اللہ خاں قاسم سے شاعری پر اصلاح لیتا تھا۔ دل کو موہنے والی طرز میں مرثیے خوانی کرتا تھا۔ اسی سے شہر بھر میں شہرت تھی۔ ابھی سال بھر نہیں ہوا کہ انتقال کر گیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے — اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رلاتی ہے
روبرو غیروں کے شکوہ کیا کروں میں آپ کا — ہو رہیں گی پھر کبھو باتیں ہماری آپ کی

حقیقت

حقیقت تخلص اور نام میر شاہ حسین ہے۔ نسلی اعتبار سے بلخ کا ہے مگر بریلی میں پیدا ہوا اور لکھنؤ میں پرورش پائی ہے۔ شعر کی تعلیم قلندر بخش جرأت سے حاصل کی۔ اس کے اشعار خود اپنے ہی متعلق ہوا کرتے تھے۔ یہ اشعار اس

کے ہیں :- کیا ترے عشق میں عربدہ جو ہاتھ لگا
زیست سے ہاتھ بھی دھویا پہ نہ تو ہاتھ لگا
دلا اب دونوں مل کاٹیں گے اوقات آہ و زاری میں
ہوئے بیمار ہے ہم بھی تری بیمار داری میں

حکیم

حکیم تخلص اور نام محمد اشرف خاں ہے۔ حکیم شریف کا فرزند۔ اپنے والد کی طرح لاجواب اطبا میں سے تھا۔ علاج میں یکتائے روزگار تھا اور مروجہ علوم سے بھی بے خبر نہیں تھا۔ اس کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

میرے رونے نے مجھ کو اس سے کھویا مجھے اس دیدۂ تر نے ڈبویا
کہوں کیا میں برنگ زخم ناسور ہنسا یک بار گر سو بار رویا

حکیم

حکیم تخلص اور نام محمد پناہ خاں ہے۔ سید محمد شریف خاں رنجش کا لائق فرزند ہے۔ خواجہ میر درد کا شاگرد تھا۔ شاعری کے آغاز میں نثار تخلص کرتا تھا۔ بعد میں طب کے فن میں مہارت حاصل ہو جانے کی وجہ سے حکیم تخلص اختیار کر لیا۔ کہتے ہیں کہ تاریخ اور موسیقی سے اچھی واقفیت رکھتا تھا اور موسیقی کے فنون میں (خاص طور پر) بہت کچھ دخل رکھتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

پوچھتے کیا ہو حکیم جگر افگار کا گھر ایک تکیہ سا ہے اس شوخ کی دیوار کے پاس
کہتے ہیں حکیم آیا میخانے سے مسجد میں ہم کو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو
ترے لیے خلق دربدر ہے اے خانہ خراب تو کدھر ہے

ہم ہی صنم کے غم میں نہ ایمان سے گئے
کتنے ہی بندگان خدا جان سے گئے

ہم تو کیونکر کہیں کہ بوسہ دو
گر عنایت کرو عنایت ہے

ہے رشک دستہ گل کیوں یہ آستیں تری
سرشک خوں بتا کس کلس سے پاک ہوئی

حقیر

حقیر تخلص اور نام میر امام الدین ہے، عرفیت میر کلو ہے۔ جہان آباد کا رہنے والا ہے۔ ظریفانہ مزاج کا حامل اور مقابلہ بازی کا شوقین شخص تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہوں ہست و نیست عالم تصویر کی طرح
گویا ہوں اور خموش ہوں زنجیر کی طرح

دل میں ہے بیٹھ رہیں در یہ صنم کے ہی حقیر
راہ کعبہ تو آتی ہے نظر دور ہمیں

یاد میں اس بت کافر کی ہوں ایسا مطرف
کہ خودی بھول گئی بلکہ خدائی مجھ کو

پامال ہوئے ہم تو حقیر آہ جہاں میں
جوں نقش قدم یار کے قدموں سے بچھڑ کے

حیرت

حیرت تخلص اور نام میر مراد علی ہے۔ مراد آباد کا باشندہ ہے۔ تجارت کی خاطر کوہستانی علاقہ میں چلا گیا تھا۔ وہیں پر انتقال ہو گیا۔ اس کا شعر ہے:۔

کہاں ہے شیشہ کہ محتسب خدا سے تو ڈر
مری بغل میں جھلکتا ہے آبلہ دل کا

حیرت

حیرت تخلص اور نام غلام فخر الدین ہے۔ مرحوم اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کے بیٹے میر منّو کا پوتا ہے۔ کالپی میں شب و روز بسر کرتا تھا اس کے یہ دو شعر ہاتھ لگے ہیں:۔

ہم اس بزم سے یوں پر ارمان نکلے
جوانی میں جس طرح سے جان نکلے

یہ ستم دیکھوں کس آنکھوں سے ہیں لے غیرت عشق
ایک عالم اسی کوچے کا تماشائی ہے

حیرت

حیرت تخلص اور نام پنڈت اجودھیا پرشاد ہے۔ لکھنؤ میں آباد کشمیری ہے۔ شیخ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں سے ہے۔ ایک مختصر دیوان اور چند مثنویوں کا مالک ہے جو میری نگاہ سے نہیں گزرے۔ موسیقی کے فن میں ماہر تھا اور تیر اندازی جانتا تھا۔ وہ جہان آباد میں کم اور لکھنؤ میں زیادہ تر رہا۔ سن ۱۲۳۴ھ میں ۳۵ سال کی عمر میں اس کی زندگی کا کھیل تمام ہوگیا۔ یہ شعر اس کا ہے:-

برنگ نقش پا اس کی گلی سے اٹھ نہیں سکتا
ہوا ممنون احساں خوب اپنی ناتوانی کا

حیراں

حیراں تخلص اور نام میر حیدر علی ہے۔ جہان آباد جائے پیدائش ہے زیادہ تر مشرقی علاقوں میں اس نے شب و روز گزارے ہیں۔ سرب سنگھ دیوانہ کے شاگردوں میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری کے غرور نے اس کا دماغ مختل کر دیا تھا اور اپنے استاد کا تخلص (یعنی دیوانہ) نظر آنے لگا تھا۔ بہار کے ضلع میں اس کا قتل ہوگیا اور وہ قاتل کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

دم نکلتا ہے اب کوئی دم میں ۔۔۔ بیٹھ جا کچھ نہیں رہا ہم میں
میں نے حیراں کو جو دیکھا روتے ۔۔۔ بن گئی دیکھنے کی گھات مری
ان کی خدمت میں ادب سے میں نے ۔۔۔ عرض کی دیکھی کرامات مری

میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ نہ دیں ۔۔۔ بندگی قبلہ حاجات مری
گزر کرتا ہے بھولے سے ہماری خاک پر گردہ ۔۔۔ کھڑا وسواس سے دردوبہر دامن جھٹکتا ہے
جب کہا میں نے مرے گھر چلئے ۔۔۔ اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
تیوری کو چڑھا لگا کہنے ۔۔۔ رسم وراہ ادب تو سب ڈوبی
مجھ سے کہتا ہے مرے گھر چلئے ۔۔۔ دیکھو تو اختلاط کی خوبی

حیدر

حیدر تخلص اور نام حسام الدین ہے۔ اس کا ایک شعر لکھا جا رہا ہے:

ملک خصال پری وش فرشتہ خو کہتا ۔۔۔ مجال تھی کہ سگ یار کو میں تو کہتا

حیدر

حیدر تخلص اور نام میر حیدر علی خاں ہے۔ اصل وطن لاہور ہے۔ پشاور میں سکونت اختیار کر گیا۔ معلوم ہوتا ہے شیخ عبدالقادر گیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

ارادہ ہے بے ڈھب کچھ اس چشم تر کا ۔۔۔ خدا حافظ آج اپنے دیوار و در کا
بے سنگ و خشت مجھ پہ ہر خاص و عام نکلا ۔۔۔ باری جنوں کی دولت اپنا یہ نام نکلا

حیف

حیف تخلص اور نام میر چراغ علی ہے۔ لکھنؤ کے رؤسا میں سے ہے اور میر شیر علی افسوس کے حلقۂ تلامذہ کا فرد ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جس کی ہر اک امید مبدل بہ یاس ہو ۔۔۔ کیا اس مریض عشق کے جینے کی آس ہو

ہے اپنے تو نزدیک وفا خوب ولیکن
ہو لطف جو تیری بھی طبیعت ادھر آوے

حرف الخاء المعجمہ

خاکسار

خاکسار تخلص اور نام میر محمد یار ہے۔ جو جگہ قدم شریف کے لیے مشہور ہے وہاں اس کا بانس کا بنا ہوا ایک گھر تھا۔ اس گھر میں وہ نہایت درجہ مفلسی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ دردمند اور درویش صفت سید تھا۔ اس کے بارے میں مستند طور پر کہا جاتا ہے کہ اپنی جوانی کے دنوں میں اس کا رجحان طفلک بازی کی طرف تھا جب بھی کسی نوعمر لڑکے پر نظر پڑتی تھی اس کو اسی نگاہ سے دیکھتا تھا جیسے کہ عربی کی مثل ہے العھدۃ علی الرواۃ یعنی یہ روایت کرنے والوں کی ذمہ داری ہے۔ میر تقی میر کے معاصرین میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ترے باغباں کا یہ دیکھا سلیقہ　　کہ نرگس کو بویا نہ بوئیں یہ آنکھیں
تیغِ قاتل سے ہے محروم بے تقصیر ہم　　روزِ محشر کو اٹھیں گے اس لیے دلگیر ہم

خاکی

خاکی تخلص اور نام حیدر بیگ ہے۔ نسلاً بدخشاں کا ہے۔ بدخشاں کا یہ لعل اسی کان (دہلی) سے نکلا ہے۔ کافی مدت ہوئی دکن چلا گیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ہم عشق بھی سیکھیں اگر استاد ہو کوئی
دل تو ہی بتا دے تجھے گر یاد ہو کوئی

خاؔدم

خاؔدم تخلص ہے۔ صوبہ سرہند کے قریب کیتھل کا رہنے والا ہے۔ اس کے نام کے بارے میں کوئی اطلاع حاصل نہیں ہوئی۔ اس کے اشعار ہیں:۔

عاشق ہوا ہوں ایک بت بالا بلند پر
صد آفریں ہے میری بھی عالی پسند پر

اس کے ہاتھوں ایک جہاں ویران ہے　　چشم بھی میری کوئی طوفان ہے

خاؔدم

خاؔدم تخلص ہے۔ پانی پت کا رہنے والا ایک شخص ہے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کے نام کے بارے میں کچھ نہیں لکھا البتہ یہ شعر اس کے نام سے لکھا ہے:۔

رات بھر ماتم پروانہ میں روتی ہے شمع
اشک سے داغ جگر اپنے کو دھوتی ہے شمع

خادم

خاؔدم تخلص اور نام خادم علی خاں ہے۔ فرخ آباد کا رہنے والا ہے اس کو اس شہر کے حاکم نواب ناصر جنگ بنگش کے استاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فارسی زبان میں صاحب دیوان ہے لیکن دیوان میرے دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ یہ اس کا شعر ہے:۔

مجھ کو کہتے ہو کہ چل باہر ہو　　آپ کے کہنے سے کب باہر ہوں

خاؔن

خاؔن تخلص اور نام محمدی خاں ہے۔ دکن کا رہنے والا ہے۔ معاش

کے حصول کو دہلی آیا اور یہیں پر رہنے لگا۔ سعادت یار خاں رنگین کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

یاد جس وقت تیری آتی ہے مجھ کو ہچکی دمیں لگ جاتی ہے

خاںؔ

خاںؔ تخلص اور اشرف خاں نام ہے۔ دہلی کا باشندہ ہے۔ لکھنؤ چلا گیا۔ اس شہر میں جب رہتا تھا مشاعرے کی محفل گرم کرتا تھا۔ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کا شعر ہے :۔

اے خاںؔ غم فراق میں تم زہر کھا مرد اس کے سوا نہیں کوئی تدبیر دوسری

خردؔ

خردؔ تخلص اور نام نواب فخرالدین خاں ہے۔ نواب شرف الدین محمد خاں کا لائق فرزند ہے۔ تنخواہیں تقسیم کرنا اس کا فرض منصبی ہے۔ یہ بڑی خوبیوں سے متصف اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہے۔ مزاجاً آزادمنش ہے اور تمام سے بے نیاز ہے وہ فراغت اور خوش حالی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جس کے لیے اعلیٰ ادنیٰ ہے، بلند حوصلے کا مالک ہے جس کی نگاہ میں شاہانہ اور درویشانہ لباس ایک سے ہیں اور بیش قیمت موتی شاید قطرۂ اشک سے کمتر قیمت رکھتے ہیں۔ اوائل عمری میں ہی فن شعر کے اسرار اس پر کھل گئے۔ اب اس کی عمر پختہ ہوگئی ہے اور اشعار کے مغبچوں کو اس کے ضمیر کی خلوت گاہ میں داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ بندہ کے اصرار پر اس نے اپنے چند پہلے کے کہے ہوئے اشعار سنائے جن کو اس دل انتخاب پسند نے قبول کیا اور ان پر قناعت کی فقیر کے دیوان کی تاریخ بہت خوب کہی ہے ایسی کہ قلم اس کی ستائش

کا حق نہیں ادا کر سکتا۔ اسی تذکرے میں وہ عمدہ تاریخ موجود ہے اور وہ
خود اپنی خوبی کا ثبوت ہے۔ دیوان ریختہ کی تاریخ کو اس نے ایک دلکش
نظم کے پیرائے میں ڈھالا ہے اور میرے مسودات کو بھی اس نے صفائی
اور خوبی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ دو اشعار اس کے ہیں:۔

ہماری ان کی صحبت آہ ابر و برق کی سی ہے
ہم ان کو دیکھ کے رونے ہیں اور وہ ہم پہ ہنستے ہیں
لبوں پہ جان ہے جلدی پہنچ کہیں ظالم یہ آرزو ہے کہ دم تیرے روبرو نکلے

خستہ

خستہ تخلص اور نام محمد عبداللہ خاں ہے، میر جیون کے نام سے مشہور ہے
کشمیری خاندان کا ہے لیکن شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوا اور یہیں پروان چڑھا
اس کے والد مجدالدولہ عبدالاحد خاں مرحوم کے یہاں منتسب تھے۔ اس کا
شعر ہے:۔ سایہ ساں پہنچے تو تھے پاؤں تلک گر پڑ کر
اس نے دامن کو بھی پر ہاتھ لگانے نہ دیا

خستہ

خستہ تخلص اور نام غلام قطب ہے۔ سید محمد کرمانی قدس اللہ سرہ
العزیز کی اولاد سے ہے۔ سلطان المشائخ (نظام الدین اولیاء) رحمۃ اللہ
علیہ کے مزار کثیر الانوار کے خادموں میں سے ہے۔ شاعری کا فن بھولے خاں
آشفتہ سے حاصل کیا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

جلوہ اس مہ نے جو ناگاہ لب بام کیا
روز خورشید درخشاں کا وہیں شام کیا

خشنود

خشنود تخلص ہے۔ اس کے احوال سے کچھ واقفیت نہیں ہے۔ یہ شعر اس کے نام سے دیکھا ہے:۔

ہو غریق رحمت پروردگار   آج ساقی کا پیالہ ہو گیا

خلق

خلق تخلص اور نام میر احسن ہے۔ یہ میر حسن کا فرزند ہے۔ میر حسن وہی کہ جو مثنوی سحرالبیان کے مصنف ہیں۔ یہ مثنوی "بدر منیر" کے نام سے مشہور ہے۔ شاعری کی تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

عجب عالم میں بے ہوشی کے وہ مجھ کو نظر آیا
کہ اتنا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کدھر آیا

بیقراری میں کٹی رات تو یہاں اپنے تئیں   چین سے زلف میں دل کیونکہ رہا ہووے گا
دل لگاتے تو لگایا پہ نہ تھا کچھ معلوم   جی پہ کیا گزرے گی اور جان پہ کیا ہووے گا

خلیق

خلیق تخلص اور نام میر مستحسن ہے۔ میر احسن خلق کا چھوٹا بھائی ہے لیکن اس فن میں وہ اس سے بڑا ہو گیا ہے۔ مصحفی نے خود اس کو اپنا شاگرد بتایا ہے۔ اس کے قلم نے بیشتر واقعۂ کربلا کے گریہ انگیز مراثی رقم کیے ہیں یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اشک جو چشم خوں فشاں سے گرا   تھا ستارا کہ آسماں سے گرا
ہنس دیا یار نے جو رات خلیق   کھا کے ٹھوکر اس آستاں سے گرا
غفلت میں فرق اپنی تجھ بن کبھو نہ آیا   ہم آپ میں نہ آئے جب تک کہ تو نہ آیا

کہا میں نے جو اے گل کچھ وفا کر — تو وہیں ہنس پڑا وہ کھل کھلا کر
کس کے خرام ناز کا پامال ہوں خلیق — لگتی ہے چوٹ دل کو مرے ہر قدم کے ساتھ

خنداںؔ

خنداںؔ تخلص کا ایک شاعر گزرا ہے، اس کے اشعار میں سے ایک لکھا جا رہا ہے :-

گردش چشم پر تری جب کر نگاہ کیجئے
خانہ دل کو اپنے ہاتھ آپ تباہ کیجئے

خودؔ غرض

خود غرض تخلص ہے۔ فرخ آباد کا رہنے والا ایک شاعر ہے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :-

بند قبا کو کھول کے گلشن میں تو نہ جا — ہووے نہ گل گلے کا کہیں یار دیکھنا

خیالؔ

خیالؔ تخلص اور نام غلام حسن خاں ہے۔ اس کے بزرگ اعتبار و حیثیت کے لوگ رہے ہیں۔ برکت اللہ خاں تخلص برکتؔ فارسی کا شاعر ہے وہ اس کا چچا تھا۔ اپنی شاعری پر برکتؔ سے اصلاح لیتا تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ دو دیوان ہیں۔ قریب ایک لاکھ اشعار کا مالک ہے ان میں سے جو ہم نے منتخب کیے ہیں وہ یہ ہیں :-

تجھے تو غیر کو منظور منہ دکھانا تھا — نقاب کھولنا گرمی سے ایک کرچون چلمن مشتہ
جھلک ایسی کوئی دکھلا گیا مہ پارہ غرفے میں — کہ جوں گلشن مشبک رہ گیا نظارہ غرفے میں
پھر نئے سر سے ہوا خانۂ مجنوں آباد — پاؤں جب ہم نے دھرا آنکے ویرانی میں
حاضر ہیں ہم تو آؤ شمشیر کیں نکالو — جو دل کی آرزو ہے اس کو کہیں نکالو

جرعہ افشاں ہو ہماری خاک پر غافل کبھی
ہم بھی اے ساقی تری مجلس کے مے خواروں میں تھے

مژگاں کی یہ کاوش نہیں ناوک فگنی ہے
ابرو کی اشارت نہیں شمشیر زنی ہے

تیرا شگفتگی پہ دل آیا ہے اے خیال
اے غنچۂ فسردہ تجھے بھی ہوا لگے

حرف الدال المہملہ

داغ

داغ تخلص اور میر مہدی نام ہے۔ میر سوز کا فرزند ہے۔ اچھی شکل و صورت اور عمدہ خصائل والا جوان ہے۔ خوب صورت چہرہ مہرہ کے باوجود مزاج میں آشفتگی ہے اس لیے اس پر گل کی تشبیہہ ہر دو معنی میں صادق آتی ہے کیونکہ وہ سینہ چاک بھی ہے اور سینہ چاکی کا باعث بھی ہے۔ لالہ کے پھول کے ساتھ بھی اس کی مشابہت ہر دو صورت میں درست ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس کے دل پر بھی داغ ہے اور دلوں پر داغ کا باعث بھی بنتا ہے۔ بہر حال بیس سال کی عمر ہوتے وہ ایک ماہ جبیں کا عاشق بن گیا۔ کچھ مدت البتہ ہزار عشرت سے اس نو بہار حسن کے ساتھ وصل اور باہم ملاقاتوں میں ایسے گزاری کہ جیسے بلبل بہار کا زمانہ خوش و خرم ہو کر گزارتا ہے۔ آخر کار ہجر کے پھندے میں پھنس گیا۔ اس امر میں بھی اس کا دل اسی درجہ بے تاب و ہراساں ہوا کہ زندگی کا رشتہ ٹوٹنے کی نوبت آگئی۔ احباب نے فراق کے جال میں پھنسے ہوتے عاشق نامراد کی آزادی کے لیے بہت سی کوششیں کیں کہ وہ خوب صورت محبوب بہ نفس نفیس آئے اور اس کو ہجر سے نجات دلائے لیکن اس محبوب نے جلوہ نہیں دکھایا اور وہ پھول عندلیب کے پاس نہیں آیا لیکن اپنے دیوانہ کی وحشت کی تسکین کے لیے جلد آنے کا وعدہ فرماتا رہا

اور یہ وعدہ اس عاشق نامراد کے واسطے بڑا فرحت بخش تھا۔ اپنے محبوب کا یہ وعدۂ فردا قیامت کا وعدہ جان کر ہی عاشق کا صبر و شکیب جاتا تھا۔ ایک جانب لگاتار وعدہ تھا اور دوسری جانب اس کا وعدہ ایفا نہ تھا۔ اس امید و بیم کی کش مکش میں اس کی زندگی کا دھاگا بار بار ٹوٹنے پر آمادہ ہوتا تھا شاید وہ سمجھتا تھا کہ ہجر و فراق کی اذیت سے اس کو قبر میں ہی نجات مل پائے گی۔ حالانکہ عشاق سچائی کی تہہ کو نہیں پہنچ پاتے۔ بہر حال دم نکلتے وقت یہ شعر اس کی زندگی کا عنوان بن گیا۔ بیت

از جاں رمقی بود کہ مکتوب تو آمد دیگر چہ نویسم خبرم خوب گرفتی

یہ اشعار اس کے ہیں :۔

اسی کے پاس تھا دل کیا ہوا اے ہمنشیں دیکھو ادھر ادھر دیکھو یہیں دیکھو کہیں دیکھو
اسی کے پاس ہے رہ رہ کے یہ جو مسکراتا ہے اسی کی جیب دیکھو ہاتھ دیکھو آستیں دیکھو
پکڑنا چور کا مشکل نہیں گر کچھ سمجھ ہووے ہوائے رنگ دیکھو ماہتابی سی جبیں دیکھو

دارا

دارا تخلص اور نام مرزا دارا بخت بہادر ہے۔ مرزا ولی عہد بہادر تخلص ظفر کا فرزند ارجمند ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

کسی کی چشم سے گوں کا تصور ہم کو ہے دارا قدم اٹھتا نہیں ہے لغزش مستانہ رکھتے ہیں

دانا

دانا تخلص اور نام میر فضل علی ہے۔ دہلی کے لوگوں میں سے ہے۔ میر شرف الدین مضموں کا شاگرد رہ چکا ہے۔ یہ اس کا شعر ہے :۔

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز

داؤد

داؤد ایک پرانا بزرگ ہے شاید نام ہی تخلص تھا۔ یہ شعر اس کا ہے :-

چاندنی کی سیر کو کس طور نکلے وہ صنم　　دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

دردمند

دردمند تخلص اور نام کریم اللہ خاں ہے۔ عمدۃ الملک کے رشتہ داروں میں سے ہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں عزت سے زندگی کرتا ہے۔ اس کا شعر ہے :-　کنارے سے کنارا کب ملے ہے بحر کا یارو
پلک لگنے کا مضموں دیدۂ پُر آب کیا جانے

درد

درد تخلص اور نام خواجہ میر علیہ الرحمۃ تھا۔ خواجہ محمد ناصر تخلص عندلیب کا لائق فائق بیٹا اور شیخ بہاء الدین نقشبند کی آل اولاد سے تھا۔ خدا ان سب کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ اس کا تعلق صفائے قلب والے صوفیوں کے طبقہ سے ہے۔ اس کے ظاہری فضائل اور روحانی کمالات تحریر کے احاطہ سے باہر ہیں اور قلم ان کو لکھنے میں عاجز ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اس کے جیسی فارغ البالی اور بے نیازی دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نصیب ہو، اس کے جیسی پارسائی اور پرہیزگاری کا ذکر اور عمل پھیلے، اس کے جیسی روحانی تہذیب اور تزکیہ نفس عام ہو، اس کے جیسا دل کا سوز و گداز، جگر کا تپنا اور دردمندانہ مزاج پھر عالم وجود میں آئے اور اس تمام حوصلہ مندی کا بیان جلد بازی میں کرنا ممکن نہیں ہے اور یہ سب یہاں سمائے گا بھی نہیں۔ البتہ اگر کوئی اسرار بھرے مضامین کو سمجھنے کی فہم رکھتا ہے تو اس کی تخلیقات جو

اردو میں اس کے قلم کی قدرت اور فن شعر کی مہارت کا نمونہ ہیں، ان کا مطالعہ کرے۔ اس سلسلہ میں غلطی اور مبالغہ سے میں نے دامن بچایا ہے۔ مزاج کی لطافت اور شعر کی شستہ دروبست کے ساتھ مشکل مضمون پیدا ہوتا ہے۔ خواجہ کو اس فن میں بھی دینی کمالات کے مانند بلند مرتبہ اور زبردست مہارت حاصل ہے۔ اس کی فکر صحیح ہے اور اس کی شاعری فصاحت سے پُر ہے۔ اس کا بیان بازاری پن اور غلطیوں سے پارک ہے۔ اس کے خیال کے پھولوں کے پہلو میں چمن کے پھولوں کے پہلو کے مانند خس و خاشاک بھی ہیں۔ اس کا دیوان نظر سے گزرا ہے۔ بعض اشعار خالی خوبی بھی ہیں مگر اکثر اشعار بلند معانی اور بلند و دلکش مضامین والے ہیں۔ وہ موسیقی کے فن کو مبارک شمار کرتا ہے۔ بروز جمعہ بتاریخ چوبیس صفر اس کو غیب سے ندا آئی کہ (ترجمہ آیت القرآن)

"اے نفس مطمئنہ، اپنے رب کی جانب لوٹ جا اور اپنے
رب کی مرضی پر راضی ہو جا"

اس کو اپنے رب کی مرضی سنائی دی، صاف دکھائی دی۔

(یعنی وفات کر گیا) اور یہ واقعہ رسول کریمؐ جن پر ہزاروں درود اور سلام ہوں ان کی ہجرت کے ۱۱۹۹ھ برس بعد کا ہے۔ اس کے دیوان سے یہ اشعار منتخب کیے گئے ہیں اور (یہاں) کتاب میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ یہ اشعار اس کے ہیں:

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے پہلے تو یہ دستور نہ تھا

بھول بھی چپ رہ عبث وہ سابقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

تو اپنے دل سے غیر کی اُلفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

ہے کوتہی اجل کی طرف سے ہی ورنہ میں
اک عمر سے اسیر ہوں زلفِ دراز کا

نالہ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس — جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی — جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یہاں ڈھیر تھا

جفا سے غرض امتحانِ وفا ہے — تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

اس نے قصداً ابھی میرے نالے کو — نہ سُنا ہوگا گر سُنا ہوگا

ہے کچھ خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو — عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

پھرتی ہے مری خاک صبا دربدر لیے — اے چشم اشک بار یہ کیا تجھ کو ہو گیا

گر ہیں یہی ڈھنگ تیرے ظالم — دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا — ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی — افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں — دل ہی نہیں رہا ہے کہ کچھ آرزو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

دامن دشت ہی پر لالہ و گل سے یارب — خون عاشق بھی کہیں ہووے بہار دامن

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلا کرتا نہیں — دل میں ہے وہ ہی وفا پر جی وفا کرتا نہیں

کرتا ہوں پس مرگ بھی حل مشکل عالم — بے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں — آئے بھی اگر ہزار جی میں

ہر چند نہیں صبر تجھے درد ولیکن — اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز — گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں ہوں ستم دیدہ — گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزر پروانہ — تم نے کیا قہر کیا بال و پر پروانہ

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے — لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

یارو مرا شکوہ ہی بھلا کیجئے اس سے — مذکور کسی طرح تو جا کیجئے اس سے

خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا — میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہے

ساقیا یہاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

کبھو ہنسنا کبھو رونا کبھو حیران ہو رہنا — محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے — آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو — تیری خاطر ہمیں مقدم ہے
کب ترا دیوانہ آئے قید میں تدبیر سے — جوں صدا نکلا ہی جائے خانۂ زنجیر سے
سب بُرا کہتے ہیں تو کہنے دو — بات لائے ہو تم بھلی ایسی
اگلے معانقے کو اگر کیجئے معاف — لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لیے
دردؔ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے — جو سانس بھی نہ لے سکے وہ آہ کیا کرے
اس طرح سے یک لخت جو آنسو ہیں تھمنے — معلوم ہوا دردؔ کہیں آنکھ لڑی ہے
تیری گلی میں میں نہ چلوں اور صبا چلے — یوں ہی خدا جو چاہے تو بندے کا کیا چلے
کر بیٹھیو نہ دردؔ کہ اہل وفا ہوں میں — اس بے وفا کے آگے جو ذکر وفا چلے
دل بھلا ایسے کو اے دردؔ نہ دیجئے کیونکہ — ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے
یہی پیغام دردؔ کا کہنا — گر صبا کوئے یار میں گزرے
کون سی رات آن ملیے گا — دن بہت انتظار میں گزرے
روندے ہے مثل نقش قدم خلق یہاں مجھے — اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

دریغ

دریغؔ تخلص اور نام سید زین العابدین ہے۔ سیف الدولہ بہادر سید رضی خان بہادر کا پوتا ہوتا ہے۔ شاہ نصیرؔ سے اپنے کلام پر اصلاح لیتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:-

یوں وہ بولا دیدۂ تر دیکھ کر دو چار کے — ڈوبتے مجھ کو نظر آتے ہیں گھر دو چار کے

درویش

درویشؔ تخلص اور نام میر شاہ علی ہے۔ سلسلۂ نسب شاہ اللہ دیا

تک جاتا ہے کہ جو نہایت بلند مقام، روحانی بزرگوں میں سے ہیں اور خاص و عام میں مشہور ہیں۔ تھوڑے بہت مروجہ فنون بھی سیکھے ہیں اور ساتھ ہی اپنے استاد سے درسی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ اوائل شباب میں ہی شعر کہنے لگا۔ میر نظام الدین ممنونؔ سے مشورۂ سخن کیا کرتا۔ اس کے اشعار ہیں:

درویش کو مجنوں بھی لکھا کرتا تھا غنی   اس مملکت عشق میں سلطان سمجھ کر

ایک شب بیٹھے تھے جس گھر میں کبھی یار سے مل
روز روتے ہیں وہاں کے در و دیوار سے مل

دلؔ

دلؔ تخلص اور نام مولوی شمس الدین ہے۔ صابر و شاکر لوگوں میں سے ہے۔ (قرآن کریم کی تعلیم کے موافق) "نیکی سے رغبت اور برائیوں سے نفرت دلانے والا"۔ اسی مبارک شہر میں رہتا رہا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

صبح ہو آتی ہے اور رات چلی جاتی ہے
تیری اب تک بھی وہی بات چلی جاتی ہے

دلؔ

دلؔ تخلص اور نام زور آور خاں ہے۔ کول سرکار کا رہنے والا ہے۔ ایک ضخیم دیوان اور متعدد مثنویوں کا مالک ہے البتہ میری نگاہ سے یہ سب نہیں گزرا۔ ایک مرتبہ ان کے بیٹے عنایت حسین خاں نے ان کی ایک مثنوی سے ایک داستان فقیر کے روبرو پڑھ کر سنائی تھی۔ یہ اشعار تذکروں سے منتخب کیے ہیں:۔

مت پھرا سر مرا اے ناصح جاہل آکر
پھر بھی جاتا ہے نصیحت سے کہیں دل آکر

کیا سینے کو واکس نے لگائی آگ گلشن میں
عیاں ہیں داغ حسرت لالۂ صحرا کی چھاتی پر

فاتحہ کو عربستان سے جو زوار آئے
لائے تربت پہ مری وادی مجنوں کے گل

ساقی نے جو پلایا مجھے میں نے پی لیا
زاہد تجھے خبر ہے حلال و حرام کی

دل

دلؔ تخلص اور نام آزاد خاں ہے۔ اسلام قبول کیا اور اس باعث جہنم کی آگ سے آزاد ہوا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

یہ تماشا ہے کہ قاصد کو ملے ہے دشنام
خط کا انعام گیا نامہ و پیغام گیا

دل

دلؔ تخلص اور نام دیبی پرشاد ہے۔ مرشد آباد کا رہنے والا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

امید وصل اس سے عبث تو رکھے ہے دلؔ
جس سے کہ رسم نامہ و پیغام بھی نہ ہو

دلخوش

دلخوشؔ تخلص اور نام بہادر سنگھ کھتری ہے۔ راجہ خوشحال رائے کا پوتا ہے جو محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں صاحب ثروت شخص تھا۔ اس کا شعر ہے:۔

ہوں ترے ہجر میں جوں دیدۂ نرگس حیراں
چشم پوشی نہ کر آ اپنے گنہگار سے مل

دلگیر

دلگیرؔ تخلص اور نام دلگیر شاہ ہے۔ عظیم آباد میں ایک درویش تھا

اس کا شعر ہے :۔ پھر بھی یارب وہ کبھو دن رات ہو
یار ہووے ہو گلے میں ہات ہو

دلسوز

دلسوز تخلص اور نام خیراتی خاں ہے۔ قوم کا افغان، قصبہ اٹپل کا باشندہ اور شاہ نصیر جہان آبادی کا شاگرد ہے۔ نواب ظفریاب خاں کی خدمت میں رہتا تھا۔ ہمیشہ شغل مے نوشی میں (شب و روز) بسر کرتا۔ بہتوں نے لکھا ہے کہ اسی عالم میں جے پور میں اس دار فانی سے کوچ کرگیا یہ اس کے اشعار ہیں :۔

ارادہ پائے بوسی کا تھا اے بیدادگر اپنا — گرا قدموں ہی پر تیرے کٹا جس وقت سر اپنا
جگر فراق کے صدموں سے لالہ زار رہا — یہاں خزاں میں سدا موسم بہار رہا
تپ فراق کے بیمار کی جو دیکھی نبض — طبیب کو بھی کئی دن تلک بخار رہا
وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا — مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دل کی بیقراری سے — روز دو تین چار سے کہنا

وہ منہ زلفوں سے ڈھانکے ہیں تو ہم آنسو بہاتے ہیں
وہ دن کو رات کہتے ہیں تو ہم تارے دکھلاتے ہیں

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی — پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی
رات تم اس طرف جو آن پھرے — دن مرے کچھ تو مرے جان پھرے

دستگیر

دستگیر تخلص اور نام میر حمایت اللہ خاں ہے۔ عالم خاں کا صحیح معنوں میں بیٹا ہے۔ اپنے باپ دادا کی طرح یہ بھی شاہی مطبخ کے عہدے پر فائز ہے۔ قابل تحسین سمجھ بوجھ کا مالک ہے۔ رمل کے فن میں خوب مہارت رکھتا ہے ہیئت

اور نجوم کے علوم میں بھی اچھا دخل ہے۔ جب کبھی طرحی مشاعرہ منعقد کرتا ہے تو مجھے بھی دعوت دیتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جس طرح ناک میں دم لایا ہے میرا یہ شیخ　　یا خدا اس کے بھی پیچھے یونہی شیطان پڑے
دستگیر ہے تم چپکے سے گر آن کے ملتے　　رسوائی ہر کوچہ و بازار نہ ہوتی

دلہن بیگم

دلہن بیگم جس کا احوال بھی اس کے چہرے کے مانند نقاب میں ہے۔ یہ دو شعر اس عصمت مآب کے ہیں:۔

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا　　تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں　　مثال لالہ کے دل داغدار رکھتے ہیں

دوست

دوست تخلص ہے۔ اس کا نام معلوم نہیں ہے۔ اعظم الدولہ نے اس کو فرخ آباد کا لکھا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

روش گریہ مری چشم سے سیلاب نے لی　　بیقراری دل بیتاب سے سیماب نے لی

دیوانہ

دیوانہ تخلص اور نام مرزا محمد علی خاں ہے۔ بنارس کے لوگوں میں سے ہے۔ انگریزی سرکار میں ممتاز عہدوں پر سرفراز رہا ہے۔ جب جہان آباد کے ناظم روشن الدولہ کو نبرگ صاحب کے ہمراہ جہان آباد (دہلی) آیا تھا تب فقیر سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

اس کا آخر اُدھر کلام ہوا　　اپنا قصہ اِدھر تمام ہوا
بتاؤ تو دست جنوں کیا کرو گے　　گریباں میں جس دم نہ اک تار ہوگا

چلتے چلتے ایک دن دیوانہ بس اٹھ جائیگا
چوں چراغ صبح دم ہم سینہ سوزاں سمیت

آیا نہ بعد مرنے کے بھی وہ مزار پر
خاک اس کے پیچھے آپ کو ہم نے کیا عبث

میری سرگشتگی کو دیوانہ
پہنچی کب آسمان کی گردش

دیوانہ

دیوانہ تخلص اور نام رائے سرب سنگھ ہے۔ مشاہیر شعرا میں سے ہے۔ مشرق کے شہروں کے زیادہ تر شاعروں نے اس سے شاعری کا فن سیکھا ہے۔ جعفر علی حسرتؔ اور میر حیدر علی حیراںؔ تمام اسی حلقہ کے ہیں۔ اس کا میلان طبع فارسی کی طرف زیادہ تھا۔ کبھی کبھار ریختہ میں بھی موزوں کیا کرتا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جان پر آ بنی ہمدم میری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر

دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے
رستم کا کب جگر ہے کہ زہرہ پگھل نہ جائے

حرف الذال المعجمہ

ذاکر

ذاکر تخلص اور نام مرزا احمد بیگ ہے۔ رستم بیگ کا شاگرد اور جہان آباد کا رہنے والا ایک شخص ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

چھوڑا اسلام کو اور کھینچ کے قشقہ ذاکر
طالب کفر ہوا اس بت عیار سے مل

ذرّہ

ذرّہ تخلص اور نام مرزا رام ناتھ بہادر ہے۔ حضور والا (بادشاہ) کے محکمہ

نظامت میں پیش کاری کے عہدے پر فائز ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ترے کوچہ میں روز و شب پڑا پھرتا ہے یہ ذرّہ   بجا ہے ایسے دیوانے کے مطلب کو روا کرنا

ذکا

ذکا تخلص اور نام ذکار اللہ خاں ہے۔ لکھنؤ کا ہے۔ نواب محبت خاں بن حافظ رحمت خاں مرحوم کی اولاد سے ہے کہ جن کے رتبات اور اثرات کو زمانہ جانتا ہے۔ ان کو بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

آہ کس طرح سے اس پردہ نشیں کو دیکھوں   اس کے گھر میں تو کوئی روزن دیوار نہیں

ذکا

ذکا تخلص اور نام خوب چند ہے۔ دہلی کا رہنے والا کائستھ ہے۔ شاہ نصیر کا شاگرد ہے۔ ایک مرتبہ فقیر سے ملاقات کے دوران اپنے بارے میں بتایا تھا کہ ایک تذکرہ ریختہ میں لکھا ہے لیکن میں نے دیکھا نہیں ہے۔ اس کے اشعار ہیں:۔   آسیا جب کہ چلی سر پہ ذکا نیند کہاں

ہاتھ سے چرخ کے ڈھونڈے ہے تو آرام کہیں

ہلی ہے ابروئے دلدار دیکھیے کیا ہو   کہاں کہاں چلے تلوار دیکھیے کیا ہو

نقش پا خالق گیتی نے بنایا ہم کو   جس کے قدموں سے لگے اس نے مٹایا ہم کو

شرم سے ہو گئی پانی تری دولت سے جنوں   موج دریا بھی مرے پاؤں کی زنجیر کو دیکھ

ذوق

ذوق تخلص اور نام شیخ محمد ابراہیم دہلوی ہے۔ خاقانی ہند کہا جاتا ہے بلاغت کے طوطی کا آئینہ اور فصاحت کے شکرستان کا طوطی ہے اس پر سحر بیانی کا جامہ درست آتا ہے۔ اس کے تنفس سے آتش زبانی کے دامن میں

شعلہ بلند ہو جاتا ہے۔ اس کے خیال کی رنگینی لالہ و گل کے جلوے کو آدمی کی نگاہ میں بڑھا دیتی ہے، اس کے فکر کی شمع دلوں کو پروانہ بنا کر اپنے گرد اڑاتی ہے۔ اگر اس کے کلام میں 'بیٹھ جا، آئے تو وہ عیسیٰ کے بیٹھ جا (قم باذنی) سے بھی زیادہ جاں بخش ہوتا ہے۔ اگر اس کے کلام میں 'چلا جا' کا حرف گزر جائے تو وہ 'تشریف لائیے' سے زیادہ دل کو کھینچتا ہے۔ اس کا ہر مصرع ایک خوب صورت معشوق کے مانند ہے کہ جو ابروؤں کے کمان سے نکلنے والے تیر کی طرح ہمیشہ برجستہ اور ٹھیک نشانے پر جانے والا ہوتا ہے۔ اس کا ہر شعر ایک ایسا خنجر ہے جو دلوں کو چاک کرتا ہے اور سروں کو پھوڑتا ہے تیس سال کے عرصے مشق سخن میں مصروف ہے اور مرزا ولی عہد بہادر جو تمام دنیا کے مرشد زادہ ہیں ان کی سرکار میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس جیسی مشق و مہارت کسی دوسرے میں دیکھی نہیں ہے اور اس کے ساتھ رطب و یابس کہ جو بسیار گویوں کا طریقہ ہے اس کے کلام میں کم کم پائی جاتی ہے۔ تمام اصناف سخن پر اس کو پوری قدرت حاصل ہے اور اس تمام کے ساتھ وہ تسلیم شدہ اور مستقل شاعروں میں سے ہے۔ شاعری کی اس بہتات اور اشعار کے اس درجہ ہجوم کے باوجود ابھی تک اپنا دیوان ترتیب نہیں دیا ہے۔ اس سے کبھی کبھی مجلس ملاقات رہتی ہے۔ وہ اپنے زمانے کے منتخب اور بے نیاز لوگوں میں سے ہے۔ اس کے اشعار ہیں :-

چاندنی نے شب تجھ بن روپ یہ دکھایا تھا
مجھ کو ماہتابی پر دھوپ میں بٹھایا تھا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا
کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہ گاروں کا

مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر
مجھ سے کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا

لبوں پر جاں عبث ہے منتظر وہ شوخ کب آیا
اگر چلم کو بھی آیا تو ہم جانیں گے اب آیا

تامل کیجیو ذوق تپیدن دیکھیے کیا ہو
کہ اب تک ذبح کرنے کا نہیں قاتل کو ڈھب آیا

ہاتھ تو ہلکا پڑا تھا یار کی شمشیر کا
زخم پر قسمت سے میری کارگر اچھا ہوا

لکھیے اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا

دل تو لگتے ہی لگے گا حوریان عدن سے
باغ ہستی سے چلا ہوں ہائے پریاں چھوڑ کر

ٹھہری ہے ان کے آنے کی یہاں کل پہ جا صلاح
اے جاں برلب آمدہ تیری ہے کیا صلاح

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے ہے تو آنکے پاس
بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس

نہیں تدبیر کچھ بنتی پڑے سر کو پٹکتے ہیں
نہ دل چھوڑے ہے اسکو اور نہ ہم دل چھوڑ سکتے ہیں

مر گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں
بیوفا پوچھے ہے کیا دیر ہے لے جانے میں

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں
کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں

وہ جانے پر مرے کس وقت آئے دیکھنا
جب کہ اذن عام میرے اقربا کہنے کو ہیں

ہاں تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں
ابھی چھاتی مری تیروں سے چھنی خوب نہیں

اس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے سوا
پر وہاں رقیب ہو تو جہنم سے کم نہیں

دیکھا دم نزع دل آرام کو
عید ہوئی ذوق وبے شام کو

عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو
وہ لب پر آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ بن ہم نے
ورنہ ہے زہر تو ہر طرح گوارا ہم کو

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے
موت پڑتی ہے اجل کو یہاں تلک آتے ہوئے

وہ نہ جاگے رات ہم کو ضد سے بخت خفتہ کے
بج گیا آخر گجر زنجیر کھڑکاتے ہوئے

قطرہ قطرہ آنسو جس کی طوفاں طوفاں شدت ہے
پارہ پارہ دل ہے جس میں تودہ تودہ حسرت ہے

قسمت برگشتہ دیکھو اک نگہ کی تھی ادھر
سو بھی آکر تا سر مژگاں حیا سے پھر گئی

زخمی میں ہوا ہوں تری دزدیدہ نظر سے
جانے کا نہیں چور مرے زخم جگر سے

وہ اپنے سینے میں ہے آہ آتشیں اے ذوق
کہ برق دیکھے تو فی النار والسقر ہو جائے

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

الفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جانے
یہ درد ایسا ہے کہ سر جائے تو جانے

ذکر کچھ چاک جگر سینے کا سن سن اپنے
کر سکے میں ضبط ہنسی دیکھوں ہوں ناخن اپنے

زخم دل پر کیوں مرے مرہم کا استعمال ہے
مشک اگر مہنگا ہے تو کیا لون کا بھی کال ہے

جوش گریہ کا مرے تم کچھ نہ پوچھو ماجرا
چادر آب رواں منہ پر مرے رومال ہے

زباں پیدا کروں جو آسیا سینے میں پیکاں سے
دہن کا ذکر کیا یہاں سر ہی غائب ہے گریباں سے

فلک کیا فتنہ سازی ہو ہمسر چشم فتاں سے
گرا تھا یہ بھی اشک سرمہ آلود اس کی مژگاں سے

یہاں تک ناتواں ہیں ہم گزر جائیں اگر جاں سے
اٹھائے مور لاشے کو ہمارے دست مژگاں سے

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخئ دوراں سے

صراط عشق پر ازبسکہ ہے ثابت قدم میرا
دم شمشیر قاتل پر بھی خوں جم جاتا ہے میرا

موذیوں کو حق نہ دے آنکھیں کہ تا لا دیں بلا
عین حکمت تھی کہ معدوم البصر عقرب بنی [1]

اے غم مجھے تمام شب ہجر میں نہ کھا
رہنے دے کچھ کہ صبح کا بھی ناشتا چلے

بل بے غرور حسن زمیں پر رکھے نہ پاؤں
مانند آفتاب وہ بے نقش پا چلے

نہ ہوا آب شہادت سے گلو تر نہ ہوا
مستعد جب وہ ہوا ہائے تو خنجر نہ ہوا

جل کے میں خاک ہوا تو بھی رہا دل مضطر
پر وہ سیماب ہے کشتہ نہ ہوا پر نہ ہوا

ذوق بیمار محبت ہے خدا خیر کرے
کہ بہ آزار ہوا جس کو وہ جاں بر نہ ہوا

اس نے مارا رخ روشن کی دکھا تاب مجھے
چاہیئے جائے کفن چادر مہتاب مجھے

کل جہاں سے کہ اٹھا لائے تھے احباب مجھے
لے چلا آج وہیں پھر دل بیتاب مجھے

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں
قبلہ و کعبہ لکھا کرتا ہے القاب مجھے

بے یار روز عید شب غم سے کم نہیں
جام شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں

دیتا ہے دور چرخ کسے فرصت نشاط
ہو جس کے پاس جام وہ اب جم سے کم نہیں

پی بھی جا ذوق نہ کر پیش و پس جام شراب
لب پہ ہے توبہ تو دل میں ہوس جام شراب

[1] یہاں تک نسخۂ رام پور میں اشعار موجود ہیں۔ باقی اشعار نسخۂ نولکشور لکھنؤ سے لکھے گئے ہیں۔ ح

مجھ کو اس بوسہ دندان نے پس از بوسہ لب
دیئے نقل نمکین چند پس جام شراب

ترے کوچے کو وہ بیمار غم دارالشفا سمجھے
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اس کو پر تیر قضا سمجھے

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے
اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے

ہر اک گردش ہیں سو انداز ناز فتنہ زا سمجھے
فلک کو ہم کسی کافر کی چشم سرمہ سا سمجھے

نہ دے رخصت نظر کو میری جانب کیوں تغافل سے
اسے بھی آپ کیا میرا ہی بخت نارسا سمجھے

حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا
حساب دوستاں در دل اگر وہ دلربا سمجھے

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

تصور کس طرح بھولے ترا اس چشم گریاں کو
نکالے مینہ برستے میں کوئی کیا گھر سے مہماں کو

نکالوں کس طرح سینہ سے اپنے تیر جاناں کو
نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو

دانہ خرمن ہی ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو
ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو

اس بلندی پہ دیا عشق نے پہونچا ہم کو
کہ فلک آیا نظر خال سے چھوٹا ہم کو

ہم وہ مجنوں ہیں کہ دل اپنا ہے صحرا ہم کو
اور جوں خیمہ لیلا ہے سویدا ہم کو

کس سے تدبیر درستی ہو ہماری جوں زلف
کہ شکستوں نے بنایا ہے سراپا ہم کو

جا بجا نام تو جوں نقش قدم چھوڑ گیا
خاک گم ہو گئے گیا ڈھونڈنے عنقا ہم کو

اثر کفر ہے طاعت سے بھی اپنی پیدا
نقش سجدہ کا ہے پیشانی   ہم کو

اپنا ہے کعبہ
خوف گرداب   ہم کو

ایک دم عمر طبیعی ہے یہاں مثل حباب
فکر امروز ہے نہ ہی غم فردا ہم کو

ایک حلاوت ہے عداوت میں بھی اس ظالم کے
کہ دیا زہر بھی جو اس نے تو میٹھا ہم کو

ذوق بازی گہہ طفلاں ہے سراسر یہ زمیں
ساتھ لڑکوں کے پڑا کھیلنا گویا ہم کو

مرتے ہیں تیرے پیار سے ہم اور زیادہ
تو لطف میں کرتا ہے ستم اور زیادہ

گھبرانا جو یاد آیا ترا ہو کے ہم آغوش
گھبرانے لگا سینہ میں دم اور زیادہ

اس زلف کے مارے کی اگر خاک کو چاٹے
پیدا لب افعی سے ہو سم اور زیادہ

ہیں تیرے رشک خط رخسار سے
دل میں آئینہ کے جوہر خار سے

شرح فرط حسرت دیدار سے
جو نگہ ہے کم نہیں طومار سے

بعد مردن بھی خیالِ چشم فتاں ہی رہا
سبزہ تربت میرا وقف غزالاں ہی رہا

ہیں ہمیشہ عاشق پیچیدہ مویاں ہی رہا
خاک پر روئیدہ میرے عشق پیچاں ہی رہا

پاؤں کب نکلا رکاب حلقۂ زنجیر سے
توسن وحشت ہمارا گرم جولاں ہی رہا

کب لباس دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

سب کو دیکھا ہے اس کو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

آگے زلفیں دل میں بستی تھیں وہ راتیں تھیں تری
ملک دل اپنا ہمیشہ کافرستاں ہی رہا

حلقہ گیسو میں دیکھی کس کے رخسارہ کی تاب
شب مہ ہالہ نشیں سر در گریباں ہی رہا

مجھ میں اس میں ربط ہے گویا بہ رنگ بوئے گل
وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

دین و ایماں ڈھونڈتا ہے ذوق کیا اس وقت میں
اب نہ کچھ دیں ہی رہا باقی نہ ایماں ہی رہا

مے ملا کر ساقیاں سامری فن آب میں
کرتی ہیں جادو سے اپنی آگ روشن آب میں

زلف افعی وش کو دھووے گر آب میں
ہووے جائے موج پیدا مار رہ زن آب میں

چشمہ آمد میں کب تر ہوا پائے نگاہ
اس طرح جاتی ہیں دیکھا پاکدامن آب میں

پھرتا ہے سیل حوادث کوئی مردوں کا منہ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

صحبت صافی دلوں سے ہوں مکدر تیرہ دل
زنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں

اب بھی گریہ سے نہیں فرصت مجھے نوارہ وار
گو کمر میں ڈوبا کھڑا ہوں تا بگردن آب میں

طاس قلیاں میں رکھا ہے اس نے ابر مردہ کو
ڈوب مر رو رو کے تو اے ابر بہمن آب میں

دیکھنا آبی دوپٹا منہ پہ اس کے وقت خواب
برج آبی میں ہے مہ یا مہر روشن آب میں

میں وہ ہوں تفتہ دل کر جائے ایک دریا کو جذب
گر پڑے گر ذرہ میری خاک مدفن آب میں

یوں رہا ہیں زندگی بھر تشنۂ دیدار یار
جیسی مستسقی کا دم ہوتا بمردن آب میں

سایۂ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے
اژدہا بن بن کے شب اے رشک گلشن آب میں

وعدہ ہے آنے کا اس کے ابر کھل جائے تو آئے
ڈالتا ہوں دمبدم اٹھ اٹھ کے روغن آب میں

خط کو ہم لکھنے جو بیٹھے آنکھ سے امڈے اشک
بہہ گیا خط لکھتے لکھتے مشفق من آب میں

تیر چٹکی میں لیا اس نے کیے جان عدو
رشک میرے دل میں کیا کیا چٹکیاں لینے لگا

نام میرا سن کے مجنوں کو آ گئے
بید مجنوں دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا

مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر
مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

لے کے آئینہ جو دیکھی حسن کی اپنے بہار
اپنے بوسہ آپ وہ غنچہ دہاں لینے لگا

حسن سے ہی تا دل آ من بھی گرم اختلاط
شمع کی گل گیر جب منہ میں زباں لینے لگا

موت اس کو یاد کرتی ہے خدا جانے کہ گور
یوں ترا بیمار غم جو ہچکیاں لینے لگا

ان کو اے ذوق اس کی نوک مژگاں کا خیال
تن پہ ہر مو سے میرے کار سناں لینے لگا

زندہ تو ڈوبے ہے اور تیرے ہے مردہ آب میں
بوجھ شاید جسم کا کم ہے نفس کے بوجھ سے

مت لگا اے عشق دل کے آبلہ پر نقش غم
ٹوٹ جائے گا یہ گنبد اس کلس کے بوجھ سے

باندھ دی ناقہ کی گردن میں دل نالاں قیس
بوجھ کم ہے اس کا اے لیلی جرس کے بوجھ سے

کہاں تلک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے
نہ دے تو جام ڈبو کر کوئی کباب تو دے

کھلے ہے ناز سے گلشن میں غنچۂ نرگس
ذرا دکھا اسے تو چشم نیم خواب تو دے

بلا سے آپ نہ آئیں پر آوے ان کا
تسلی آ کے مجھے وقت اضطراب تو دے

صبا بگولے میں ہو کشتگان زلف کی خاک
کہ بعد مرگ مجھے معلوم پیچ و تاب تو دے

بلا سے کم نہ ہو گریہ سے میرا سوز جگر
بجھا پر ان کے ذرا آتش عتاب تو دے

نشہ میں ہوش کسے جو گنے حساب کرے
جو تجھ کو دینے ہیں بوسے بلا حساب تو دے

جواب نامہ نہیں گر تو رکھہ دو نامۂ یار
جو پوچھیں قبر میں عاشق سے کچھ جواب تو دے

رکھے ہے حوصلہ دریا کب اہل ہمت کا
نہیں یہ اتنا کہ بھر کاسۂ حباب تو دے

خنک دلوں کی اگر مشت خاک دوزخ میں
پڑے تو واقعی ایک بار آگ داب تو دے

پہنچ رہوں گا سر منزل فنا اے ذوق
مثال نقش قدم کرنے ما تراب تو دے

کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے
حوروں پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے

دل صاف ہو تو چاہیئے معنی پرست ہو — آئینہ خاک صاف ہے صورت پرست ہے
دولت کی رکھ نہ مارِ سرِ گنج سے امید — موذی وہ دے گا کیا کہ جو دولت پرست ہے
عنقا نے گم نشان کیا نام کے لیے — گم گشتہ کون کہتا ہے شہرت پرست ہے
بہ ذوق مے پرست ہے یا ہے صنم پرست — کچھ ہے بلا سے لیک محبت پرست ہے
شوق نظارہ ہے جب سے اس رخ پرنور کا — ہے مرا مرغ نظر پروانہ شمع طور کا
نزع میں بھی دھیان تھا اس نرگس مخمور کا — مجھ کو شربت میں مزا آیا ہے انگور کا
ظلمت میں اپنے دخل ہے کب نور کا — ایک شعلہ سا ہے سو بھی چراغ دور کا
تیرے کوچہ میں تن لاغر ترے رنجور کا — ایک غبار ناتواں ہے کارواں مور کا
میں وہ ہوں نخچیر جس کو دیکھتا ہے وقت ذبح — دیدۂ حسرت سے حلقہ جوہر ساطور کا
اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رشک پری — بال بھی باندھے جو مستے پر تو زلف حور کا
دل کا یہ احوال ہے غم میں ترے اے مست ناز — جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا
حق تو یوں ہے یہ انانیت عجب غماز ہے — قصہ پہنچایا زبان دار پر منصور کا
عشق کے مکتب میں ہے فرہاد سے تیز ذہن — تین دن چاٹے اگر تعویذ میری گور کا
جھانکتے ہیں وہ نہیں جس روزنِ دیوار سے — وائے قسمت ہو اسی روزن میں گھر زنبور کا
کھینچے مانی اس پری کی کیونکہ تصویر کفک — جمع ہو جب تک نہ رنگ سرخ روے حور کا
تو ہو بعد از مرگ بھی گر اے محبت دستگیر — استخواں سے ہو میرے دستہ تیری ساطور کا
عشق نے ڈالی تھی جب قصر محبت کی بنا — لکھ دیا تھا کوہکن بھی نام ایک مزدور کا
بل بے وحشت ابتلک بھی شاخ آہو کی طرح — پیچ کھاتا ہے دھواں میرے چراغ گور کا
ذوق راہ عشق وہ کوچہ ہے جس کی خاک میں — ہے درِ تاج سلیماں بیضہ بیضہ مور کا
شمع نازاں نہ ہو ایک رات بہا آنسو گرم — برسوں یہاں چشم سے ٹپکا ہے میرے لہو گرم
مہروش بل بے ترے حسن جہاں تاب کی تاب — رخ سے گرم آئینہ ہو آئینہ سے زانو گرم
دست خورشید کے رعشہ سے سپر جائے چھوٹ — کھینچ کر تیغ کو جب ہو وہ ہلال ابرو گرم
دلِ عاشق کے جلانے کا ہے سارا ساماں — شعلہ ہے ترے رنگ بھبوکا رو گرم

کونسا سوختہ جاں صبح سے ہے گرم فغاں
کہ ہوا آئے ہے کوچے سے ترے گلرو گرم

ہم تو سنتے تھے سدا گل حموص بارد
ذوق ہوتا ہے وہ کیوں ہوکے ترش و گرم

قبر میں عاشق جو تیرا مضطرب احوال ہے
لوح بالین پر بھی لکھا سورۂ زلزال ہے

ہم نے جانا تھا کف پا میں تمہارے خال ہے
لیکن اب دیکھا سویدائے دل پامال ہے

ابر برسوں روچکا سوز غم سے اب تلک
خاک میرے ڈھیر کی اڑنے میں جیسے رال ہے

میرے دود آہ سے یہاں تک زمانہ ہے سیاہ
آفتاب آسمان زنگی کے منہ کا خال ہے

دل میں شکل یار کب آئی نظر بے اضطراب
قلعئ سیماب بن آئینہ بے تمثال ہے

میں وہ مجنوں ہوں کہ میرا کاغذ تصویر بھی
مثل عیدی باعث خوشنودئ اطفال ہے

جیسی ہے دل میں کسی کے نوک مژگاں کی خلش
نشتر زنبور ہے تن پر میرے جو بال ہے

دل پہ ہوں گر داغ سوزان عشق میں اے کوہکن
پھر تو خسرو کا ہی گنج سوختہ کیا مال ہے

کھاؤں میں بیڑا جو اس بن کیونکہ دل ٹکڑے ہو
جو رگ پاں ہے وہ مجھ کو شیر کا سا بال ہے

ہیں جہاں مدفن تمہارے کشتگان زلف کے
نخل کیا بید مجنوں ہے وہاں یا جال ہے

شوخ قاتل کو مرے کیا چاہیئے ہے رنگ پاں
خون اعجاز مسیحا سے لب اس کا لال ہے

بسکہ ہے نوروز اپنا آفتاب بادہ سے
دور ساغر ہم کو ساقی گردش یکسال ہے

کھل گیا مضمون شکست دل کا بن خط کے پڑھے
نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے

ہے اسیران محبت کی بلا سینہ میں آگ
شعلۂ جوالہ ساں طوق گلو تک لال ہے

روز محشر سے کئی دن دیکھنے کو چاہئیں
گر یہی اے ذوق طول نامۂ اعمال ہے

موئے سر ماران سیہ کا ایک سراسر لشکر ہے
مانگ جو ہے ایک یار سفید اس لشکر کا سر لشکر ہے

آبلہ ہائے سینہ جو خیمہ سی دکھائی دیتی ہیں
مزرع دل پر میرے پڑا کیا غم کا آکر لشکر ہے

ہو وے دل مظلوم ہمارا کیوں نہ شہید دشت بلا
دیپے اس کے شامیوں کا وہ زلف معنبر لشکر ہے

کعبہ تو بہ خدا ہے رکھے آج کہ جوش ابر نہیں
ایک اصحاب الفیل کا سایہ دوش ہوا پر لشکر ہے

میں وہ شاہ کشور ہوں یارو جسکے ساتھ سدا
جوش اشک کی دولت سے جوں موج سمندر لشکر ہے

خال چشم جاناں کا مژگاں سے تجمل دیکھو تو
اترا پشت پہ مچھلی کے کیا لیکے سکندر لشکر ہے

گاہ ہجوم یاس میں ہے دل گاہ ہجوم حسرتیں — ہے یہ سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے
ہووے امام برحق پیدا ذوق اگر تو دیکھے کبھی — ہوتا گرد اسلامیوں کا جوں سبحہ گوہر شکر ہے

میں ہجر سے مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا — تم وقت پر آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا
جینا نظر اپنا ہمیں اصلا نہیں آتا — گر آج بھی وہ رشک مسیحا نہیں آتا
مذکور تیری بزم میں کس کا نہیں آتا — پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا
وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا — پر میرا جگر دیکھ کہ میں اف نہیں کرتا
کیا قہر ہے وقفہ ہے ابھی آنے میں اسکے — اور دم میرا جانے میں توقف نہیں کرتا

کرے ہے شرع کا پاس نمک مدام شراب — حرام ہی نہیں لیکن نمک حرام شراب
یہ ایسا ماہ مبارک یہ ایسا کار سعید — شروع دیکھ کے کیجے مہ صیام شراب

بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج — کہہ اے طبیب تو ہے کہ پھر تیرا کیا علاج

فرقت کی رات جی چکے ہم تا زمان صبح — ہو گئے اذان گور ہمارے اذان صبح
پر نور ہے ترا رخ سیمیں بسان صبح — آنکھیں ہیں تیری مست صبوحی کشان صبح
اب میکدے میں شام کو ناقوس پھونکیے — مسجد میں مدتوں رہی تسبیح خوان صبح
ریش سفید شیخ میں ہے ظلمت قریب — اس مکر چاندنی میں نہ کرنا گمان صبح

ہے زلف تیری سنبل صحن چمن کی شاخ — قطروں سے پر عرق کے بنی یاسمین کی شاخ

چمن سے بعد ہمیں جیسی سین و قاف قفس — قفس میں بند ہیں ہم مثل فائے ناف قفس

پر کترنے کو جو صیاد نے چاہے مقراض — ہاتھ ملتے تھے مرے حال پہ کیا ہی مقراض
نام فریاد سے ہوتے ہیں جگر کے ٹکڑے — ہوتا ہے حق میں مرے مطلع آہ ہے مقراض
بحر و بر میں ہے ہر ایک کو ہوس قطع و برید — ناخن شیر ہے خنجر دم ما ہے مقراض

پھر کر ادھر ادھر بھی نہ اپنا گیا قلق — لفظ قلق کی طرح سے یوں ہیں اقلق

عنقا کی طرح خلق سے عزلت گزیں ہوں میں — ہوں اس طرح جہاں میں کہ گویا نہیں ہوں میں
اس رہ پہ شوق سجدہ سے فرش زمیں ہوں میں — مانند سایہ سر سے قدم تک جبیں ہوں میں
میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں — میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں

میں وہ شکستہ دل ہوں دوزخ میں تنگ ہوں — آہن کی طرح آگ میں بھی لالہ رنگ ہوں
جو ہے سو پہلے میرے اٹھانے کی فکر میں — محفل میں اس کی میں کوئی چوبِ کرنگ ہوں
مرے جو موت کے عاشق بیان کبھو کرتے — مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
غرض تھی کیا ترے تیروں کو آبِ پیکاں سے — مگر زیارتِ دل کیوں کہ بے وضو کرتے
اگر یہ جانتے چن چن کہ ہم کو توڑیں گے — تو گل کبھو نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
نہ رہتی یوسفِ کنعاں کی خوبیٔ بازار — مقابلہ میں جو ہم تجھ کو روبرو کرتے
یقین ہے صبحِ قیامت کو بھی صبوحی کش — اٹھیں گے خواب سے ساقی سبو سبو کرتے
سراغِ عمرِ گذشتہ کا کیجیے گر ذوقؔ — تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

جس ہاتھ میں خاتمِ لعل کی ہو گر اس میں زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دستِ موسیٰ جس میں اخگرِ آتش ہو

پوشاک آپ کی آپ کو گر دل پسند ہو — دریا پری حباب کے شیشہ میں بند ہو
لگے اس شعلہ خو کے کون مجھ سا زار دامن سے — الجھ سکتا ہے کوئی برق کے بھی خار دامن سے
لگی ہے اس تمنا میں مری ہر خار دامن سے — کروں دس تار میں گر ہو عطا ایک تار دامن سے

ذوقاؔ

ذوقاؔ تخلص اور نام ذوقا شاہ ہے۔ بنارس کا رہنے والا ایک درویش ہے۔ ننگے سر ننگے پاؤں رہتا ہے۔ میرٹھ شہر بھی رہ چکا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

نے بام ہیں زیبِ زینت کسی در کے — ہم باٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ ادھر کے

ذوقیؔ

ذوقیؔ تخلص اور نام ذوقی رام ہے۔ مراد آباد کا رہنے والا ہے۔ زکی مہدی علی کا شاگرد ہے۔ عطر فروشی سے بسر اوقات کرتا ہے کہتے ہیں کہ ہولی کے دنوں میں کہ جو ہندوستان کے لوگوں میں موج و مستی کا زمانہ ہے، غربا کے طبقہ کی

تقلید میں گلی بازار میں اشعار پڑھتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

ملنے سے تصور میں کچھ کم نہ مزا دیکھا
گر وہ نہ ہوا اس کی تصویر ہے اور میں ہوں

ذوقی

ذوقی تخلص اور شاہ ذوقی کے نام سے معروف لکھنؤ کا رہنے والا ایک درویش ہے۔ اس کے اشعار ہیں :۔

اپنی یہ چاہ اس کی وہ صورت — اے عزیزو نگاہ کیجے گا
رکھ ہاتھ وہ قبضہ پر برہم ہو لگا کہنے — اب تو ہے ترا سر ہے شمشیر ہے اور میں ہوں

حرف الراء المہملة

راقم

راقم تخلص اور نام غلام محمد ہے۔ (کتابت کے) بیشتر خطوں میں مہارت حاصل ہے۔ اپنی فارسی دانی کے لیے بھی مشہور ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں :۔

بس کر چکے عاشقی مری جان — غصے سے ترے جو ڈر گئے ہم
جب میں نے کہا تم نے ملاقات اڑا دی — تو اس نے ہنسی میں یہ مری بات اڑا دی

راقم

راقم تخلص اور نام بندرا بن ہے۔ بعض نے اس کو متھرا اور بعض نے جہان آباد کا ساکن لکھا ہے۔ اس کے نام اور طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متھرا کا باشندہ ہے۔ اس کی شاگردی کے معاملہ میں بھی لکھنے والوں میں

اختلاف رائے ہے۔ کوئی اس کو مرزا مظہر کا شاگرد لکھتا ہے اور کسی نے مرزا رفیع سودا کا شاگرد لکھا ہے۔ بہرحال اس کے اشعار سنیئے اور اس بحث و تکرار کو بھول جائیے:۔

مری بدشرابیوں سے کریں توبہ میگساراں
رہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں

یہاں تک قبول خاطر کیجئے تری جفا کو
تاسب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

راغب

راغب تخلص اور نام مرزا سبحان قلی بیگ ہے۔ نسلاً ایرانی ہے۔ جہان آباد میں پیدا ہوا۔ ایک عرصہ تک انشاء اللہ خاں کے ساتھ ان کا طرفدار بن کے رہا اور بہت بے باک ہجویں لکھیں۔ سعادت یار خاں رنگین کے دوستوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

رشک چمن جو اٹھ گیا آج ہمارے پاس سے
اپنے برنگ گل یہاں اڑ گئے کچھ حواس سے

منہ دوپٹے میں چھپایا اس نے
دل کو پردے میں بسایا اس نے

رافت

رآفت تخلص اور نام رؤف احمد ہے جس کا سلسلہ نسب شیخ احمد المعروف بہ مجدد الف ثانی، خدا ان کی قبر کو نور سے بھر دے، تک جاتا ہے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ اب رام پور میں رہتا ہے۔ قلندر بخش جرأت کا شاگرد ہے۔ بہت بار دلی آیا اور غلام علی شاہ سے طریقہ رضیہ صوفیہ کی تعلیم حاصل کی۔ اشعار میں صنائع لفظی باندھنے کی بہت کوشش کرتا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

یہ کس کی مژگاں کے آہ یارب پھرے ہیں بر میں ہمارے برمن
کہ شکل غربال پڑ گئے ہیں ہزاروں روزن دل و جگر میں

راسخ

راسخ تخلص اور نام غلام علی ہے۔ بہت درویشانہ زندگی بسر کی۔ سن ۱۲۴۰ھ (ایک ہزار دوسو چالیس) میں انتقال ہوگیا۔ اس کے اشعار ہیں:۔

دشمنی در پردہ کی اے وائے تم نے کیا کیا
آپ تو پردے میں بیٹھے اور ہمیں رسوا کیا

اب اور لگا ہونے ایجاد گلستاں میں   راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں

راجہ

راجہ تخلص اور نام راجہ بہادر ہے۔ راجہ شتاب رائے کا بیٹا ہے جو صوبۂ بنگال میں ناظم مامور تھے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہنچے   ہم ان تلک نہ پہنچے وہ ہم تلک نہ پہنچے

رجا

رجا ایک خراب وخستہ حال شخص کا تخلص ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

مہرو کے شب کو آنے کی یہاں دھوم دھام ہے
بہتر ہزار صبح سے یہ اپنی شام ہے

رسا

رسا تخلص ہے۔ امیر تیمور کے خاندان کا ایک شخص ہے۔ اس کا شعر ہے:

ہم بھی ہیں رسا وقت کے یہاں اپنے سلیماں   ہے قید میں ہر ایک پری زاد ہماری

رسا

رسا تخلص اور نام مولوی علیم اللہ ہے کسی مشرقی ضلع کا رہنے والا ہے

اس کا شعر ہے:۔ کب حوصلہ تھا دل کو ستم گر کی چاہ کا
خانہ خراب ہو نگہ رو سیاہ کا

رستم

رستم تخلص اور نام سید رستم علی خاں ہے۔ سرکار سہارن پور کے مضافات جانسٹھ کا رہنے والا ہے اور نواب عبداللہ خاں فرخ سیری کے پوتوں میں سے ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

کب تلک ہجر کے دن دیکھئے ہم دیکھیں گے
آستیں اشک سے ہر رات کو نم دیکھیں گے

رسوا

رسوا تخلص اور آفتاب رائے نام ہے۔ کسی جوہری کا بیٹا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں اپنی رسوائی سے جانا گیا (خانماں برباد ہو کر) گلی کوچوں اور بیابانوں کی خاک چھانتا پھرتا تھا اور ایک دم بھی شغل شراب کے بغیر آرام سے نہ رہتا۔ شراب سے اس کی رغبت اس درجہ کو پہنچی کہ مرتے وقت موجود حاضرین کو یہ وصیت کی کہ اس کے (جسد خاکی) کو محض شراب سے نہلایا اور دھویا جائے۔ کہا جاتا ہے انھوں نے ایسا ہی کیا (اور کمال کی بات یہ ہے کہ) اس کے لباس اور بدن سے قطعاً بو نہیں آتی تھی۔ بہر حال یہ روایت کرنے والوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کوئی جا نہیں زمیں پہ کہ اشکوں سے نم نہیں
رسوا بھی اس زمانے میں مجنوں سے کم نہیں
وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بے تاب ہو
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

رضاؔ

رضاؔ تخلص ہے۔ رام پور والوں میں سے ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

اب کوئی لحظہ میں مجنوں پہ بلا آتی ہے　　جرس ناقۂ لیلےٰ کی صدا آتی ہے

رضاؔ

رضاؔ تخلص اور نام میر رضا علی ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے۔ طغرا نویس (خطاط) ہے۔ اس کے اشعار ہیں:۔

ہدف ناز جو کل سینے کا صندوق ہوا　　تیر جو دل میں لگا سو لب معشوق ہوا

مت پوچھو رضا کا کچھ حال غم تنہائی　　ایک دل تھا سو کھو بیٹھا ایک کے ہے سودائی

رضاؔ

رضاؔ تخلص اور نام حمید الدین ہے۔ حکیم کلوئی چاند پوری کا بیٹا ہے یہ دو شعر اس کے ہیں:۔

آہ کیا دن تھے کہ ہم ساتھ ترے اے گلرو　　دو قدم صحن خیاباں میں چلے بیٹھ گئے

اب یہ حالت ہے کہیں چھپ کے ترے کوچے میں　　ہیں گنہ گار جو دیوار تلے بیٹھ گئے

رضاؔ

رضاؔ تخلص اور نام میر محمد رضا ہے۔ عظیم آباد کا رہنے والا ہے۔ میر کے پرتو سے روشنی حاصل کی ہے۔ آغاز شباب سے زہد و تقویٰ کی طرف بہت رجحان ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

اس کا کچھ انجام بھی سمجھا کہ تو نے اے فلک
حسن روز افزوں وہاں یہاں عشق شور افزا دیا

رضا

رضا تخلص اور نام مرزا جیون ہے۔ محمد مرزا جان کا بیٹا ہے میر نظام الدین ممنون کے شاگردوں میں سے ہے۔ اسی شہر کا رہنے والا ہے۔ صاحب دیوان ہے۔ راقم سے جان پہچان تھی۔ چند سال قبل انتقال کر گیا۔ اس کے اشعار یہیں :۔

تمہارے وصف دنداں میں یہ ہم سے شعر ہوتے ہیں
کہ گویا رشتۂ مضمون میں موتی پروتے ہیں

غیر سے گرم اختلاط ہے وہ ہم بھی سنتے ہیں اور جلتے ہیں
کون سے وحشی کی اسکو اسقدر ہے یاد آہ سنگ سے اب تک بھرا جو دامن کہسار ہے

رضا

رضا تخلص اور نام میر محمدی ہے۔ سید ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور میر ضیا کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اس کا شعر ہے :۔

نقش شیریں کا مٹے پتھر سے پر اس کا خیال یہ نہیں ممکن کہ جاوے خاطر فرہاد سے

رضی

رضی تخلص اور نام سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر صلابت جنگ ہے شاہ جہاں آباد کا رہنے والا عالی طبع امرا میں سے ہے۔ اثنا عشری مسائل سے (کما حقہ) واقفیت کے لیے مشہور تھا۔ کچھ دن ہوئے ہیں کہ اس جہان فانی سے گزر گیا۔ فقیر سے بھی جان پہچان تھی۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

مرے قتل کرنے میں دو فایدے ہیں ترا نام ہوگا مرا کام ہوگا
بن عشق آدمی کی ذرا شان ہی نہیں جس کو نہ ہووے عشق وہ انسان ہی نہیں

دیکھ ٹک شمع کو عاشق کے ستانے والے　　کس طرح جلتے ہیں اوروں کے جلانے والے

رضی

رضی تخلص اور نام مرزا رضی خاں۔ ستارہ شناس ہے۔ لکھنؤ کے امرا میں سے ہے۔ نواب وزیر الممالک سے رشتہ داری کا تعلق ہے۔ مثنوی لیلیٰ و مجنوں کو ریختہ زبان میں (لکھ کر) اپنے قلم سے تازہ کیا ہے۔ میری نگاہ سے نہیں گزری۔ اس کا شعر ہے:-

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی
یہ ہم پہ مہربانی ہے اس مہربان کی

رغبت

رغبت تخلص اور نام میر ابوالمعانی ہے۔ لکھنؤ کا باشندہ ہے۔ اس کا شعر ہے:

یاد ہے راتوں کو چھپ چھپ کے وہ آنا اپنا　　چٹکیاں میری وہ لے لے کے جگانا اپنا

رغبت

رغبت تخلص ہے۔ مرادآباد کا رہنے والا ایک شخص ہے۔ اس کے نام نام کا پتہ نہیں چل سکا۔ اس کا یہ شعر یہاں لکھ دیا ہے:-

جس کو اپنی نہیں پروائے جگر سوزی کچھ　　اس کی ہر بات پہ کیوں جی کو جلاتے پھرئیے

رفیق

رفیق تخلص اور نام مرزا اسد بیگ ہے۔ دہلی والا ہے۔ ثناء اللہ خاں فراق کے شاگردوں میں سے ہے۔ مشاعروں کی محفلیں منعقد کرتا تھا۔ یہ اس کے اشعار ہیں:-

روشن رہے گا داغ دل عاشقاں مدام　　ہوگا نہ حشر تک یہ چراغِ مزار گل

ہیہات گر کے ہم نہ اٹھے پھر زمین سے ۔ مانند نقش پا ترے کوچے میں مر مٹے

رفیق

رفیق تخلص اور نام امین اللہ ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

رہ عشق کے کج و پیچ میں جو رفیق تھے سو جدا ہوئے
مگر ایک نالہ و آہ کو مرے دم سے ہمسفری رہی

رفاقت

رفاقت تخلص اور نام مرزا مکین ہے۔ جرأت کے شاگردوں میں سے ہے۔ آغاز جوانی میں ہی اس کی عمر اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

وہاں کیونکہ روئیے کر منڈی جہاں پہ ہو
زانو پہ سر کو دھر کے نہ بیٹھا کرے کوئی

برسوں کی یکدم میں رفاقت جو چھوڑ دے ۔ کیا ایسی زندگی کا بھروسا کرے کوئی

رفیع

رفیع تخلص اور نام رفیع الدین خاں نام ہے لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے ہے۔ مراد آباد آیا اور حرمین شریفین کو چلا گیا۔ یہ اس کا شعر ہے:۔

ناتوانوں کے ستانے سے حذر کر ظالم ۔ عرش بھی آہ سے مظلوم کی ہل جاتا ہے

رقت

رقت تخلص اور نام مرزا قاسم علی ہے۔ خاندانی اعتبار سے مشہد مقدس کا ہے۔ اس کا ایک بزرگ کشمیر میں سکونت اختیار کر گیا تھا۔ چنانچہ یہ اسی شہر میں پیدا ہوا۔ بعد کو لکھنؤ آگیا اور جرأت سے شاعری کی تربیت حاصل

کی۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا　　یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

ہمارے سامنے مت ابر بار بار برس　　جو ہم سے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی　　اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

دیوار گل رخاں کا سایہ مگر پڑا ہے　　زاہد بتا تو مجھ کو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

رنگینؔ

رنگینؔ تخلص اور نام سعادت یار خاں ہے۔ محکم الدولہ طہماسپ بیگ خاں کا فرزند ہے۔ فنون سپاہ گری سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے۔ اس نے بہت شہروں کا سیاحت کی غرض سے سفر کیا ہے۔ جوانی کے دنوں میں کئی عشق کیے ہیں۔ آدمی دوستوں کے ساتھ محفل گرم کرنے والا اور ملنسار ہے۔ بڑھاپے کے باوجود طبعاً ہنسنے ہنسانے والا ہے۔ شاہ حاتم کا شاگرد ہے۔ شاعری کے اصناف میں کئی دیوان موزوں کیے ہیں اور اس تمام کو ایک ہی جلد میں مرتب کر دیا ہے اور اس کا نام "نورتن" رکھا ہے۔ جو کئی دیوان دوسرے ہیں وہ ہزل اور ریختی وغیرہ ہے اس کو اس ذخیرے (نورتن) میں شامل نہیں کیا ہے اس وجہ سے ریختہ اور ریختہ (ہزل وغیرہ) سے بڑی مشکل سے یہ چند اشعار منتخب کیے ہیں۔ یہ تذکرہ (گلشن بے خار) جب آخر کار اپنے اختتام کو پہنچا تو اس کی عمر کا پیمانہ بھی چھلک گیا یعنی جمادی الثانی کے ماہ سن ایک ہزار دوسو اکیاون (۱۲۵۱ھ) میں اس نے اسی سال کی عمر پاکر وفات پائی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس نے یہ کہا تھا کہ اسی سال میں اپنا بوریا بستر عدم آباد کو لے جاؤں گا۔ جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا کئی برس کی بات ہے کہ اپنی موت کا مصرع تاریخ بن چاہے از خود زبان پر آگیا تھا اور یہ کہ اس سال مجھ کو آنجہانی ہوتا ہے (وہ مصرع) خبر دے رہا ہے۔ اور یہ قصہ شاہ حاتم نے کہ جو مشہور شاعر ہے

اور اس کا استاد ہے نقل کیا ہے اور یہ سب جو اتفاق ان کو پیش آیا ہے اس کا خلاصہ میں نے دیکھا ہے ۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

بوسہ تو ہم کو دے کر ثابت گناہ کرے
گر قتل تجھ کو قاتل منظور ہے ہمارا

غرض مند اپنے مطلب سے رکھے ہے کام اے تحسین
وہ آئے یا نہ آئے میں بلائے بن نہیں رہتا

کھینچ لائی ہے اسے اے کشش دل یہاں تک
بارے صد شکر کہ تجھ کو بھی یہ مقدور رہا

اسے ہے شوق کہانی کا ان دنوں میں بہت
یہ طور خوب ہے احوالِ دل سنانے کا

کیا کرتے ہو ناصح تم نصیحت رات دن مجھ کو
اسے بھی ایک دن کچھ جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

پرندے کا نہیں مقدور جو واں جائے پر مارے
کبوتر گر ہمارا نامہ بر ہوگا تو کیا ہوگا

کر اپنے دل میں تو انصاف میں روٹھا رہوں کیونکر
گلے میں ڈال کر باہیں منانا تیرا یاد آیا

قسم ہے ایک عالم کو رلا دیتا ہے اے رنگیں
وہ اس کی جھڑکیاں کھا کر تیرا مجبور رہ جانا

زاہد بتا تو کعبہ میں کیا دیکھتا ہے تو
جاتے ہیں دیر میں تو صنم دیکھتے ہیں ہم

تو نہ گزرے گا جفا سے تو یار
جان سے اپنی گزر جائیں گے ہم

گھر سے تیرے اٹھ کے میں جاتا ہوں وہ تو اس طرح
جیسے تو مکتب میں جاتا تھا کسی ہنگام میں

جو پوچھا ہوں تغافل سے کیوں جلاتے ہو
تو وہ کہے ہے تجھے جان کر جلاتا ہوں

دیکھتے ہیں ان کو ہو جاتے ہیں شادی مرگ ہم
ان کو پاتے ہیں تو پھر ہم آپ کو پاتے نہیں

مسجد میں رہے کعبے گئے دیر میں بیٹھے
یک چند سے اب سیر خرابات کو جی ہے

حوروں کے عوض مجھے الٰہی
دنیا میں تو ایک نازنیں دے

کب مجھ کو بہشت کی ہے خواہش
دیتا ہے جو سو لا یہیں دے

یہی رونا جو ہے تو تم رنگیں
اس کے کوچے سے آج کل نکلے

صلح کو تب آئے اپنے ہم نشیں
مجھ میں اس میں جب صفائی ہو چکی

اسے میں چھپ کے دیکھوں برملا وہ غیر کو دیکھے
بھلا یوں دیکھنا دیکھو تو دیکھا جائے ہے مجھ سے

وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگیں
اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

یہ میرا جی ہی جانے ہے تری تمکنت کے عالم کو
خدا شاہد ہے کچھ تقریر مجھ سے ہو نہیں سکتی

اس اپنے ہاتھ کے گل کی کہوں کیا اک کہانی ہے
نشانی ان کی چھلا تھا سو اس کی یہ نشانی ہے

دم بدم بسکہ ترا حسن فزوں ہے ظالم
روز جی میں ہے کہ کھنچوائیے تصویر نئی

قیامت پر رہا موقوف پھر تو دیکھنا اس کا
اگر اک دم کے دم آنے میں وہ تاخیر کرتا ہے

بنے گی اس سے صحبت کس طرح کچھ کہہ نہیں سکتے
وہ ہرجائی ہے اور بن شغل ہم بھی رہ نہیں سکتے

رنگین

رنگین تخلص اور نام پورن لعل ہے۔ (قوم) کائستھ اور دہلی کا رہنے والا ہے۔ اس کا شعر ہے :۔

رنگیں نہیں ہیں قطرۂ شبنم یہ باغ میں
باد صبا نے مے سے بھرا ہے ایاغ گل

رند

رند تخلص اور نام گنگا پرشاد ہے۔ لکھنوی کشمیری ہے۔ جرأت کے شاگردوں میں ہے۔ اس کے اشعار ہیں :۔

مل چکا میں خاک میں اور دل میں ہے غبار
جان مجھ سے اس قدر کس نے مکدر کر دیا

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم
وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا چرا کر

مانتے ہو گر برا معشوق کہنے سے تو جان
ہم تمہیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں

دیکھیں جو کسی طرف تو رک جائے
کیا کہیے اب ایسے بدگماں کو

وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ
خدا کے فضل سے اپنا جو حال تھا سو ہے

نکلا کبھی نہ گھر سے وہ بے رحم در تلک
چوکھٹ سے اس کی مر گئے سر مار مار کے

رند

رند تخلص اور نام مہربان خاں ہے۔ نواب احمد خاں بنگش کے متوسلین میں سے ہے انھیں کے وسیلے سے فرخ آباد کا ناظم مقرر ہوا تھا اور اس کے علاوہ نواب

ذوالفقار الدولہ مرحوم کے عہد میں افراسیاب خاں کی رفاقت میں رہا۔ مرزا رفیع سوداؔ اس کے مدح خوانوں میں سے ہیں۔ موسیقی کے فنون میں تھوڑی بہت واقفیت رکھتا تھا۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

جس کا تجھ سا حبیب ہووے گا
اس کا عالم رقیب ہووے گا

دل کا گھبرانا کہوں یا کہ نفس کی تنگی
دیکھیے کیا کرے صیاد قفس کی تنگی

ہے مری جان کا یہی دشمن
رند اس دل کو خوار ہونے دے

دیتے ہیں عقد حسن میں عاشق عوض جاں
آتا نہیں تو آپ تو تلوار بھیج دے

رنجؔ

رنجؔ تخلص اور نام میر محمد نصیر ہے۔ خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ کا پوتا اور ان کا سجادہ نشین ہے۔ وہ بہت سی اخلاقی خوبیوں سے متصف ہے اور موسیقی کے رموز کا جاننے والا مشہور ہے۔ صابر و شاکر بندہ ہے۔ اس کی دل کش اور دل کو کشادہ کرنے والی صحبت اس گنہ گار نے بھی اٹھائی ہے اور اس صحبت کا فیض بھی اٹھایا ہے اور اس کے درمیان شعر و سخن کا تذکرہ بھی جستہ جستہ آیا ہے۔ شعر کی پہچان کا اسے اچھا سلیقہ ہے۔ وہ آج کل اشعار نظم نہیں کرتا۔ ان اوراق کو جمع کرتے وقت اس کی خدمت میں حاضر ہو کر بندے نے اس کے اشعار حاصل کیے اور ان میں سے انتخاب کرکے یہاں لکھ دیئے ہیں:۔

خط دیکھ کر ادھر تو مرا دم الٹ گیا
قاصد ادھر بدیدۂ پُر نم الٹ گیا

یقیں ہو گیا دیکھ کر اس کا قامت
کہ بے شک قیامت میں دیدار ہوگا

کھڑکی نکال جانب دشمن نہ بام پر
کوٹھے چڑھی جو بات کھلی خاص و عام پر

بادِ دلوا کے ہم بستری یار رلائے
سو وہ تصویر نہالی ہے بغل کا دشمن

دل یہ جس کے لیے پہلو میں تپاں رہتا ہے
یوں سنا ہے کہ اسے بھی خفقاں رہتا ہے

دیکھی نہیں حالت یہ جدائی میں کسی کی
ہے طور جدا اپنا جدائی میں کسی کی

رونق

رونق تخلص اور نام میر غلام حیدر خاں ہے۔ عظیم آباد کے لوگوں میں سے ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

رحم کر اے دوست گاہے خاکساری پر مری
نقش پا کی طرح تیری راہ میں افتادہ ہوں

روشن

روشن تخلص ہے لیکن اس کا احوال روشن نہ ہوا۔ اس کے خیالات سے ایک شعر:۔

جی میں یہ تھا کہ جان کیجئے نثار
ایک دم بھی وہ بے وفا نہ رہا

روشن

روشن تخلص اور نام روشن شاہ ہے۔ بریلی کی پیدائش ہے۔ بعد میں نقل وطن کر کے بریلی سے میرٹھ آ گیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ دنیا کے جھنجھٹوں سے زیادہ تر دور رہا ہے۔ شادی نہیں کی اور دیگر تجرد پسندوں کے سائے میں (عافیت کا) چنگ بجاتا۔ بے فکری اور ظاہر و باطن کی یک سوئی کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا ہے۔ یہ شعر اس کے ہیں:۔

دیکھ کے مجھ کو منہ کو چھپایا ادھر حیا کا نام کیا
واہ رے تیری دانشمندی اس میں بھی اک کام کیا

غیر سے ہو ویں یار کی باتیں
ہیں یہ پروردگار کی باتیں

آپ کرتے ہیں بار بار نہیں
ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں

کون سی جا ہے کہ جس جا نہ گزر اس کا ہے
مثل خورشید جہاں دیکھئے گھر اس کا ہے

دل کی تپش سے گرمی خورشید سرد ہے
سینہ اگر یہی ہے تو دوزخ بھی گرد ہے

کوچے میں تیرے بیٹھ گئے جب کہ ہم اے یار
جوں نقش قدم پھر نہیں اٹھنے کے زمیں سے

آنکھوں میں ذرا ٹھہر تو تا دیکھ لیں اس کو
اقرار یہ ٹھہرا ہے دم باز پسیں سے

تیرے کوچے کے اشتیاق میں یار
گھر سے ویراں ہوئے وطن سے گئے

حرف الزاء المعجمۃ

زآر

زآر تخلص اور نام برہان الدین خاں ہے۔ بارگاہ سلطانی کے خادموں میں سے ایک ہے۔ خط شکستہ میں ہاتھ اچھا ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

کیونکر اس بت کو یہ حالِ دلِ ناکام لکھوں
کب وہ دیکھے ہے خدا کا بھی اگر نام لکھوں

چرخ کے کیسے انقلاب ہوئے
پر کبھی ہم نہ کامیاب ہوئے

زآر

زآر تخلص اور نام میر منظہر علی ہے۔ نواب احمد علی خاں شوکت جنگ کی خدمت میں رہ کر عزت سے زندگی گزاری۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اگر کچھ بس چلے اپنا تو کاہے کو یہ خواری ہو
نہ چاہیں اس کو اے ناصح جو الفت اختیاری ہو

اب رہائی نے کیا اور پریشاں مجھ کو
خوب تھا اس سے وہی گوشۂ زنداں مجھ کو

زآر

زآر تخلص اور نام میر جیوٗن ہے۔ اس کا اصل وطن کشمیر ہے لیکن وہ اسی

ے نسخہ نول کشور میں میر جنون لکھا ہے۔ (ح خ)

جنت نظیر شہر میں پیدا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اوائل شباب میں لاابالی تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے مزاج میں سودا غالب آگیا اور جنونی ہوگیا۔ بعد میں افاقہ ہوگیا۔ بہر حال یہ جنون عشق کا نہیں تھا کہ جس کا دور ہونا محال ہوتا ہے۔ یہ چند اشعار اس کے خیالات سے انتخاب کیے ہیں :-

یا الٰہی شب فرقت نہ دکھانا ہم کو
ایک دن پہلے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو

آرام جو یہاں ہے نہ ہوگا وہاں مجھے
لے جاؤ گے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے

زکی

زکی تخلص اور نام شیخ مہدی علی ہے۔ آبائی وطن مراد آباد ہے۔ بہت دنوں لکھنؤ میں رہا اور مشہور شعرا سے ملاقاتیں کیں۔ کچھ عرصہ سہارنپور کے مضافات کی ایک تحصیل میں بطور پیشکار کام کیا۔ ایک مرتبہ دہلی کی ہوا بھی دیکھنے آیا۔ مہمان نوازی اور خوشگوار ماحول کے باوجود وہ یہاں ٹھہرا نہیں۔ خفا خفا سا ایک بار پھر آیا اور چند روز رہا۔ جتنے دن وہ شاہ جہاں آباد رہا میرے ساتھ تقریباً روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ آدمی ذہین ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میں نے فرنگی محل کے علما سے نصابی کتابوں کا درس لیا ہے۔ فرنگی محل لکھنؤ کے محلوں میں سے ایک محلہ ہے۔ تاریخ میں پوری مہارت حاصل ہے۔ آصف جاہ والی حیدر آباد کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ بھی کہا ہے جس میں کئی صنائع (شعری) بروئے کار لایا ہے۔ اس جلدی (اور اختصار) میں تمام باتیں بیان کرنا محال ہے اس لیے اس کے ذکر کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ دیوان کا مالک ہے۔ اس کا دیوان میں نے پڑھا ہے اور یہ اشعار اس سے ہی انتخاب کیے ہیں :-

آنکھیں بیان کرتی ہیں افسانہ خواب کا
وحشت ہے آشکار زلیخا کے حال سے

ہجر کا نام ہی سن کے تجھے مرجانا تھا
سختیں اتنی اٹھائیں عبث اے جان حزیں

آفت جاں زکی دل ہی کا آجانا تھا
شعلۂ حسن کبھی برق جہاں سوز نہ ہو

ترک ملاقات کی پوچھو نہ بات ہم سے نہ ملنا اسے منظور تھا
جمالِ یار پہ ہم نے یہ ٹکٹکی باندھی کہ اپنی آنکھ کا تل اس کے منہ کا خال ہوا
آتش عشق کہیں بھڑک اٹھے نہ رکے اختلاط اس سے بہت گرم تمہارا دیکھا
سب لے چکا وہ جان و دل و طاقت و تواں کیوں آئے اب یہاں اسے کیا کام رہ گیا
ہوئی ساقی سے خجل واہ رے کم ظرفی دل بوسۂ لب کی طلب پہلے ہی پیمانے پر
دھوم دیوانے اڑاتے ہیں پری زادوں کی شمع محفل کو لگا دیتے ہیں پروانے پر
یہ جگر دل کا ہے اے سوز محبت ورنہ پھینک دیتے ہیں شرر سینے سے پتھر باہر
کب ہے یقیں کہ عمر دو روزہ کرے وفا کیا کیجئے زکی کسی دیر آشنا سے ربط
شب آنے میں قاتل کے جو دیر گزری تجھے اے اجل یاد کرتے رہے ہم
اٹھائے بہت سے مزے زندگی کے بہت تجھ پہ اے شوخ مرتے رہے ہم
ایک دن اور چاہتے ہیں زکی عاشق طرۂ دوتا ہیں ہم
ہم گرفتار ہیں بے بال و پری کے پابند ہے نصیبوں کا گلہ شکوۂ صیاد نہیں
یوسف کا اپنے دھیان ہے تحریر خط کے وقت ڈر ہے کہ انگلیاں نہ قلم ہوں قلم کے ساتھ
ماہتابی پر جو وہ خورشید رو ہے بے حجاب اپنے جامہ سے ہوئی جاتی ہے باہر چاندنی
دل ہم سے رہا جدا ہمیشہ گویا وہ ضمیر منفعل ہے
جب یہ سنا کہ پاؤں کو مہندی لگی وہاں شعلہ بھڑک اٹھا نگہ انتظار سے
حسرت اے تازہ اسیران قفس آتی ہے دھوم سے فصل بہار اب کے برس آتی ہے
گاہے غم فراق گہے آرزوئے وصل کیا کیا ہو دل لگی جو کہیں دل لگا رہے
حشر ہو جائے گا بے تابی دل سے لیکن راہ پھر بھی تیری اے عہد شکن دیکھیں گے

زکی

زکی تخلص اور نام جعفر علی خاں ہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں امرا میں رہا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

عشق میں نسبت نہیں بلبل کو پروانے کے ساتھ
وصل میں وہ جان دے یہ ہجر میں جلتی رہے

زماںؔ

زماںؔ تخلص اور نام سید محمد زمان ہے۔ امروہہ میں ایک شخص تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:-

عارض ہے گل کا صاف و لیکن جھلک نہیں
نرگس کی چشم ہے یہ نکیلی پلک نہیں

زینتؔ

زینتؔ تخلص ہے۔ بازاری عورتوں میں سے ہے۔ طبعاً عاشق مزاج ہے۔ اسی شہر جنت نظیر کے مرزا ابراہیم بیگ تخلص مقتولؔ اس کے ناز سے ایسے قتل ہوئے کہ وفا کی رسموں سے نگاہ پھیر لی۔ وطن اور ابنائے وطن کی دوری کو گوارا کیا اور اس کے ساتھ بعجلت لکھنؤ کی راہ پکڑی۔ یہ شعر اس کا ہے:-

شب مہتاب میں تا صبح زینتؔ   خیال ماہ رو ہے اور ہم ہیں

حرف السین المہملہ

ساقیؔ

ساقیؔ تخلص اور نام مرزا محمد جان بیگ ہے۔ نسلاً قبچاق دشت کا رہنے والا ہے۔ اس کے والد نے کشمیر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ دہلی آگیا اور خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمہ کا مرید ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ فارسی زبان میں اچھا شعر کہتا تھا، تاریخ اچھی کہتا تھا۔ مثال کے طور پر اس نے ایک مدحیہ قصیدہ

کشمیر کے صوبیدار خرم خاں کی شان میں لکھا جس کے ہر مصرع سے دو تاریخیں نکلتی ہیں۔ شاہ عالم نے اس کو خلافت کے زمانے کے واقعات نظم کرنے پر مامور کیا۔ ابھی یہ کام تمام نہ ہونے پایا تھا کہ اس کی عمر کا سال تمام ہوگیا۔ مجھ کو وہ قصیدہ اور مثنوی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ دو تین غزلیں اپنے دوست احباب کی فرمائش پر ریختہ میں لکھی تھیں۔ ایک غزل کے دو شعر لکھے جا رہے ہیں۔ اس زبان میں اس کے دو شعر بھی غنیمت ہیں:۔

ہم گھر میں تمہارے کہو کس راہ سے پہنچیں
دشمن ہیں ہمارے در و دیوار تمہارے
مرغانِ قفس دن کو پھڑکتے ہیں ولیکن
دن رات تڑپتے ہیں گرفتار تمہارے

سائل

سائل تخلص اور نام مرزا محمد یار بیگ ہے۔ قوم کا ازبک ہے۔ جہان آباد میں تولد ہوا۔ ابتدا میں شاہ حاتم کا شاگرد رہا بعد میں سودا کا مداح ہوگیا۔ اس کا شعر ہے:۔

وہ حمائل ہوگیا دست شکستہ کی طرح
آہ اپنا جس کو میں نے قوت بازو کیا

سامان

سامان تخلص اور نام میر محمد ناصر ہے۔ جونپور کے باشندوں میں سے ہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں دار الخلافہ میں وارد ہوا تھا۔ اس کا یہ شعر ہے:۔

رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ
مگر رشتہ میں ہیں اس شمع رو کے

سبحان

سبحان تخلص اور نام عبدالسبحان ہے۔ آبرو کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

جان و دل ہے قبول سب جانا　　پر گلی میں تری ہمیں آنا

سبقت

سبقت تخلص اور مرزا مغل نام ہے۔ مرزا علی اکبر آخوند کا بیٹا اور جرأت ..... کا شاگرد ہے۔ نسل کے اعتبار سے ایران کا ہے لیکن جہان آباد جنت نظیر میں پیدا ہوا اور پرورش پائی۔ درسی کتابوں کی حد تک پڑھا ہے۔ مختصر یہ کہ ہموار طبیعت کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

تا بہ کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا　　جان لبوں پر آگئی تو بھی قلق نہ کم ہوا

میں ہی کچھ تنہا نہ اسکو دیکھ مفتوں ہو گیا　　ہر کوئی اس غیرت لیلیٰ کا مجنوں ہو گیا

ناقہ لیلیٰ جو ٹھہرا وادی مجنوں میں آہ　　بوی کیا تیر ابھی یہاں ساربان دل لگ گیا

کچھ فائدے کی بات دلا اختیار کر　　کیا فائدہ ہے گریۂ بے اختیار کا

سبقت سناؤں کیونکہ خبر دلکو یاس کی　　احوال جانتا ہوں میں امیدوار کا

کس کس طرح سے اپنے تئیں کرتے پائمال　　افسوس اس کو ذوق نہیں ترک تاز کا

قصد مجھ سے بے گنہ کے قتل کا جب دل میں ہو
کیوں نہ پھر خنجر ترا قاتل بنے اور ٹوٹ جائے

سجاد

سجاد تخلص اور نام میر سجاد ہے۔ اکبر آباد کا باشندہ ہے۔ دہلی آجانے پر مشاعرے کی بزم کیا کرتا تھا۔ آبرو کا شاگرد ہے اور اسی کے اسلوب

کی پیروی کرتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

شتابی سے دے دے کے جاتا ہے ابر　　جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

ایک دل رکھتا ہوں جو جاہے سو لے جاوے اسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں　　سب مزے درکنار ہوتے ہیں

لب شیریں پہ اس کے مرتا ہوں　　زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

ہرگز آنے نہ دیں گے غیر کو جان　　ہوں گے کیسے ہی ہم گئے گزرے

سخن

سخنؔ تخلص اور نام حکیم مرزا محمد حسین ہے۔ نسلاً کشمیر کا ہے لیکن جہان آباد میں پیدا ہوا ہے۔ طب کے فن سے واقف ہے۔ کہتے ہیں فارسی میں بھی اشعار کہے ہیں۔ اس کا یہ شعر ہے :-

جو ہیں جان نکلی وہیں آن نکلا　　بھلا مرتے مرتے تو ارمان نکلا

سخنور

سخنورؔ تخلص اور نام دلوالی سنگھ ہے۔ قوم کا کائستھ ہے۔ شاہی دفتر کے انشا پردازوں کا سردار ہے۔ اس کا یہ شعر ہے :-

گریاں رکھے ہے بن ترے یہ چشم تر مجھے
طوفان نوح آئے ہے اب پھر نظر مجھے

سرسبز

سرسبزؔ تخلص اور نام مرزا زین العابدین خاں ہے۔ نواب سالار جنگ کا فرزند ارجمند ہے۔ وہ اکثر اوقات دینی کتب کے مطالعے سے شغف رکھتا ہے

اچھا عالم ہے۔ باوجود اس امر کے کہ اس کے خاندان کے دوسرے لوگ عیش کوشی اور تفریح بازی کے بہت شائق ہیں۔ یہ خود ان تمام باتوں سے قطعی طور پر دور رہا ہے۔ اس کے بزرگ فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آئے تھے اور بادشاہ کے حضور میں ان لوگوں نے بہت رسوخ اور تقرب حاصل کر لیا تھا۔ ایک ضخیم دیوان کا مالک ہے۔ اس کے حضور میں شعرا کا ایک گروہ حاضر رہتا تھا۔ مصحفی بھی چار سال اس زمرے میں داخل رہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

ہماری آہ پر ہنستا ہے کیا تو ‏ ‏ دکھا دیں گے تجھے اِس کا اثر ہم
کب خوش آتی ہے ہمیں سیر گلستاں تجھ بن ‏ ‏ باغ آتا ہے نظر خانۂ زنداں تجھ بن
میں روتا ہوں سرؔ سبز آتی ہے جب یاد ‏ ‏ وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی
اسکے کوچے کی طرف میں تو نہ جاؤں سرؔ سبز ‏ ‏ کشش دل ہے کہ کھینچے لیے جاتی ہے مجھے

سراؔج

سراؔج تخلص اور نام سراج الدین علی ہے۔ علم و دانش کی محفل کا چمکتا آفتاب اور اسم بامسمیٰ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن راستہ چلتے وہ ایک ہندو شمع رو خاتون کا پروانہ بن گیا اور مر مٹا۔ چونکہ مذہب کا اختلاف درمیان میں تھا اس لیے ایک عرصہ تک عشق کی وہ چنگاری اس کے خرمن دل پر پڑی رہی اور بے حد و حساب جلاتی رہی۔ آخر کار اس کے عشق کی تاثیر رنگ لائی اور اس کے زخم کی جلن نے اس کے باپ کو خبردار کیا کہ فراق کی آگ میں جلنے والے ان دونوں افراد کے وصل کا کوئی اہتمام کیا جائے۔ اس بارے میں سراؔج کے والد نے اس ہندو لڑکی کے باپ سے مشورہ کیا اور ان دونوں کے ملنے کی راہ سجھائی۔ اس بندۂ خدا نے اعتقاد کے اختلاف کو نظر انداز کر دیا اور چمکتی شمع کو پروانے کے سپرد کر دیا یعنی

بخوشی اپنی بیٹی سراج کو دے دی۔ دیوانہ کو مانند پروانہ معشوق کے وصل سے جان دینے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہوتا۔ سراج بھی پروانہ وار اس حسن بے پناہ پر کرجو روشن چراغ کے مانند تھا تصدق ہوکر دار فانی سے بے دریغ کوچ کر گیا اور وہ شمع صفت معشوق بھی اپنے عاشق کے جنازے پر گھڑی بھر میں اندر ہی اندر سوختہ ہوکر فنا کی آغوش میں چلی گئی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے شعر:۔

توہم شب را بسر کی می بری ای شمع کم فرصت
گر فتم سوختی پروانۂ آتش بجانی را

اس ایک غزل کے علاوہ کہ جس کا ایک شعر بے پناہ مشہور ہو گیا ہے جس پر اس کی تمام شہرت کا دار ومدار ہے اور کوئی چیز اس کی سننے میں نہیں آئی۔ وہ شعر یہ ہے:۔

چلی دشت عشق میں وہ ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

سراج

سراج تخلص ہے۔ اس کا نام معلوم نہیں۔ اورنگ آباد کا رہنے والا اور آبرو کا ہم عصر ہے۔ یہ دو شعر اس کے ہیں:۔

نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جاناں کہاں سراج کہاں آفتاب عالم تاب
نہ پوچھو خود بخود کرتا ہوں تعریف اس کے قامت کی
کہ یہ مضمون مجھ کو عالم بالا سے آتے ہیں

سرور

سرور تخلص اور اعظم الدولہ نواب میر محمد خان نام ہے۔ نواب ابوالقاسم

خاں کا بیٹا اور محمد جان بیگ سامی کا شاگرد ہے۔ جہاں آباد (دہلی) کے جلیل القدر اور بلند حوصلہ امرا میں سے ہے۔ شاعری کے فن میں اعلیٰ درجہ کا مانا جاتا ہے۔ مشاعرے کی ہر محفل میں شریک ہوتا ہے اور ہر طرح میں غزل کہہ لیتا ہے۔ پرانا شاعر ہے اور کلام اس کا سیدھی راہ کا ہے۔ ایک ضخیم تذکرہ ریختہ گویوں کے اشعار پر مشتمل لکھا ہے جس میں شعرا زمانی ترتیب سے ہیں یہ تذکرہ میں نے دیکھا ہے۔ ایک دیوان کا مالک ہے۔ کبھی کبھی راقم الحروف سے ملاقات ہوتی ہے۔ یقیناً وہ بڑی خوبیوں کا مالک اور طبعاً ملنسار ہے۔ اس کا احوال لکھنے کے بعد مگر اس کتاب کے ختم ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ اور وہ مہینہ تھا شوال کا سن ۱۲۵۰ ہجری (بارہ سو پچاس) خدا اس کو بہشت بریں میں جگہ دے۔ یہ اس کے اشعار ہیں:-

اس کو شاید کہ ہے پیماں شکنی اب منظور
اور کے چاہنے کا مجھ پہ جو بہتاں باندھا

ہم جانتے زمین سے تھے دور چرخ کو
دیکھا تو ایک عرصۂ جولانِ نالہ تھا

ہے وصل نکل جانِ حزیں آج ہی تن سے
صدمے سے جدائی کے جو کل جائے تو اچھا

نامۂ کس سوختہ جاں کا یہ لیے جاتا ہے
بازوؤں سے جو ملا تا ہے کبوتر پنکھا

ہاتھ اپنے رہے زیر بغل بعد فنا بھی
تھی بسکہ ہم آغوشیٔ دلدار کی حسرت

میری آہِ سرد کی تاثیر یہ محفل میں ہے
جل نہیں سکتا ہے اصلاً شمع سے پروانہ آج

میں رہوں محروم وہ دے بوسہ چشم یار پہ
دیکھ کر یہ رشک آیا روزن دیوار پر

کوچہ یار میں خوابیدہ اس آرام سے ہوں
شور محشر کو بھی ہووے گا جگانا مشکل

مجھ کو دکھاؤ آئینہ کوئی نہ وقت نزع
بالیں پہ لاؤ گر درخ سادہ ہی کہیں

دیدۂ تر سے لگا خط کو نہ اس کے سرور
یار کے ہاتھ کا لکھا ہے مبادا مٹ جائے

گھبرا کے نہ لے یار کی سرور تو بلائیں
آسیب کہیں اس رخ روشن پہ نہ آئے

غیر لایا اسے یہاں بہر تماشا دم نزع
دوستوں سے نہ ہوا وہ جو ہوا دشمن سے

عبث ہے نامہ و پیغام کی امید مجھے ہزار مرتبہ قاصد پیام لایا ہے

سرور

سرور تخلص اور نام مرزا رجب علی بیگ ہے۔ آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگردوں میں سے ہے۔ خوش نویسی اور موسیقی میں دخل رکھتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہے شوق سرور ایسا غالب جو قاصد سے کوسوں ہی تلک حالت کہتے چلے جاتے ہیں
ذرا دست جنوں کی دیکھو جودت کیا ہے قبر میں ٹکڑے کفن کو

سعادت

سعادت تخلص اور نام سعادت علی ہے۔ امروہہ کے لوگوں میں سے ہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد کا شاعر ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں یہ بھی اپنے نصیب لڑتے ہیں

سعید

سعید تخلص اور نام قاضی سعید الدین خاں ہے۔ قاضی القضات نجم الدین علی خاں کا فرزند ارجمند ہے۔ لکھنؤ کا ایک قصبہ کاکوری ہے وہاں کا رہنے والا ہے۔ صاحب ثروت اور اقتدار والا ہے۔ اچھے اخلاق والا ملنسار طبیعت اور صاحب مروت ہے۔ ایک عرصہ تک جنگی خدمت پر مامور رہا۔ اس نے اپنی زندگی عیش و آرام کے ساتھ بسر کی اور عزت و توقیر کے ساتھ گزاری۔ اس علاقہ میں ایک انگریز افسر کے ساتھ کسی سرکاری دورے پر اس کا آنا ہوا تھا۔ بندے سے ملاقات کا اتفاق ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ایک آنکھ بصارت سے محروم ہو گئی تھی اس لیے وہ مردیک چشم

خانہ نشیں ہوگیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

بے دماغی اسے ملنے سے نہ ہو کیونکہ مرے کہ پری کو نہیں خوش آتی ہے انسان کی بو

سکندر

سکندر تخلص اور نام خلیفہ محمد علی ہے۔ مرثیہ گو مشہور ہے۔ پنجاب کا باشندہ ہے۔ مزاح اس کے مزاج پر حاوی تھا۔ محمد شاکر ناجی کے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ شراب نوشی کثرت سے کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ وطن ترک کرکے دہلی آگیا تھا اور پھر یہاں سے حیدرآباد چلا گیا اور وہیں فوت ہوا۔ اس شہر کے لوگوں نے اس کی ہڈیاں کربلا پہنچوا دی تھیں۔ اس کے اشعار ہیں:-

قیس صحرا میں رہا کوہ میں فرہاد رہا میں بگولے کی طرح دشت میں برباد رہا

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب میں دریا وہ دیکھ لے مری چشم پرآب میں دریا

سحر گذرا چمن میں کونسا خورشید رو یارب کہ شبنم گل کے منہ پر اب تلک پانی چھڑکتی ہے

سلطان

سلطان تخلص ہے۔ پوری دنیا کے ہادی (شاہ ظفر) کا فرزند، نام ہے مرزا ایزد بخش بہادر عرف مرزا نیلی۔ یہ شعر اس کا ہے:-

دور رکھ دورانِ سر سے گردش دوراں مجھے
مت رکھ اے دیر خراب آباد سرگرداں مجھے

سلطان

سلطان تخلص اور نام نواب نصر اللہ خاں ہے۔ انتقال کر چکا ہے۔ افغان شرفا کی جماعت سے تھا۔ نواب فیض اللہ خاں مرحوم والی رامپور سے خسر داماد کا رشتہ تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:-

اس لب سے کیا لعل کا جب رنگ ابر دیکھا تو نہیں اس کے یہ پاسنگ برابر

سلیماں

سلیماں تخلص اور نام مرزا سلیمان شکوہ بہادر ہے۔ حضرت شاہ عالم بادشاہ کا فرزند رشید ہے۔ ایک مدت تک لکھنؤ میں جلوہ افروز رہا۔ وہاں کے بیشتر شعرا نے اس کے دسترخوان سے فیض اٹھایا۔ چند سال ہوئے دہلی میں آگیا تھا۔ آج کل اکبر آباد میں زینت افروز ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جنازہ میرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا
کہ شور نالہ ہر اک خانۂ زنجیر سے اٹھا

گالیاں سینکڑوں ہر بات میں اب دینے لگا
دیکھیو جھڑتے ہیں کیا منہ سے یار کے پھول

کس طرح لوں میں بلائیں کروں کیونکر تعظیم
دست و پا اپنے گئے دیکھتے ہی یار کے پھول

رقم گر ایک شمہ اسکو اپنا درد و غم کیجے
تو پھر یہ چاہیئے سارے نیستاں کو قلم کیجے

برقعہ نہ اٹھا بزم میں تو منہ سے وگرنہ
حالت ابھی ہو جائے گی تغیر کسو کی

سلیمان

سلیمان تخلص کا ایک خبطی آدمی ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھیو طراری دل
کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بل بے جگرداری دل

سلام

سلام تخلص اور نام نجم الدین علی خاں ہے۔ شرف الدین علی خاں پیام کا بیٹا ہے۔ اکبر آباد کا رہنے والا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

سودا

سودا تخلص ہے۔ بلند مرتبہ شعرا کا سرتاج۔ مرزا محمد رفیع نام ہے۔ نسلی اعتبار سے کابل کا ہے۔ پیدائش اور پرورش جہاں آباد (دہلی) میں ہوئی ہے۔ جوانی کے دنوں میں لکھنؤ چلا گیا اور اسی جگہ وفات پائی۔ اس کی وفات کو بہت زمانہ گزر گیا۔ وزیرالممالک نواب آصف الدولہ بہادر کے درباری مقربین میں تھا۔ تسلیم شدہ استاد ہے۔ شاعری کے فنون میں سب سے آگے ہے۔ اس کی طبع محبوب کے نخرے کے مانند سراپا ناز تھی۔ شاعری تو جیسے اس کے ہر رگ وپے سے برستی تھی اور اس کے کلام کی مٹھاس میں میٹھی صورت والے محبوبوں کے شکریں لبوں کے بوسہ کی چاشنی تھی۔ اس کی فکر جنت کا ایسا باغ ہے کہ جس کے پھولوں کو کسی نے نہیں توڑا ہے۔ اور اس کی سوچ خلد بریں کا ابلتا ہوا چشمہ ہے جس سے دودھ کی نہر جاری ہوتی ہے۔ اس کے شاعرانہ ذوق میں شراب ناب کا اثر ہے بلکہ شراب بھی ایسی کہ جو انگور سے ازخود نکل آئے۔ اس کے ضمیر کی بلندی سورج کے مانند روشن ہے۔ یہ وہ آفتاب ہے کہ جس کو کبھی گہن نہیں لگتا۔ اس کے خیالات کا پرند بلند سے بلند پرواز کرتا ہے اور اس کی فکر کا ہُما جلیل القدر کیوان بادشاہ کے (بلند) محل کے کنگرے پر سایہ کرتا ہے اور بسیرا لیتا ہے۔ شاعری کے فنون سے اس کو فطری مناسبت تھی۔ اور (مختلف) اصناف سخن پر اس کو مکمل قدرت حاصل تھی۔ تمام خلق خدا میں یہ بات مشہور ہے کہ اس کا قصیدہ غزل سے برآمد ہوا ہے، محض غلط ہے۔ مجھ فقیر کی رائے میں اس کی غزل قصیدہ سے بنی ہے اور اس کا قصیدہ غزل سے بنا ہے۔ یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ اس کی غزل بھرتی کے اشعار سے بھری ہوتی ہے اور اس کا قصیدہ ان سے خالی ہوتا ہے۔ اب اس سے زیادہ کوئی کیا کہہ سکتا ہے کہ اس کے کلام میں اونٹ کے رقص کا منظر ہے کہ قدیم شعرا

کو بعد کے فصیحوں کے مانند اس امر سے تشفی ہوتی تھی اور شاعر کا کلام تب ہی دلپسند اگر ہی معتاتھا چاہے وہ قصیدہ ہو چاہے غزل ہو پس ان مقدمات کے پیش نظر ان بزرگوں کی تقلید اور نکتہ چینی کرنا بھی درست نہیں ہے نہ ہی ان پر (سودا کے کلام پر) تنقید کے لیے طعن و تعریض کرنا بجا ہے۔ البتہ جو اشعار بزرگوں نے انتخاب کیے ہیں ان منتخب اشعار کو بنظر غائر دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس بلند مرتبہ اور اعلیٰ درجہ کا جلوہ دکھاتے ہیں۔ اس کی دلیل کے لیے یہ بیان کرنا کافی ہے کہ جو اہل فضل کی شان ہیں، اہل قلم کی عزت و وقار ہیں اور تحقیق کرنے والوں کے لیے جو مثال کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی مولانا محمد صدرالدین، خدائے تعالیٰ استفادہ کرنے والوں کے سر پران کو ہمیشہ قایم و دائم رکھے اور قیامت کے دن کی آفات سے حفاظت فرمائے جن کا تخلص آزردہ ہے۔ انھوں نے اپنے تحریر کردہ تذکرے میں ایجاز و اختصار کے ساتھ ریختہ کی نظم لکھنے والوں کا احوال لکھا ہے وہاں انھوں نے میر تقی میر کے احوال اور اس کے اشعار کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اس کا کلام جہاں پست ہے وہ تھوڑا پست ہے مگر جو کلام بلند ہے وہ بہت بلند ہے بہر حال قدیم لوگوں کی اس نکتہ چینی سے قطع نظر کرکے ہم اصل مقصد کی جانب اپنی باگ موڑتے ہیں۔ مرزا سودا اقسام شاعری میں مثنوی کی صنف میں عمدہ فکر نہیں رکھتے تھے، پست اور بازارو ہجویں انھوں نے بہت کہیں اور یہی ان کا اسلوب بھی تھا البتہ دل میں کشش پیدا کرنے والے مضامین بھی خوب حاصل کیے۔ اس کا دیوان نگاہ سے گزرا ہے اور اس سے ہی یہ انتخاب پیش کیا جا رہا ہے:۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا | پہنچے کب اس کو ہاتھ ہمارے غبار کا
دکھلایئے لے جاکے تجھے مصر کا بازار | لیکن نہیں خواہاں کوئی وہاں جنس گراں کا
ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا | پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا
کیا کرو نگا ہاتھ سے حوروں کے واعظ لیکے جام | ہوں ہیں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

چھیڑ مت بادِ بہاری کہ میں جوں نکہتِ گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ق سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر کو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پرے رہ برق خار آشیاں سے میرے کہتا ہوں
اڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا
دی تھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہو گیا

بھٹکی پھرے ہے کب سے خدایا مری دعا
دروازہ کیا قبول کا معمور ہو گیا

سودا کو کہتے ہیں کہ ہے اس سے مصاحبت
کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا

اوروں کی نسبت ان دنوں کچھ لگ چلا تھا وہ
دو چار جھڑکیوں میں بدستور ہو گیا

کر قطع ہاتھ پہلے تب فکر کر رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا

ق تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی ان دنوں
تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیرِ باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

جا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گزار
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکینِ دل نہ اس میں پائی تو بہرِ شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس
پر جو خدا دکھلائے سو ناچار دیکھنا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا

صحبتوں کا نہ کرو غیر کی مجھ سے اخفا
کونسی شب تھی کہ میں وہاں پسِ دیوار نہ تھا

اتنا ہی تو یوسف کے مشابہ کہ عدم کے
پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا

سودا جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

یہاں پھر اس شرم سے عیسیٰ نے گزارا نہ کیا
چشم خوباں کے جو بیمار کا چارا نہ کیا

اس قدر شیفتہ ہے شکل کا اپنی کہ سدا
آئینہ ہاتھ میں مشرق کو نظر آخر شب

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے بہلانے کی طرح

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس   تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس
دل عشق کے شعلے سے جو بھڑکا تو رہا کیا   اے جان نکل جا کہ لگی متصل آتش
اے لالہ گو فلک نے دیئے تجھ کو چار داغ   چھاتی مری سراہ کہ ایک دل ہزار داغ
پتھر کی لیکھ تھا سخن اس کا ہزار حیف   بولی زبان تیشہ نہ فرہاد کی طرف
یک دست اگر زمانہ جہاں کے لٹائے گل   سر کو ہمارے خاک لے ڈے چڑھ جائے گل
ہے شرط دردیوں کہ بجز حکم عندلیب   کوئی کسی مزار پہ ہرگز نہ لائے گل
قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام   ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
بھری ہے دل میں ترے یہاں تلک محبت غیر   کہ جا نہیں مرے کینے کو مہر تو معلوم
نہ زر نہ زور نہ طالع نہ تیرے دل میں رحم   جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم
عاشق تو نامراد ہے پر اس قدر کہ ہم   دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کرکے ہم
کیا چاہیئے تجھے سر انگشت پر حنا   جس بے گنہ کے خون میں چاہے ڈبو لیاں
تونے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں   یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
کام ہے چشم کا نظارہ نہ بہنا شب و روز   آنکھ خالق نے رقیبوں کو دی ناسور ہمیں
بوسہ ہنس کر نہ دیا اس نے سوائے دشنام   سو بھی یہ جب نہ ملا کوئی تو مجبور ہمیں
کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا   ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں   تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر   اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں
کیا گلہ صیاد سے ہم کو یوہیں گزرے ہے عمر   اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن
کہے ہے توبہ یہ زاہد کہ تجھ کو دیں تو نہیں   بھڑا دے خم ہی مرے منہ سے چل نہیں تو نہیں
ظاہر ہیں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں   آئے مگر وہ خواب میں سو خواب ہی نہیں
جی تک تو دے کے لوں کہ تو ہو کارگر کہیں   اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں
ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھ کو نیند   جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں
ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار   ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

کوئی جو پوچھتا ہو تو کس پہ ہے داد خواہ
جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنایہ سمجھو
بے زباں میرے بھی گفتار کروں یا نہ کروں

لخت جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں

سونپوں میں جسکو منصفی جرم لکھے ہے میرے سر
بسکہ ہوئی تجھ کو راہ خانہ بہ خانہ کو بہ کو

سن کے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جاں کاہ کو
کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کہوں اللہ کو

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمیں
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

احوال مرا کہہ کہہ مغرور کیا اس کو
اغیار تو تھے ہی تھے پر یار بہت تحفہ

مقتل پہ مرے آکے انصاف لگا کرنے
تقصیر سے یہاں آگے تقدیر نظر آئی

جو طبیب اپنا تھا دل اسکا کسی پر زار ہے
مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

اب تو میں چھوڑنے کا نہیں اس کو ناصحا
ہونی جو کچھ تھی قبلہ حاجات ہو گئی

پیغامبر نے دیر لگائی تو ہے وے
دھڑکے ہے دل کہ یہ نہ کہے رات ہو گئی

مستی سے اس نگاہ کی لے محتسب خبر
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی

سودا کسی کو وہ تو ستائے نہ بے سبب
کیا جانئے کہ تجھ سے ہی کیا بات ہو گئی

مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ مجھ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گزر گئی

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لیے

یوسف تجھے کہ بیٹھے زلیخا تو کہوں کیا
عاشق وہ موئے وہاں کہ جہاں جائے ادب ہے

انصاف کس کو سونپئے اپنا بجز خدا
منصف جو بولتے ہیں تو تجھ سے ڈرے ہوئے

ایک غماز نے اس ترک پسر سے یہ کہا
ق ہے جو سودا کوئی شاعر وہ ترا مفتوں ہے

سن کے بولا یہ کہو میری طرف سے اسکو
باندھتا خوں پہ مرا اپنا نیا مضموں ہے

دل لے کے ہمارا جو کوئی طالب جاں ہے
ہم بھی تو سمجھتے ہیں کہ جی ہے تو جہاں ہے

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ہے
دکھاتا ہے مجھے اس کو جسے آزاد کرتا ہے

عیاں ہے شوق ملنے کا مرے نامے کے کاغذ سے
کہ جب کھولے ہے تو اسکو تو وہ لپٹا ہی جاتا ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ میں دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم ہر ایک بات کی ظالم کچھ انتہا بھی ہے
گزرا ہے کس کی نقش پہ ظالم تو بے خبر دامن کے ساتھ ساتھ ترے گرد ہے سو ہے
سودا جوں شمع نہیں گرمی بازار مجھے ہوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے
ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے جلوۂ حسن اسے حسرت دیدار مجھے
نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصاں مجھ سے باعث دشمنی اے گبر و مسلماں مجھ سے
تصور میں ترے کہیو صبا اس لا ابالی سے گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے
ہزاروں نیش زن پاتا ہوں میں یہاں کام میں اپنے
ترے گھر سے تو ظالم خانہ زنبور بہتر ہے
کیا ضد ہے خدا جانے مرے ساتھ وگرنہ کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی
بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں سودا اب کہنے کو افسانہ کوئی نوحہ گر آئے
میں بھی ہوں ضعیف اسقدر اے مور کہ وہ اب گزرے مرے سر سے جو ترے تا کمر آئے
بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہماری نعش کی تشہیر ہے ضرور آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے
کم بولنا ادا ہے ہر چند پر نہ اتنا مند جائے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ کھولے
پیش از ظہور مرغ چمن خادمان عشق بٹتے تھے رشتہ رگ گل دام کے لیے

سوز

سوز تخلص اور نام محمد میر ہے۔ وطن لکھنؤ ہے۔ تیراندازی میں مہارت رکھتا تھا۔ خط شفیعا اور خط نستعلیق اچھا لکھتا تھا۔ اشعار ایسی طرز میں پڑھتا تھا کہ تمام لوگ پسند کرتے تھے۔ اس کے لیے وہ مشہور رہے۔ اس کا کلام سیدھے راستہ ور کنارے پر کلا ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں :-

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

تڑپھتی کیوں ہے اے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر ‏ کہ تیرا اشک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا

قاصد سے تو پوچھا تھا کہ بھیجا ہے تو کس کا ‏ دہشت سے اسے یاد مرا نام نہ آیا

غیر سے مل کیونکہ ہم چشموں سے پھر ہوگے دوچار ‏ آئینہ تک منہ دکھانا تم کو مشکل ہوئے گا

قتل سے یہ بے گنہ راضی ہے اپنے اس لیے ‏ ہاتھ میں اک روز تو دامانِ قاتل ہوئے گا

کعبے ہی کا اب قصد یہ گم راہ کرے گا ‏ جو تم سے بتو ہوگا سو اللہ کرے گا

ہم اس سے شب جو بگڑ گئی تو خفا ہو مجھ کو رلا دیا
ولے میں بھی کیا ہوں کہ رونے میں یہ بنایا منہ کو ہنسا دیا

جن کے نامے پہنچتے ہیں تجھ تک ‏ کاش میں ان کا نامہ بر ہوتا

یہ سب باتیں ہیں قاصد یار میرے گھر نہیں آتا
نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھ باور نہیں آتا

سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو ‏ وہاں تجھے کیا تھی کمی میاں تجھ کو کیا درکار تھا

رخصت جو دے تو مجھ کو تو میں تیرے پاؤں کا ‏ بوسہ لوں اس طرح کہ حنا کو نہ ہو خبر

میں اگر قید حیا سے چھوٹوں ‏ ناصحا تیری بلا سے چھوٹوں

الٰہی دل میں کسی دوست کے صفا نہ رہے ‏ ہمارے عکس کے آئینہ میں بھی جا نہ رہے

کھینچ کر تیر مار بیٹھے بس ‏ سوز ہے یا شکار ہے کیا ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہے کہیں ‏ عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

اشک خوں آنکھوں میں اگر جم گئے ‏ دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

سر زانو پہ ہو اس کے اور جاں نکل جائے ‏ مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے ‏ خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

دامن تلک تو تیرے کہاں دسترس مجھے ‏ تیری گلی کی خاک بھی ہوں تو ہے بس مجھے

سوزان

سوزان تخلص اور نام مرزا احمد علی خاں شوکت جنگ ہے۔ مرزا علی خاں

کا بیٹا ہے جن کا شمار لکھنؤ کے بزرگ لوگوں میں ہوتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

فرقت میں اس کی سوزان ناحق تو جان دے ہے
اس بے وفا کو غم ہی مرنے سے کیا کسو کے

سہراب

سہراب تخلص اور نام سہراب بیگ ہے۔ شاہ جہاں آباد کا رہنے والا ہے۔ رمل کے فن میں پوری مہارت رکھتا ہے۔ کچھ عرصہ شاہ نصیر سے غزل پر اصلاح لی ہے۔ گاہے ماہے ملاقات ہوجاتی ہے۔ اس کے اشعار ہیں:۔

نہ ہوئی کوئی شب وصل میسر ورنہ
دیکھتے شوق محبت سے میں کیا کیا کرتا

ہم آئے بتنگ زیست سے پر
اے خانہ خراب تو نہ آیا

تا عمر ہم رہی تری چھوٹنے کے ہم نہیں
ہیں سایہ وار ساتھ ترے گو بہم نہیں

کس دن نہیں خیال دہان دکمر مجھے
وہ روز کون سا ہے جو سیر عدم نہیں

یہ عجب ہے کہ نہ تو بہر تماشا نکلے
ایک عالم ترے شیدا کا تماشائی ہے

سیادت

سیادت تخلص اور نام میر مجاہد الدین ہے۔ میر نظام الدین ممنون کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

مثل نسیم صبح پھرا میں تو ہر کہیں
پر وہ گل شگفتہ نہ آیا نظر کہیں

سید

سید تخلص اور نام میر غلام رسول ہے۔ مراد آباد کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ایک شخص ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

خوبرویوں کے تو ملنے سے نہ باز آئیں گے
یہ تو بدخو ہیں جانے کی مگر جان کے ساتھ

سیّد

سیّد تخلص اور نام میر قطب علی ہے لیکن قطب عالم کے نام سے مشہور ہے۔ سکندر آباد کا رہنے والا ہے۔ طب کی کتابیں خوب پڑھی ہیں اور وہیں طبابت کرتا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

جادو کرے ہے شہر میں سیّد کا ریختہ　　　دیکھو سکندرہ سبھی بنگالہ بن گیا

سیّد

سیّد تخلص اور نام میر غالب علی خاں ہے۔ اس کو سید الشعرا کہا جاتا ہے سید ہے۔ نسب اعلیٰ ہے۔ شاہی دفتر کے انشا پردازوں میں ممتاز رہا۔ ملنسار مشہور تھا۔ ایک مدت ہوئی کہ اس جہان فانی کو خیرباد کہہ گیا۔ حضور والا کے نقیبوں میں ایک شخص اکرام نام کا تھا۔ اس نے لاہوری دروازے کے باہر ایک سرائے بنائی تھی اس کی تاریخ اس نے کہی تھی۔ فی الحال اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے۔ اس نے بے حد لطافت اور پاکیزگی کے ساتھ کیا خوب کہا ہے

امشب کرمی کن بسرائے اکرام

(یعنی آج کی رات تو اکرام کی سرائے میں کرم فرما) یہ اشعار اس کے ہیں:۔

نہ غازہ نہ گلگونہ ہے نہ رنگ حنا تو　　　اے خون شدہ دل تو کسی کام نہ آیا

سبب کیا پوچھتے ہو مجھ سے میرے زار رونے کا　　　کسی کو کچھ مرض ہے مجھ کو ہے آزار رونے کا

سیّد سے یہ عداوت اللہ رے کفر اے بت　　　پڑھنے جنازہ اس کا سب آئے تو نہ آیا

زلف و کاکل خط و خال ابرو و چشم و گیسو　　　اس دلِ زار کو کس کس نہ بلانے چاہا

زمیں گردوں نہ سنگ آسیا ہم　　　ولے رہتے ہیں گردش میں سدا ہم

جب نہ تب شکل بتاں اس میں نظر آتی ہے　　　دل کو اللہ کا کس رو سے مکاں کہتے ہیں

یہ دھڑک دل کی جو ہے عشق میں کچھ اور ہی ہے　　　وہ مرض اور ہے جس کو خفقاں کہتے ہیں

میں اور ترکِ عشق یہ امکان ہی نہیں ناصح کے پند سننے کو یہاں کان ہی نہیں
جو آنکھ اور سے وہ لڑا جانتے ہیں تو ہم بھی کہیں دل لگا جانتے ہیں
یارو مری بالیں سے نہ اٹھو نہ جدا ہو حالت مری اچھی نہیں کیا جانئے کیا ہو
بنائے کفر و دیں اک تار سے ہے کہ سبحہ منعقد زنار سے ہے
تیغ قاتل کی مرے تن ہی نے لذت جانی کہ بھر آئے ہے ہر زخم کے منہ میں پانی
ابرو کے اشارے ترے لڑتے ہیں سبھی سے تلوار ابھی بزم میں چلتی ہے کسی سے

حرف الشین المعجمہ

شاد

شادؔ تخلص اور نام اللہ یار بیگ ہے۔ نسلاً کیانی ہے۔ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اگر چاک سینے کا ہم وا کریں تو ہنگامۂ حشر برپا کریں
گل عذاروں کی بیوفائی کا داغ دل پر مرے نشانی ہے

شاد

شادؔ تخلص ہے۔ سکندر آباد کے برہمنوں میں ہے۔ یہ اس کا شعر ہے:۔

اس رنگ چمپئی کا پڑا جس زمیں پہ عکس چمپا کے پھول اگتے ہیں وہاں سے بہار میں

شاد

شادؔ تخلص ہے، نام کا علم نہیں۔ بڑھانہ کا رہنے والا ہے۔ دکن بھی جا چکا ہے یہ اشعار اس کے ہیں:۔

پا دے جو کہیں دل ہی مرے تک خبر آتش
پھر رشک سی لوٹا کرے انگاروں پہ آتش

کامل ہوئے فن اپنے میں یہ دیدۂ تر بھی   خون ٹپکے تھا آنکھوں سے لگے جھڑنے شرر

شاد

شاد تخلص اور نام میر احمد حسین ہے۔ اس کے بزرگ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں حجاز سے ہندوستان آئے تھے۔ وہ آج کل شکوہ آباد میں قیام پذیر ہے۔ یہ اس کا شعر ہے:-

کام آئے گی قیامت کو مسیحائی کیا   لب ہلاؤ کبھی بس ایسے ہی رعنائی کیا

شاداب

شاداب تخلص اور نام خوشونت رائے ہے۔ چاندپور کا رہنے والا ہے۔ قائم کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو ست چڑھا
تیرے ہوتے کوئی کھینچے بھی ہے تلوار کو

شادان

شادان تخلص اور نام میر رجب علی ہے۔ بھورے خاں آشفتہ کے شاگردوں میں سے ہے۔ درویش انسان ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

یاد ہے نکتہ مجھے یہ حضرت استاد سے   دل نہ دیجے آہ شادان طفل ابتر کو کسی

شاکر

شاکر تخلص اور نام شاہ شاکر علی ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ خدا ترس

درویش ہے۔ یہ شعر اس کا ہے۔

اس کی آنکھوں نے تو اک خلق کو بیمار کیا　　زلف نے بھی دلِ عالم کو گرفتار کیا

شاکر

شاکر تخلص اور نام محمد شاکر ہے۔ محمد علی حشمت کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل دستیاب نہیں ہوئی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کیا پوچھے ہے حال بلبلوں کا　　جو ان پہ گذرنی ہے گذرلے
گل چیں تجھے کیا تری بلا سے　　گل توڑ کے تو تو گود بھرلے

شاہ

شاہ تخلص اور نام شاہ سعد اللہ ہے۔ صاحب دل ہے۔ دھان پان درویش ہے۔ رفیق القلب ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

وابستہ ہے تجھ سے اپنی یہاں زیست　　جب تو ہی نہیں تو پھر کہاں زیست

کبھی ہے اس قدر آنکھوں میں خوب صورت یار
کہ رہ گیا نظر آنے سے خوب وزشت مجھے

شائق

شائق تخلص اور نام محمد ہاشم ہے۔ میر عزت اللہ عشق کا شاگرد رہا ہے۔ درزی کے کام سے گذر بسر کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

سراپا اس پریرو میں لطافت ہے صفائی ہے
تصدق ہیں ہم اس کے جس نے یہ صورت بنائی ہے

موسم گل کی خبر سنتے ہی بس آنے کی
ہو گئی اور ہی صورت ترے دیوانے کی

شائق

شائق تخلص اور نام میر حاجی ہے۔ میر ہدایت علی کیفی کا شاگرد ہے۔ یہ شخص عمدہ خوبیوں کا حامل اور پسندیدہ اطوار والا ہے۔ مشہور ہے کہ وحشت کا دخل اس کے مزاج میں خوب رہا ہے بلکہ اس میدان میں اس کو استاد کامل کا درجہ حاصل ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

نہ پوچھو یہاں کی آسائش کہ ہم اس بحر ہستی میں
حباب آسا کوئی دم کے یہاں مہمان بیٹھے ہیں

اس سنگدل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی   تاثیر ہم نے دیکھ لی بس اپنی آہ کی

شائق

شائق تخلص اور نام پیر محمد ہے۔ شروع میں ہاشمی نامی شاعر کا شاگرد رہا، بعد میں جرأت کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

تماشا دیکھ کر جراح کی مرہم لگانے کا   ہماری زخم ٹانکی توڑ کر کھل کھل کے ہنستی ہیں

شائق

شائق تخلص اور نام محمد نذیر الدین حسن ہے۔ شاہ غلام محی الدین رومی سرہندی کا فرزند ہے۔ بریلی کے شیخ زادوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

چین اس دل کو نہ ایک آن ترے بن آیا   دن گیا رات گئی رات گئی دن آیا

شرف

شرف تخلص اور نام شرف الدین بیگ ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے یہ شعر اس کا ہے :۔

مژگاں اس کی برچھے ہیں یا خنجر ہیں یا بھالے ہیں
سینہ سپر یہاں ہم بھی ہیں سب اپنے دیکھے بھالے ہیں

شرف

شرف تخلص اور نام شیخ شرف الدین ہے جس مقام پر قدم شریف کا شہرہ ہے وہاں اس کا گھر ہے۔ وہ کڑوڑ کا داروغہ تھا۔ زیادہ تر مرثیے اور مناجاتیں کہی ہیں۔ یہ شعر اس کا ہے :-

اب دن پھرے ہمارے یہ ہم پر عیاں ہوا
وہ مہ جبیں جو رات کو پھر مہرباں ہوا

شرف

شرف تخلص اور نام میر محمدی ہے۔ سید جعفر خاں جو مرشد آباد کا صوبہ دار تھا، ان کا بیٹا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

یک صفائی قلب بس ہے بہر تسخیرِ جہاں
خاتم دستِ سلیمانی ہے نگیں آئینہ

شریف

شریف تخلص اور نام مرزا شریف بیگ ہے۔ شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ طبیعت میں ظرافت و شگفتگی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

شریف رونے پر آجائیں اگر یہ دیدۂ تر
تو آبرو نہ رہے کچھ گھٹا برسنے کی

شرافت

شرافت تخلص اور نام مرزا اشرف علی ہے۔ میر مشرف کا پوتا ہے کہ جو اپنے وقت کے معروف امرا میں سے تھے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور ممنون کا شاگرد ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

چمک کی برق نے کی دل پہ شعلہ بازی راست
نظر میں بھر گئی دامن کی وہ کناری رات
ضد تجھے صید افگنی کی جب صنم چڑھ جائے ہے
سیل خون صید تا بام حرم چڑھ جائے ہے

شرر

شرر تخلص اور نام مرزا جعفر ہے۔ حکیم مرزا محمد المتخلص بہ عشق کا چھوٹا بھائی ہے دہلی کا رہنے والا تھا۔ حیدرآباد چلا گیا تھا وہیں اس دار فنا سے سفر کر گیا۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

اے عشق جگر سوز شرر کی تجھے سوگند
اک شعلۂ جاں سوز کہ مشتاق فنا ہوں

شرر

شرر تخلص اور نام مرزا صادق ہے۔ یہ شخص دنیا ترک کر گیا۔ یہ شعر اس کا ہے :۔ گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

شرر

شرر تخلص اور نام مرزا ابراہیم بیگ ہے۔ نوازش حسین خاں کا شاگرد ہے یہ اشعار اس کے ہیں :۔

جھوٹی ہی محبت تم یہاں کس کو جتاتی ہو
تقریر میں لکنت ہے باتیں بناتے ہو
شربت کے سے گھونٹ اب تو پیتے ہو شرر ہر دم
یوں اس شکریں لب کی اگلیاں کھاتے ہو

سامعین کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے
سرگزشت اپنی جو لکھیں تو قلم رکتا ہے

شعوری

شعوری تخلص۔ جوالاپور کا رہنے والا ہے۔ پرانے دور کا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے۔

پھرتا رہے ہے چار پہر مضطر آفتاب
روشن ہے یہ کہ محو ہوا تجھ پر آفتاب

شعلہ

شعلہ تخلص اور نام امرناتھ ہے۔ نسلاً کشمیری ہے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوا اور یہیں پرورش پائی۔ آدمی خوش مزاج ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں۔

جان دی شعلہ نے حسن سبز سے پرہیز کر — حق میں اس بیمار کے پرہیز کرنا سم ہوا
تھی نہ سیماب ہوس نہ طلا زر گر کے ہم — کیا سمجھ کر چرخ نے ہم کو ملایا خاک میں
جلوۂ گلزار ابراہیم آتا ہے نظر — اے بہار حسن تیرے روئے آتشناک میں
غم اسیروں کے بھی کچھ ہے اندمال زخم کا — باغباں پھول ایک دم دے کہ قفس کے چاک میں
رخ محبوب کو وہ دیکھتی ہیں عین زینت میں — کوئی خدمت نہیں دنیا میں خوب آئینہ داری سے
غبار راہ ہیں پرلے ہوائے عالم بالا — فلک پر ایک دن پہنچیں گے ہم اس خاکساری سے

شفا

شفا تخلص اور نام حکیم یار علی بنی اسرائیلی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جوں ڈانک کے دینے سے دونا لگے ہے یاقوت
چمکا ہے رنگ پان سے جوہر تیرے لبوں کا

شفیع

شفیع تخلص اور نام محمد شفیع ہے۔ پرانے بزرگوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس

کا ہے :-

شام کو جب یاد تیری بات آتی ہے ہمیں
نیند کافر ہوں جو ساری رات آتی ہے ہمیں

شفیق

شفیق تخلص اور نام مظہر علی خاں ہے۔ ثناء اللہ خاں فراق کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

آتا نہیں چمن میں مرا گلعذار حیف — جاتی چلی بہار ہے یوں ہیں ہزار حیف

شکوہ

شکوہ تخلص اور نام محمد رضا ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے۔ مرزا قتیل کی اصلاحوں سے سینچا ہوا شاعر ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

گر چہ کہتے ہو پھر مجھے آؤں گا — ہے یہ انکار میں سمجھتا ہوں
نہ اس کا وصل ہی ممکن نہ تاب ہے دل کو — عجب طرح کا الٰہی عذاب ہے دل کو
تھوڑی بھی نیک و بد کی گر وہ تمیز رکھتے — کافر ہو پھر جو اس سے دل کو عزیز رکھتے

شکوہ

شکوہ تخلص اور نام میر شکوہ علی ہے۔ رادہ کا رہنے والا ہے۔ اس سے زیادہ اس کا احوال معلوم نہیں۔ یہ شعر اس کا ہے :-

نہ دم میں دم ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روئے تھے خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

شکیبا

شکیبا تخلص اور نام شیخ غلام حسین دہلوی ہے۔ میر تقی میر کا شاگرد ہے

دارالخلافہ کے شاعروں کے حلقہ میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کا پہلا شعر فقیر کو بہت پسند ہے:۔

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا شکیبا غم نہیں
پر یہ غم ہے اعتبار دست قاتل اٹھ گیا

چھکا ہوں آمیں طبیب یہ امکاں ہی نہیں
تو نبض دیکھتا ہے یہاں جاں ہی نہیں

تیری چین جبیں ہے موج طوفاں
اسی سے ہم کناری ہو رہے ہیں

نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے
مہ تاباں بھی میرے سر پہ خورشید قیامت ہے

شکر

شکر تخلص اور نام رادھا کشن ہے۔ قوم کا کائستھ ہے۔ مراد آباد کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

دیکھ تو اے چشم سیل اشک طغیانی میں ہے
گھر سنبھال اپنا کہ دیوار مژہ پانی میں ہے

شگفتہ

شگفتہ تخلص اور نام مرزا بیدار بخت بہادر عرف مرزا حاجی ہے۔ شہزادہ عالی مقام مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ مرحوم کا بیٹا ہے۔ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ بلاد مشرق کی جانب گیا تھا۔ بنارس کی آب و ہوا ان لوگوں کے مزاج کو راس آئی اور انھوں نے وہیں کی سکونت اختیار کر لی۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

مشکل ہے میری اس کی ہو صحبت برار آہ
میں جلد باز ہوں وہ تغافل شعار ہے

شگفتہ

شگفتہ تخلص اور نام مرزا سیف علی ہے۔ شجاع الدولہ بہادر مرحوم و مغفور کا

بیٹا ہے۔ اس کی شاعری میں کاظم بیگ کی کوشش شامل ہے۔ یہ جوان تہذیب یافتہ، مروت والا اور ملنسار تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

آنکھیں چرا کے شب وہ بہانے سے اٹھ گیا | حرف مروت آہ زمانے سے اٹھ گیا
خرام ناز ترا بس میری نظر میں رہا | تمام عمر ہی بیٹھا میں رہ گذر میں رہا
بوسہ لیتے ہوئے ہم دیکھو ادب کرتے ہیں | گالیاں دیتے ہیں یہ آپ غضب کرتے ہیں

غم نہ کھا اے دل اگر شب زلف کی تاریک ہے
پاس ہے رخ اس کا یعنی صبح بھی نزدیک ہے

شگفتہ

شگفتہ تخلص اور نام بدھ سنگھ ہے۔ خدا والوں میں سے ہے۔ بھورے خاں آشفتہ سے اپنے کلام کی اصلاح لیا کرتا۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

پروانہ وار جل کر گو خاک ہو گئے ہم | پر شمع رو نہ چوکا اپنی شرارتوں سے

شوق

شوق تخلص اور نام شیخ الٰہی بخش ہے۔ اکبر آباد کا رہنے والا ہے۔ مرزا مظفر بخت بہادر جو مرزا جواں بخت بدنصیب کا بیٹا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے شوق کو اس کے مکتوب نگار کے عہدہ پر فائز کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اردو اور فارسی میں اس نے اتنی شاعری کی کہ ایک ایک دیوان مرتب کیا جا سکتا ہے ایک کتاب "قوانین السلطنت" کے عنوان سے تصنیف کی ہے۔ جس وقت وہ اپنے شوق کے ہاتھوں دارالسلطنت جہان آباد پہنچا اور قلعۂ معلّٰی میں اس آنا جانا ہوا تو یہ کتاب اس نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ سن ۱۲۴۱ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ دو اشعار اس کے ہیں :۔

دیکھے جو رنگ اس مژۂ اشکبار کا | دل خجلتوں سے آب ہوا ابر بہار کا

اس خاکسار کو کوئی کیونکر اٹھا سکے   جوں نقش پا جہاں کہ یہ بیٹھا وہیں رہا

شوق

شوق تخلص اور نام جواہر بیگ لکھنوی ہے۔ مصحفی کے شاگردوں میں سے ہے۔ غزل اور معمہ کہنا خوب جانتا ہے۔ مشہد مقدس چلا گیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

تجھ بن قلق ہے بستر غم پر تمام رات
تڑپا کیا مرا دل مضطر تمام رات

ہمارا حال زار اے شوق وہ آکر اگر دیکھے   یہ کیا ممکن ہے جو آنسو نہ چشم یار سے ٹپکے

شوق

شوق تخلص اور نام مولوی قدرت اللہ ہے۔ عالموں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ موی قصبہ کا رہنے والا ہے۔ اس کا یہ شعر نظر آیا جو لکھ دیا ہے:-

اے خدا یوں بھی کبھی تیری خدائی ہوگی
کہ مجھے اس کی جدائی سے جدائی ہوگی

شوق

شوق تخلص، جہان آباد کا رہنے والا شخص ہے۔ سودا کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

دامن کو ترے خوں نہ رہے بن بھرے ہوئے
چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مرے ہوئے

شوق

شوق تخلص اور نام حسن خاں ہے۔ قوم افغان ہے اور سراج الدین

علی خاں آرزو کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے درگزرا
مرا فردائے محشر آج ہے میں کل سے درگزرا

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے　　　پر علم نہیں کمر کہاں ہے

شوق

شوق تخلص اور نام بھوگی لعل ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کہیں مرقد پہ آنکلا بت ایمان شکن میرا
گلے میں ہو گیا زنار ہر تار کفن میرا
کہیں وہ شوخ بھی آجائے لڑکوں میں تماشہ کو
مبارک جب مجھے اے شوق ہو دیوانہ پن میرا

شوق

شوق تخلص اور نام روشن لعل ہے۔ موسیقی اور ستار نوازی میں استاد تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

گردش چشم دکھا نا نہ گل اندام کہیں　　　ورنہ ٹوٹے گی صراحی کہیں و جام کہیں
عقدہ دل نہ کھلا ناخن تدبیر کے ساتھ　　　آخرش کام پڑا پنجۂ تقدیر کے ساتھ

شوق

شوق تخلص اور نام محمد بخش ہے۔ اس کا زیادہ احوال معلوم نہیں ہیں۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

اے شوق اچھالے ہے وہ شیشے کو نشے میں
منظور کسی کی تو اسے دل شکنی ہے

شوقؔ

شوقؔ تخلص اور نام غلام رسول ہے۔ جہان آباد کا رہنے والا ہے کلام اللہ حفظ ہونے کی وجہ سے وہ مفلسی اور فاقہ کشی کی آفات سے محفوظ رہا اور حضرت ولی عہد بہادر نے اس کو ایک ایسی مسجد کی امامت بھی سپرد کر دی کہ جو ان کے ایک عزیز کے مکان کے صحن میں واقع ہے وہاں وہ بچوں کی تعلیم و تدریس کا کام بھی کرتا ہے۔ شاہ نصیر کا شاگرد ہے۔ اس کا بیش تر کلام اپنے استاد کی طرز کا ہے۔ اس تمام میں سے بہت تلاش و جستجو کے بعد اس رسالے کے لیے ایک شعر ڈھونڈ کر نکالا ہے اور یہاں لکھ دیا ہے:۔

لکھا ہوا تھا یہ اس مہ جبیں کے پردہ پر ۔۔۔ نہیں ہے کوئی اب ایسا زمین کے پردہ پر

شوکتؔ

شوکتؔ تخلص اور نام منیف علی ہے۔ میر رستم علی کا بیٹا ہے۔ بجنور کے لوگوں میں سے ہے۔ شاعری کا فن علی عشرت بریلوی سے حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ بنارس میں ایک انگریز کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ اللہ معاف کرے اس نے لالچ میں آکر اسلام ترک کر دیا اور عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اب میرٹھ میں عیسائی بچوں کو پڑھا کر گزر اوقات کرتا ہے اپنا نام منیف مسیح رکھ لیا ہے۔ یہ اشعار اسی دجال پیرو مسیح کے ہیں:۔

کاٹ ہے جو ابروئے خم دار میں ۔۔۔ ہے یہ برش کب کسی تلوار میں

مجھ میں اور ابر میں ہے مصرکآرائی آج ۔۔۔ سرخ رو رکھیو تو اے دیدۂ خونبار مجھے

شورؔ

شورؔ تخلص اور نام مرزا محمود بیگ عرف ملھو بیگ ہے۔ نسلاً ایرانی ہے

اس کی پیدائش اسی مینو سواد شہر میں ہوئی۔ ایک جنگ کے معرکہ میں کام آگیا۔ ٹھیک سوچ کا سپاہی پیشہ شخص تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

ایک آہ سرد بھرنا اور دل کو تھام لینا
ہوتا ہے گاہے گاہے یوں تیرا نام لینا

وہ قتل کو ہمارے ارشاد کر رہے ہیں
یہاں کلمۂ شہادت ہم یاد کر رہے ہیں

غضب آنکھیں ستم ابرو عجب منہ کی صفائی ہے
خدا نے اپنے ہاتھوں سے تیری صورت بنائی ہے

شورش

شورش تخلص اور نام غلام احمد ہے محمد اکبر قبالہ نویس کا بیٹا ہے۔ تنک مزاج جوان ہے۔ کبھی کبھی شعر موزوں کرتا ہے۔ مومن خاں سے استفادۂ سخن کرتا ہے۔ فقیر سے بھی ملاقات ہے۔ اس کے چند اشعار لکھے جا رہے ہیں :۔

نامہ جو نیا لائے ہے قاصد تو صنم کا
ایمان نہ کھونا کسی مایوس کرم کا

کیا جانے عدو خون جگر پینے کی لذت
شورش سے مزا پوچھے تلخ آب الم کا

کھو رکھے گا مجھ کو میرا دیدۂ تر ایک دن
شمع ساں گھل جائے گا یہ جسم لاغر ایک دن

کیا قیامت ہے کہ روز حشر ہے ہر روز ہجر
تھا قیامت کے لیے یارب مقرر ایک دن

جب وہ بیخواب غم دوریٔ اغیار سے ہو
شکوہ پھر کیوں نہ مجھے طالع بیدار سے ہو

چشم عاشق سے جو دریا کو کوئی دے تشبیہ
بس وہیں رونے کا ہو جائے بہانا مجھ کو

ہمدم شب ہجراں میں اجل بھی تو نہیں ہے
حال اپنا کہیں کیا کیا در و دیوار کے آگے

تا خواب میں بھی جلوہ فروز انکی نہ ہو تو
ہم کوچۂ اغیار میں فریاد کریں گے

شورش

شورش تخلص اور نام میر غلام حسین ہے عظیم آباد کے قابل توجہ لوگوں

میں سے ہے۔ میر باقر حزیں سے اصلاح لیتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے شعرائے اردو کا ایک تذکرہ لکھا ہے۔ اس کی وفات سن ۱۱۹۰ھ میں لکھی جاتی ہے یہ شعر اس کا ہے:۔

رقیب گرچہ بہت بر خلاف ہے شورش ہوا کرے ہمیں ہے یار اپنے کام سے کام

شہرت

شہرت تخلص کا ایک شخص جرأت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔ دل ڈھونڈتے ہو پاس مرے دل تو کہاں ہے
ایک شعلۂ آتش ہے کہ پہلو میں نہاں ہے

شہرت

شہرت تخلص اور نام امیر بخش ہے۔ اپنے والد عیسیٰ خاں کے ہمراہ دکن چلا گیا تھا۔ وہاں ایک شاعر کے توسط سے دیوان چندو لعل کی سرکار میں ملازم ہوا اور اچھے صلے پائے۔ اس نوجوان نے ثناء اللہ خاں فراق سے فنون نظمیہ کی تعلیم حاصل کی۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

حیرت پڑی ٹپکتی ہے شمع مزار سے آئینہ کو جلا دو ہمارے غبار سے

شہامت

شہامت تخلص اور نام شاہ شہامت علی ہے۔ کسی مشرقی شہر کے درویشوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

یاد حق گر ہو نہ دل میں تو ہو قالب نفس شوم بوم ہو جاتا ہے وارث خانۂ ویران کا

شہید

شہید تخلص ہے۔ میر اور سودا کا معاصر ایک شاعر ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

گئے برباد اپنے نالۂ فریاد یا قسمت
بہار آخر ہوئی تب ہم ہوئے آزاد یا قسمت
شہید آخر مقدر تھا ہمیں حسرت میں جی دینا
ہمارے سر پر آکر پھر گیا جلاد یا قسمت

شہیدی

شہیدی تخلص اور نام کرامت علی ہے۔ لکھنؤ کا باشندہ ہے۔ شعر گوئی میں اچھا دخل اور عروض میں اچھی مہارت حاصل ہے۔ ریاضی خوب جانتا ہے زیادہ تر پنجاب اور گجرات کے شہروں میں زندگی گزاری ہے۔ کبھی کبھی دہلی بھی آتا رہا ہے۔ جب جب وہ دہلی آیا تو اس گنہ گار سے بھی ملاقات کا موقعہ درپیش ہوا۔ آدمی بے تکلف، محبت والا اور وسیع مشرب ہے۔ آزاد منش زندگی گزارتا ہے یہ اشعار اس کے ہیں:۔

قدر سب چاہنے والوں کی تری دیکھ چکے
خوار رہتا ہے پرانا تو پشیمان نیا
گر کچھ مزا ملا تو شہیدی اس کے ہاتھ
خنجر تو یوں گلے پہ مرے بار رہا پھرا
کانوں سے سنا کرتے تھے ہم جادو ہے ایک شئے
آنکھوں سے تری نرگس فتاں نے دکھایا
عام ہیں اس کی تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا
ہم نہ پہنچے اپنے مطلب کو نہ پہنچے پر خدا
یہ نہ سنوائی کہ مطلب غیر کا حاصل ہوا
جلد انصاف چکا خلق کا اے داور حشر
پھر قیامت ہے جو وہ شوخ ستم گر آیا
نام مرنے کا سننے سے جسے غش آتا ہو
وہ شہیدی کے جنازے پر مقرر آیا
وعدۂ شام پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح
وہ اسی وقت نہ آتے اگر آنا ہوتا
ظالم کبھی تو بام پر آجا کہاں تلک
بہلائے جی کوئی در و دیوار دیکھ کر
شہیدی میں تو کیا ہو لے کے بوسہ سنگ اسود کا
کیا خوشنود اس بت نے خدا کو ایک بوسے میں
دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رویا کیے

شیدا

شیدا تخلص، اس کے علاوہ یہ کہ مراد آباد کا رہنے والا ہے، اس کا احوال

کچھ معلوم نہیں۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

کرتے ہو کیوں سبک تم در سے مجھے اٹھا کے
کیا میرے بیٹھنے کا خاطر پہ بار گزرا

شیدا

شیدا تخلص اور نام خواجہ ہینگا ہے۔ نسلی اعتبار سے کشمیر کا ہے۔ علاقائی عصبیت کا شکار تھا۔ میر محمدی بیدار کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

جائیں مشتاقوں کی کب تک آئیاں
بل بے ظالم تیری بے پروائیاں

جا کان میں باتوں کے بہانے لیا بوسہ
دیوانہ ہوں شیدا میں بڑا کام کیا ہے

شیدا

شیدا تخلص اور نام نواب معین الدین خاں ہے۔ نواب غازی الدین خاں مرحوم المتخلص بہ نظام کا پوتا (یا نواسہ) ہے کہ جس کے رفیع الشان کارنامے تمام خاص و عام کے سنے سنائے ہیں۔ کالپی میں سکونت رکھتا ہے کبھی کبھی جہان آباد آتا ہے۔ اس کی شاعری کے بعض نمونے ہاتھ لگے ہیں اس میں سے انتخاب کرکے چند اشعار لکھے جا رہے ہیں :۔

اتنا نازک ہے مزاج اے بت قاتل تیرا
کہ تڑپتا نہیں دل کھول کے بسمل تیرا

بیٹھا رہتا ہے جو زانو پہ جھکائے شیدا
پاؤں سے کس کے سرا یہ رہا ہل تیرا

جواب زبانی مجھے اس کا نہ آیا
دیئے میرے ہی خط مجھے سب نے لاکر

شمع تک ٹھنڈی اٹھی بزم سے اسکے اور ہم
اٹھے تو جل کے اٹھے بیٹھے تو جل کر بیٹھے

شیفتہ

شیفتہ ایک پرانے بزرگ شاعر کا تخلص ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

عید کے دن بھی نہ دیکھا اس ہلال ابرو کو آہ
چاند دیکھا ہم نے لیکن منہ نہ دیکھا چاند سا

شیفتہ

شیفتہ تخلص اور نام حافظ عبدالصمد خاں ہے۔ علم دوست خاندان کا فرد ہے مگر وہ خود سپاہی وضع شخص تھا۔ بھورے خاں آشفتہ سے شاعری کے قواعد سیکھے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

بے سبب کاکل مشکیں کو پریشاں کیا تھا　　منہ چھپانا تھا اگر تو یہ بہانہ کیا تھا

شیفتہ

شیفتہ تخلص یہ ہی گنہ گار ان سطور کا لکھنے والا ہے۔ کم وزن ہونے کے باعث بندہ نہیں چاہتا تھا کہ شعرا کے زمرے میں اپنا شمار کرے لیکن کرمفرما مہربانی کی آنکھ سے عیب کا ہنر دیکھ لیتے ہیں اور غلطی کو صحت پر معمول کر لیتے ہیں۔ اپنی شاعری کے چند نمونے کہ جو اچھے تو نہیں ہیں پھر بھی پیش کر رہا ہوں اور سمع خراشی کر رہا ہوں:

شنیدم کہ در روز امید و بیم　　بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم
تو ہم ار بدی بینی اندر سخن　　بخلق جہاں آفرین کار کن

یہاں جو اشعار پیش کیے جا رہے ہیں وہ اپنی حقیقت کم و بیش خود ہی ظاہر کریں گے۔ اصل یہ ہے کہ فقیر لڑکپن سے ہی اس شغل (یعنی شاعری) کے ساتھ وابستہ ہے۔ بعض اوقات اچھی خاصی عمر بیکار چلی جاتی ہے کیونکہ فن شاعری کے ساتھ تعلق پیدا ہو جانے پر دیگر بڑے کاموں اور قابل قدر فنون کے حاصل کرنے میں روک پڑ جاتی ہے۔ اب کافی مدت سے میں شاعری سے زیادہ سروکار نہیں رکھتا ہوں مگر دوستوں کی تحریک سے کبھی کبھی دل کی واردات شعر کے سانچے

میں ڈھل جاتی ہے اور یہ معاملہ مہینوں میں نہیں بلکہ برسوں کے بعد ہوتا ہے چنانچہ کبھی لوگوں کے اصرار پر کبھی اردو شاعری سے محبت رکھنے والوں کے پاسِ خاطر سے اور کسی وقت از خود ہی غور و فکر ریختہ گوئی پر آمادہ کرتا ہے اسی طرح فارسی کا شوق رکھنے والے احباب کے جوش و خروش سے متاثر ہو کر اور کبھی دل از خود فارسی کی جانب کھینچتا ہے۔ اس کے باعث اور شاعری کے ضمن میں اگرچہ میرا ایک خاص اسلوب ہے لیکن میرا مزاج فارسی کے ہر اسلوب سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ جی ہر انداز کا شعر کہتا ہوں اور اس تمام میں میرا ایک خاص اسلوب بھی ہے۔ اور اگر تم میرے تمام نظم و نثر کے مجموعے کو دیکھوگے تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچے گی کہ جو کچھ اس خم خانہ میں میرے حصے میں آیا ہے وہ سب اس مے خانہ شعر و سخن کے ساقی مومن خاں کا ہی فیض ہے کہ جو میرے کاسہ میں بہ عنایت ڈالتا رہا ہے اور یہ چند اشعار میرے خیالات پریشان سے پیش ہیں کہ جو میں نے اپنے دیوان سے لے کر پیش کر دیئے ہیں :-

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے مہجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا
میں نے کیا جانیے کس وقت سے دی جاں دمِ قتل
کہ بہت اس نے ستم گر کو پریشاں دیکھا

ایک نالے میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے
جس کو دشوار سمجھتے تھے وہ آساں دیکھا

کیا ہو وے شام روزِ جزا ڈھب نجات کا
باقی ہے انتقام ابھی عشرت کی رات کا

کہتے ہیں جان جاتے ہیں بیوفا مجھے
کیا اعتبار ہے انھیں دشمن کی بات کا

اے مرگ آکہ میری بھی رہ جائے آبرو
رکھا ہے اس نے سوگ عدو کی وفات کا

اس سے میں شکوے کی جا شکرِ ستم کر آیا
کیا کروں تھا میرے دل میں سو زباں پر آیا

قبر سے اٹھ کے یہی دھیان مکرر آیا
وہ تو آئے نہیں ہیں آپ بھی کیوں کر آیا

اے اجل نیم نگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہل ماتم میں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذت آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

شوق مردن تو ہے پر جیتے ہی بن آئے گی
شیفتہ ضد پہ جو اپنی وہ ستم گر آیا

ہے خراش ناخن غم میں بھی کیا بالیدگی
جو ہلال غرہ تھا سو ماہ کامل ہو گیا

شعلہ رو یار و شعلہ رنگ شراب
کام میاں کیا ہے دامن تر کا

نقش تسخیر غیر کو اس نے
خوں لیا تو مرے کبوتر کا

میری ناکامی سے فلک کو حصول
کام ہے یہ اسی ستم گر کا

کیا دوں جواب داور روز شمار کا
ہے اب تلک خیال اسی غفلت شعار کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

کب طالع خفتہ نے دیا خواب میں آنے
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

ایسے جفائے یار میں پائے مزے کہ بس
منکر ہی ہو گیا میں عذاب الیم کا

بسکہ آغاز محبت میں ہوا کام اپنا
پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا

ذکر عشاق سے اتنی ہے جو نفرت اس کو
آپ عاشق ہے مگر وہ بت خودکام اپنا

کیوں نہ ہووے تپش دل سے مجھے خواہش مرگ
سب کو دنیا میں پسند آئے ہے آرام اپنا

تاب بوسہ کی کسے دیں بھی وہ اب شیفتہ گر
کر چکی کام یہاں لذت دشنام اپنا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں رویا کیا

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی
صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

شب ہجراں نے کہا قصہ گیسوئے دراز
شیفتہ تو بھی دل زار نے سونے نہ دیا

کب ہمیں حاجت پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

خوبی بخت کہ پیمان عدو
اس کو ہنگام قسم یاد آیا

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

پروانہ بنا میرے جلانے کو وفادار
محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا

پروانہ وار جلنا دستور ہے ہمارا
اس شمع رو پہ مرنا مشہور ہے ہمارا

یہاں سبک ہے حرف ملامت وہاں گراں عرض نیاز
سخت جاں ہم کب تھے اور نازنیں کب تھا

پلائے اس برق جہاں سوز پر آنا دل کا
سمجھے جو گرمی ہنگامہ جلانا دل کا

ہے ترا سلسلۂ زلف بھی کتنا دل بند
پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹانا دل کا

دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیونکر
نہ سنا تم نے کبھی ہائے فسانا دل کا

معجز حسن سے سب جن و بشر ہیں تسخیر
میری بلقیس کو دعویٰ ہے سلیمانی کا

کسی بیتاب کو دیکھا کہ ہوا گرم عنان
کچھ نیا ڈھب ہے ترے رخش کی جولانی کا

نہ لکھا تھا غم ناکامی عشق نہ
جواب نامۂ بے مدعا کیا

بے پردہ وہ آئے مجھے کس طرح نہ ہووے
اے شیفتہ ہنگامۂ محشر کی شکایت

سونگھ گل ہوش آ گیا تھا دیکھ گل پھر غش ہوا
یاد آئی مجھ کو اس چاک گریباں کی بہار

کیا کہیں گے گر ستم دیکھے کہ اک بیدید پر
شیفتہ عاشق ہوئے وہ شوق میرا دیکھ کر

میرے آنے سے تم اٹھ جاتے ہو
بزم دشمن میں نہ آؤں کیونکر

کیا بن گیا ہوں صورت دیوار دیکھنا
صورت کسی کی میں سر دیوار دیکھ کر

کہتا تھا وقت نزع کی ہر اک سے شیفتہ
دینا کسی کو دل تو وفادار دیکھ کر

یہ ناخن و خراش میں بگڑی کہ کیا کہوں
اک دم ہوا جو عقدۂ بند قبا سے ربط

صبح شب فراق کیا لطف مرگ نے
کیا دیر میں ہوا ہمیں زود آشنا سے ربط

بے رحم نہیں جرم وفا قابل بخشش
محروم ہیں کس واسطے تعزیر کے مشتاق

لکھتا ہوں زبس آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آ کے لب تلک
ہے آرزوئے بوسہ بہ پیغام اب تلک

کہتے ہیں بیوفا مجھے میں نے جو یہ کہا
مرتے رہیں گے تم ہی پہ جیتے ہیں جب تلک

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
پہنچا دو یہ پیام اجل جاں طلب تلک

یہاں عجز بے ریا ہے نہ وہاں ناز دلفریب
شکر بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

صبح پروانے کا مجھ پر نہ پڑے ڈرتا ہوں
ماہ رو شمع کو ہرگز نہ جلانا شب وصل

ہنگام غش جو غیر کو اس نے سنگھائے گل — جنت میں لے چلی مری جاں کو ہوائے گل
ازبسکہ دیکھ جلوہ ترا جل گئی بہار — شعلے اٹھے زمیں چمن سے بجائے گل
خوش ہوں دکھانے لائے گا اسکو کہ غیر نے — بستر پہ میرے کانٹوں کے بدلے بچھائے گل
کب ہوئی خار راہ غیر بھلا — کیوں کھٹکتے ہیں چشم یار میں ہم
نعش پر تو خدا کے واسطے آ — مر گئے تیرے انتظار میں ہم
افغان چرخ رس کی لپٹ نے جلا دیا — نالے کو ڈھونڈتی ہے صبا اور صبا کو ہم
ہیں جاں بلب کسی کی اشارت کی دیر ہے — دیکھے ہے اس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم
میں زندہ اور غیر پہ بیداد جلد آ — اے مرگ داد چاہیں گے چلکر خدا سے ہم
کیا جانتے تھے صبح و محشر قد آئے گا — شام شب فراق نہ مرتے بلا سے ہم
اے جوش رشک قرب عدو اب تو مٹ اٹھا — بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کس التجا سے ہم
کم التفاتیوں کا ہے وہم اہل بزم کو — شرمندہ ہو گئے تری شرم و حیا سے ہم
آنکھوں سے یوں اشارۂ دشمن نہ دیکھتے — ہوتے نہ اس قدر جو نگہبانیوں میں ہم
تزئین میری گور کی لازم ہے خوب سے — تقریب سیر ہی سے وہ شاید گزر کریں
طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ — دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں
دشمن نواز یار و فلک بوالہوس پرست — کس سے جفائے غیر کا یارب گلا کروں
میں جل گیا وہ غیر کے گھر جو چلا گیا — شعلہ سے استعارۂ آواز پا کروں
کب ہاتھ کو خیالِ جزائے رفو نہیں — کب پارہ پارہ پیرہن چارہ جو نہیں
کیا جانے درد زخم کو گو ہو شہید ناز — جو نیم کشتِ خنجر رشک عدو نہیں
کچھ اور بے دلی کے سوا آرزو نہیں — اے دل یہ یاد رکھیو کہ ہم ہیں تو تو نہیں
بے اشک لالہ گوں کبھی میں بے آبرو نہیں — گریہ میں رنگ کیا ہو کہ دل میں لہو نہیں
پھر بھی کہو گے چھیڑنے کی اپنی خو نہیں — عطر سہاگ ملتی ہو وہ جس میں بو نہیں
کیا جوش انتظار میں ہر سمت دوڑیئے — بدنامیوں سے ہائے گزر ایک سو نہیں
شکر ستم ہی راس نہ آیا ہمیں کہ اب — کہتے ہیں وہ کہ لائق الطاف تو نہیں

ہرجائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو — کیا آپ کا نشانِ قدم کو بکو نہیں
نیرنگیوں نے تیری یہ حالت تغیر کی — امید زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں
کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ — اس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں
چراغ وقف محبت نے کر دیا افسوس — کہ مجھ کو دوست و دشمن سبھی جلاتے ہیں
تنگ تھی جاگہ دل ناشاد میں — آپ کو بھولے ہم اس کی یاد میں
کیونکر اٹھتا ہے خدا رنجِ قفس — مر گئے ہم تو کفِ صیاد میں
یہاں امید قتل ہی نے خوں کیا — رہ گئی حسرت دلِ جلاد میں
بیلے کہے سے بگڑ گئے تھے — دیوانہ میں جان کر بنا ہوں
گر کہیئے کہ غیر سے نہ ملئے — کہتا ہے کہ کیا میں بے وفا ہوں
دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ — اس کی گلی میں آج نشانِ قدم نہیں
الفت چھپا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا — اظہارِ عشق غیر سے وہ منفعل نہیں
جو حال پوچھتا ہے تم اس سے ہی پوچھ لو — مجھ کو دماغ قصۂ غم ہائے دل نہیں
جلے کیا کیا نہ عرض سوزشِ داغ نہانی میں — عجب آرام تھا جوں شمع ہم کو بے زبانی میں
عدو سے بات کی اور حرف آیا بے دھیانی میں — غرورِ حسن کم ہوتا ہے الطاف زبانی میں
دعوے میں بو الہوس کو عبث مال و جاہ میں — الماس ریزی فرش ہیں یہاں خوابگاہ میں
رقیب پیتے ہیں کس کس مزے سے جام شراب — ہمارے دہر میں افسوس احتساب نہیں
موئے پر بھی مجھے کس طرح اضطراب نہ ہو — یہ جور ہیں کہ قیامت کے دن حساب نہ ہو
ہے دل کو شکر وفائے عدو سے بے تابی — کروں میں کچھ گلہ لطف گر عتاب نہ ہو
ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں — عشق سے مجھ کو ڈراتے کیوں ہو
بوسۂ لب نہ مانگتا دشمن — منہ لگاتا ہے کون سائل کو
دیکھ کر چشم غضب کو اس کی میں نے رو دیا — چاہیئے پانی ملا لینا شراب تیز کو
کب ہوئیں گستاخیاں آدابِ عشق سے — دیجیئے تعزیر اپنی تمکین ہوس انگیز کو
کیوں نہ شادیٔ مرگ ہو ناکام مجھ سا دیکھ کر — زخم کے منہ میں زبان خنجر خوں ریز کو

خط آزادی تھا نامۂ غیر کا اے جوش رشک — پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسے دست آویز کو
آہ و زاری نارسا شوق اسیری بے اثر — کون لائے آشیانے تک مرے صیاد کو
اک دم شمشیر سے آزار سب جاتی رہے — ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلاد کو

اجل نے کی ہے کس دم مہربانی — کہ جب پہلو میں نا مہرباں ہے
سحر ان کو ارادہ ہے سفر کا — قیامت آنے میں شب درمیاں ہے
دیت اہل فلک کے درہم داغ — کہ تیر نالہ اپنا خوں چکاں ہے

انصاف اے خدائے دو عالم کہاں تلک — وصل صنم عدو کو ہو رشک عدو مجھے
تشبیہ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے — سنبل سے عطر فتنہ کی آتی ہو بو مجھے
تاب وصل اس سمن اندام کو کہاں — بس بس نہ چھیڑ اے خلش آرزو مجھے
جاتا ہوں کوئے غیر میں صحرا کے بدلے میں — دیوانگی میں بھی ہے تری جستجو مجھے

اگلے رشک ان کو یاد آنے لگے — ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لگے

پھر محرک ستم شعاری ہے — پھر انھیں جستجو ہماری ہے
پھر وہی بے قراری تسکیں — وہی تسکین بے قراری ہے

کہے ہے مجھ سے کہ اس جور پر تو چھوڑ اسے — ستم تو دیکھو کہ طعن عدو وفا پر ہے
خیال تھے اثر جذب دل سے کیا کیا آج — ہزار خوں ہوس گردن حنا پر ہے
کہاں تلک ستم یار کا فلک سے گلہ — تو آپ شیفتہ اے شیفتہ جفا پر ہے

غیر بھی کیوں تم سے نباہیں گے گر — جرم و وفا قابل تعزیر ہے

کرتا ہوں میں تعریف زبس اسکے دہن کی — لیتے ہیں مرے لب مری تقریر کے بوسے

جس لب کے بوسے غیر لے اس لب سے شیفتہ — کم بخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

شکر ستم نے اور بھی مایوس کر دیا — اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کرے

آؤ مل جائیں لڑائی ہو چکی — ایک دم صبر آزمائی ہو چکی

کیا ارادہ اگر سیر باغ کا تو نے — قیامت آئے گی ابر بہار کے بدلے

دیکھ تغیر مرے رنگ کو شوخی سے کہا — تجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہے

بھیج کر کس کو بلاؤں شب غم میں کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو پہ کب سوئے اجل جاتا ہے

بزم دنیا میں ہے دو شخص کو کب عیش نصیب
سو تجھی کو ہے مجھ کو تو یہ غم بھی بس ہے

دولت وصل سے کیا کام ہوس ناکوں کو
نازِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہے

خود چاک کروں جامۂ اعدا کہ نہیں چاک
جی میں ہے کہ لوں دھجیاں ربابِ ہوس کی

اے عدو کس لیے نازاں ہے سمجھ تو آخر
جس سے ہم خوار ہوئے ہیں یہ وہی عزت ہے

لے چلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں
آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے

کھول جلد اے شیفتہ آغوش شوق
یہ صدا آئی لبِ سوفار سے

اس نے خوش کرنے کو پڑھوایا عدو سے خط مرا
بسکہ تھا آگاہ حرف شکوہ کی تحریر سے

ننگ مہمانی دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

ناصح تری زباں ترے بس میں نہ ہو تو پھر
انصاف کر کے دل پہ مرا زور کیا چلے

کیا شوق جستجو ہے کہ گر پاؤں ٹوٹ جائیں
تیری گلی کی سمت مرا نقش پا چلے

یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بے وفا
روتے مرے جنازے پہ کیوں اقربا چلے

تھی کب سے مرگ و حسرت دیدار میں نزاع
وہ ایک دم میں آن کے جھگڑا مٹا چلے

اے جان لب پہ آ کے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہوا چلے

تذکرہ صلح غیر کا نہ کرو
بات اچھی نہیں لڑائی کی

تم کو اندیشۂ گرفتاری
یہاں توقع نہیں رہائی کی

ایک دن تیرے گھر میں آنا ہے
بخت و طالع نے گر رسائی کی

ایسی رغبت سے کیے قتل گماں کاہے کو تھا
شیفتہ اس کو تو تو تم سے محبت نکلی

حرف الصاد المہملہ

صاحب

صاحب تخلص اور نام مظفر الدولہ ممتاز الملک نواب ظفریاب خاں بہادر

ہے. شمرو فرانسیس کا بیٹا ہے۔ اپنے شعر پر اصلاح خیراتی خاں دلسوز سے لیا
کرتا. جہان آباد میں قیام کے دوران مشاعرے کی محفل منعقد کرتا۔ آغاز جوانی
ہی میں اس کی حیات کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

نظر آیا مجھے شب بام پہ پیارا اپنا — بارے اب کچھ ہے بلندی پہ ستارا اپنا
ہے زلف حلقہ زن خطِ دلبر کے آس پاس — یا اژدہا ہے فوج سکندر کے آس پاس

صاحب

صاحب تخلص. پہلے گزر گئے لوگوں میں سے ہے. صاحبِ دیوان ہے
یہ شعر اس کا ہے :-

زور کیفیت مے ہے کہ سبھی جھکتے ہیں — جام پر شیشہ جھکا شیشہ پہ مے خوار جھکا

صاحب

صاحب تخلص اور نام امۃ الفاطمہ بیگم ہے. صاحب جی کے نام مشہور ہے
نیکی کے آسمان کا چاند ہے. وہ مشرق سے نکلنے والا آفتاب ہے جو مغرب سے
نکل آیا ہے. علاج کے سلسلے میں اس کو مومن خاں (مومن) سے کام پڑا۔
ایک ماہ کے اندر درد اور دوا کے کئی موقع درپیش ہوئے. اب اس کو لکھنؤ
واپس گئے برسوں بیت چکے ہیں "قول غمین" نام کی مثنوی خان موصوف
کی تصنیفات میں سے ایک ہے. اس مثنوی میں اسی موزوں قد کے حسن و
جمال کی تفصیل ہے. قصہ مختصر یہ ہے کہ ان (مومن خاں) کی صحبتوں کے فیض
سے اس کا دل شعر و شاعری کی طرف مائل ہوا اور موزوں قامتی سے موزوں
طبعی کی جانب راغب ہوئی. وہ زلف پریشاں کو سنوارتے سنوارتے پیچیدہ
اشعار کی گرہ کشائی کرنے لگی. یہ اشعار اس کے ہیں :-

رقیبوں کا جلنا کہاں دیکھتا تو — سماں یہ مرے گھر میں آیا تو دیکھا

گنہ کیا صنم کے نظارے میں زاہد
یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھا

کھوے ہیں اس نے پیرہن یوسفی بجند
تہ کرد کھے نسیم سے کہہ دو قبائے گل

نظر ہے جانب اغیار دیکھئے کیا ہو
پھری ہے کچھ نگہ یار دیکھئے کیا ہو

جو خط جبیں کا مری کاتب ہی اسی کو
دکھلا تو میرا نامۂ اعمال الٰہی

صاحب جو بنایا ہے تو مانند زلیخا
یوسف سا غلام ایک مجھے ڈھونڈ ال الٰہی

صاحبقران

صاحبقران تخلص اور نام امام علی ہے۔ رضویہ سادات سے تعلق ہے اور بلگرام کا رہنے والا ہے۔ شرم و حجاب اس کے دل سے کوسوں دور ہے اور اس کی طبیعت آداب و اخلاق سے یکسر محروم ہے۔ ہر چندان اوراق میں یہ زیبا نہیں دیتا کہ کسی کا نام بدی سے لیا جائے اور میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں لیکن اس شخص کے خصوص میں اس کی فحاشی اور ہزل گوئی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے طریقہ کے خلاف چند الفاظ قلم کی نوک پر آہی گئے ہیں جو اس صفحہ پر لکھ دیئے۔ خدا سے دعا ہے کہ میرے نامہ اعمال سے اس نامۂ سیاہ کو محو کر دے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ اس کے تمام اشعار ہزل کے اسالیب سے بھرے پڑے ہیں۔ اگرچہ مضامین دلکشی بھی رکھتے ہیں لیکن ان کو لکھنے میں حیا مانع ہوتی ہے مگر اس کے ایک شعر کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بہت بلند مرتبہ کا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ بے باک نوجوان اور ہوسناک شباب کے حامل لوگ ان اشعار کے نہ لکھنے سے شکایت اور گلہ کریں۔ اس لیے ناچار ہو کر اس کا ایک شعر یہاں لکھا جا رہا ہے۔ عربی میں کہاوت ہے کہ الانسان اذا یبتلی ببلیتین فاختارا ہونہما یعنی دو مشکلات میں پھنس کر آدمی چھوٹی مشکل کو اختیار کر لیتا ہے مختصر یہ ہے کہ اس کی شاعری کا خلاصہ اس شعر میں ہے:۔

مجھ کو شہوت ہوئی تیمم سے
تھی مقرر کسی چھنال کی خاک

صادق

صادق تخلص اور نام صادق علی خاں ہے۔ عظیم آباد کے رؤسا میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

وہ ہی عرق سے یار کے چاہ ذقن میں آب　　　دیکھے تو خضر کے بھی بھر آئے دہن میں آب

صادق

صادق تخلص اور نام میر جعفر خاں ہے۔ دہلی کے بڑے آدمیوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

شرم سے نام وہ نہیں لیتا　　　پھر ہمارا خطاب ہے کوئی

صادق

صادق تخلص اور نام صادق علی خاں ہے۔ فوجدار خاں کہ جس کا لقب پیلبان خاص شاہی ہے، کے رشتہ داروں میں سے ہے اور انشاء اللہ خاں سے شاگردی کی نسبت رکھتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

صادق اب اور سروکار نہیں اس سے مگر
نظر بھر کے ہمیں ایک دیکھنا اس کا کفایت ہے

صابر

صابر تخلص اور نام صابر شاہ دہلوی ہے۔ محمد شاہ کے عہد کا ایک شاعر ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جو ہم بستر نہ ہو ہم سے تو اس کی کیا شکایت ہے
ایک بوسے کی رکھے ہے دل غم ناک ہوس

صانع

صانع تخلص اور نام نظام الدین احمد بلگرامی ہے اسی نام میں اس کی تاریخ ولادت بھی ہے (یعنی تاریخی نام ہے) یہ شخص اپنے آداب و اخلاق میں بہت مہذب ہے۔ فارسی زبان میں اس کی شاعری قابل تحسین ہے اس نے اپنے زمانے کے ممتاز شعراء مثلاً شیخ علی حزیں لاہیجی اصفہانی اور والہ داغستانی کی صحبتیں اٹھائیں کبھی کبھار ریختہ میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

صنم کی اس محبت پر دیا تھا جان و دل صانع
نہ تھا معلوم ہو جائے گا یوں نا مہرباں اپنا

صبا

صبا تخلص اور نام کانجی مل ہے۔ آبائی وطن فیروزآباد ہے لیکن لکھنؤ میں پیدا ہوا اور وہیں پروان چڑھا مصحفی کے شاگردوں میں سے ہے ایک مختصر دیوان بھی مرتب کر چکا ہے۔ اوائل شباب میں ہی اس فانی دنیا کو ترک کر گیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ابھی تسکین ہوئی تھی اک ذرا فریاد و زاری سے
لگا دل مضطرب ہونے کہ پھر درد جگر اٹھا

افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ پایا　　جسکے لیے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا

چلے دامن اٹھا کے یہ کہو اس شوخ قاتل سے
کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگیں خون بسمل سے

صبا

صبا تخلص۔ میر ضیا کے شاگردوں میں ایک شخص ہے۔ یہ اشعار اس

کے ہیں :- جمع کر کے درد سارے تونے دل پیدا کیا
کہہ تو اے دست قضا پھر اس سے کیا حاصل کیا
نہ دکھ محروم بوسے سے ہمیں قاتل کہ مرتے ہیں
جو مانگے سو اسے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں
نہ تھا صبا کی دیکھی کل رات دور سے جو
آئے نظر مجھے وہاں شمع و چراغ کتنے
جا کر جو آج دن کو دیکھا کیا تفحص
ایک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

صبا

صبا تخلص اور نام مرزا راجہ شنکر ناتھ بہادر ہے۔ مرزا راجہ رام ناتھ بہادر کا بیٹا ہے۔ اس کا نام پیشکاری اور نظارت کے عہدوں سے جڑا ہوا ہے۔ مشاعروں کی محفلیں بھی منعقد کیا کرتا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

کیا پوچھتے ہو جور و ستم مجھ سے یار کا
دیکھو نہ حال میرے دل بے قرار کا
دل جب اس کی نگہ مست کا مخمور ہوا
سرخوش کیفیت بادۂ انگور رہا

صبر

صبر تخلص اور نام مرزا غلام حسین خاں ہے۔ حکیم بو علی خاں کا بیٹا ہے آبائی وطن کشمیر جنت نظیر ہے اور یہیں پر اس کی اور اس کے بعض بزرگوں کی پیدائش اور نشو و نما ہوئی۔ اپنی پسندیدہ شاعری پر میر عزت اللہ خاں عشق سے اصلاح لیا کرتا۔ یہ شعر اس کا ہے :-

گہے قصد حرم گاہے سر خانہ رکھتے ہیں
غرض ہم بھی عجب ہی مشرب اندازہ رکھتے ہیں

صدق

صدق تخلص ہے۔ حیدرآباد کا رہنے والا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

بد تحت اشک اب نکلے ہے شاید　　ہوا آنکھوں میں آلخت جگر بند
کہاں نکلے ہے تارِ زلف سے دل　　کری پرواز کیوں کر مرغ پر بند

صبا

صبا تخلص اور نام منو لعل ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا کانستھ ہے۔ مصحفی کے شاگردوں میں سے ہے۔ گو کہ اس ایک شعر کے علاوہ اس کا اور کوئی دوسرا شعر کبھی نظر سے نہیں گزرا، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ اس شعر کو کہنے والا لازمی اپنے فن میں اعلیٰ سلیقہ رکھتا ہوگا :-

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں　　کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

صفا

صفا تخلص ہے لیکن اس کے نام اور عقاید وغیرہ کے بارے میں کوئی معلومات ہاتھ نہیں لگی۔ یہ شعر اس کا ہے :-

محتسب جھوٹ ہے مے کسی نے بھری شیشے میں
رہ گئی ہے مری آنسو کی تری شیشے میں

صفدر

صفدر تخلص اور نام ہے سونی پت کا رہنے والا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

برقع کو اٹھا منہ سے جو تم کرتے ہو باتیں
اب میں ہمہ تن گوش بنوں یا ہمہ تن چشم

شجر سوختہ شمع سے جب گل نکلے　　چاہیئے بیضۂ فانوس سے بلبل نکلے

کھول دیتی گرہ زلف صبا کیوں نہ ہوئی
تیرے پاؤں سے لگی رہتی حنا کیوں نہ ہوئی

صفدری

صفدری تخلص اور نام میر صادق علی ہے۔ میر نظام الدین ممنون کا چھوٹا بھائی ہے۔ اپنے بڑے بھائی سے تربیت پائی۔ عین جوانی میں ایک کافر کے ہاتھ اس بے گناہ کا قتل ہو گیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

نہیں معلوم پڑا پائے نگاریں کس کا ۔۔۔ چھچھاہٹ ہے حنا کی سی گل قالیں پر
صفدری قد کو نہیں اسکے کہا تھا گل سرو ۔۔۔ سید ہے اس شوخ نے کیا کیا نہ سنائی مجھ کو
آنکھ اپنی یہ کس کے در زنداں پہ پڑی ہے ۔۔۔ جو اشک مسلسل ہے سو موتی کی لڑی ہے
ہے شکایت یہی کہ غیروں نے ۔۔۔ آ شکایت ہماری آپ سے کی

صنعت

صنعت تخلص اور نام کریم الدین ہے۔ مراد آباد کا رہنے والا ہے۔ سنار کے کام میں استاد ہے۔ آزادانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ قیمتی وقت عبادت میں گزارتا ہے۔ بہت مرتبہ دہلی آیا لیکن میں نے اس درویش کو نہیں دیکھا ہے یہ شعر اس کا ہے :۔

یہ مانا کہ ہیں آپ دل بر و لیکن ۔۔۔ ہمارا ہی دل لے کے دلدار ٹھہرے

حرف الضاد المعجمہ

ضبط

ضبط تخلص اور نام میر حسن شاہ ہے۔ اس کے علاوہ کہ یہ لکھنؤ کا رہنے والا ہے۔ زیادہ احوال فقیر کو معلوم نہیں کہ ضبط تحریر میں لے آتا۔ یہ شعر اس کا ہے:

نقدِ دل وحشت میں کھو کر ایک جنون پیدا کیا
ہم نے بازارِ محبت میں یہ کیا سودا کیا

ضمیر

ضمیرؔ تخلص اور نام شیخ مداری اکبر آبادی ہے۔ ولی محمد نظیرؔ سے تربیت پائی۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

وہ ابھی ہے نو گلِ آرزو وہ ہنوز تازہ بہار ہے
نہ کچھ آئینہ سے اسے خبر نہ حیا سے کچھ سروکار ہے

ضمیر

ضمیرؔ تخلص اور نام گنگا داس ہے۔ شاہ نصیر کا شاگرد ہے۔ رمل سے بھی واقفیت رکھتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

میں بتاتا ہوں ضمیر اب کچھ تجھے بھی ہے خیال
چشم خواب آلودہ اس کی فتنۂ بیدار ہے

ضیا

ضیاؔ تخلص اور نام میر ضیاء الدین ہے۔ شاہ جہاں آباد کے قدیم باشندوں میں سے ہے۔ یہاں سے منتقل ہو کر عظیم آباد (پٹنہ) میں جا بسا۔ اور وہیں وفات پائی۔ اس کا شمار نامی شاعروں میں ہوتا ہے۔ اسکے شاگرد کثیر تعداد میں ہیں۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

صاف تھا جب تک تو ہم کو بھی جواب صاف تھا
اب تو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا

رازِ دل ہیں پوچھتے اور بولنے دیتے نہیں   بات منہ پر آ رہی اور لب ہلانا منع ہے

ضیاؔ

ضیاؔ تخلص اور نام مرزا ضیا بخت ہے۔ مرزا فرخندہ بخت کا بیٹا ہے جو زمانہ کے لیے لائق تکریم ہے۔ اس کے بارے میں اور تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

چھڑا کے کون گیا ہاتھ سے ضیاؔ دامن　　　بندھا جو اشک کا تا جیب تار رہتا ہے

ضیاؔ

ضیاؔ تخلص اور نام ضیاء الدین ہے۔ مزاج کا لا ابالی تھا۔ شراب کثرت سے پیتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جوں چنار اس جا نہ پھولیں ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم
جب مراد اپنی کو پہنچیں ہیں تو جل جاتے ہیں ہم

حرف الطاء المہملہ

طالبؔ

طالبؔ تخلص اور نام طالب حسین ہے۔ عسکری المتخلص نالاں کا بیٹا ہے۔ شاعری میں انشاء اللہ خاں سے اصلاح لیتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

دشت میں آہ شرر بار جو طالبؔ نے بھری　　　ایک شعلہ گیا خاشاک بیاباں سے لپٹ

طالبؔ

طالبؔ تخلص۔ دکن کا رہنے والا اور ولیؔ کا ہم عصر ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

طالبؔ کے خون چشم سے آلودہ کیا کرے　　　وہ پاؤں جو حنا سے رہے سرگراں سدا

طالب

طالبؔ تخلص اور نام میر طالب ہے۔ سید الشعرا میر غالب علی خاں
تخلص سیدؔ کا فرزند رشید ہے۔ یہ مطلع اس کا ہے:۔

مضطر ہو کب میں شب اٹھا اے ماہرو نہ آیا
گھر سے تری گلی میں تا بام تو نہ آیا

طالب

طالبؔ تخلص اور نام حافظ طالب ہے۔ رام پور کا رہنے والا ہے۔ مولوی
قدرت اللہ شوقؔ کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

چیر یئے سینے کو شق کیجئے دل دلگیر کو یہ ہی دو جاگہ ہے اور کیا لگا گیا میں تیر کو

طرب

طربؔ تخلص اور نام جھنو لعل ہے۔ کائستھ ہے۔ آبائی وطن لکھنؤ ہے۔
نوازش حسین خاں نوازشؔ کا شاگرد ہے۔ اس کی طبیعت زیادہ تر مرثیہ گوئی
کی طرف مائل تھی اسی مناسبت سے دلگیر تخلص اختیار کیا۔ اس کے مرثیے
لوگوں میں مشہور اور زبانوں پر جاری ہیں۔ اور ائمہ علیہ السلام کے تئیں فرطِ
عقیدت کے باعث اس نے اپنا مذہب بدل دیا، اپنا آبائی دین چھوڑا اور
مشرف بہ اسلام ہوا، الحمد للہ[۵]۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

معطر اس کے نہانے سے بسکہ آب ہوا حباب بحر ہر ایک شیشہ گلاب ہوا

گئے جان سے گزر ہم جو نہ وعدے پر وہ بت آیا
بہانا اس کا گویا موت کا اپنی بہانا تھا

---

۵ نسخۂ نول کشور میں الحمد للہ نہیں ہے۔ ح خ

طرّہ

طرّہ تخلص اور نام طرہ باز خاں ہے۔ بنارس کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

مصور کھینچے گر اس شوخ کی تصویر کاغذ پر
مری صورت بھی ہو زیر قدم تحریر کاغذ پر

طفل

طفل تخلص اور نام مرزا عبدالمقتدر بہادر عرف مرزا طفل ہے۔ حضرت شاہ عالم سے خسر داماد کا رشتہ تھا۔ زہد و تقوے والا انسان تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

رات دن مونس جاں وحشت تنہائی ہے
دل ہے میرا کہ کوئی وحشی صحرائی ہے

طور

طور تخلص ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ایک شخص ہے۔ محمد رضائی برق کا شاگرد ہے جو آج کل خود ناسخ کے اچھے شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے باقی حالات کی اطلاع نہیں ہے یہاں تک کہ اس کا نام بھی معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

نہ لیتا عمر بھر نام رہائی ۔۔۔ تو اپنے دام میں لایا تو ہوتا

طوماس

طوماس تخلص والا ایک سفید فام (انگریز) ہے جو خاں صاحب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ شاہ نصیر کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اسقدر ۔۔۔ روتے ہیں ہم کھڑے سرے بازار زار زار

حرف الظاء المعجمہ

ظاہر

ظاہر تخلص اور نام میر محمدی ہے۔ آبائی وطن جہان آباد (دہلی) ہے لیکن اکبر آباد میں سکونت اختیار کرلی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

یہ تو سب جور و جفا ہو گئے خوگر ہم کو　　چاہیئے اب ستم نو کوئی ایجاد کرو

ظفر

ظفر تخلص ہے۔ دنیا بھر کے لیے لائق تکریم ہے۔ نام مرزا ابوظفر بہادر ہے بادشاہ سلامت حضرت محمد اکبر شاہ، خدا اس کے سائے کو قائم و دائم رکھے، کا ولی عہد ہے۔ لاتعداد خوبیوں اور صفات کا حامل ہے۔ بہت سے فنون میں دستگاہ رکھتا ہے اور فن (یعنی شاعری) سے خوب آشنا ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق اس کے نعمتوں سے بھرپور دسترخوان کا شریک ہے اور اس کا وظیفہ خوار (ملازم) ہے اور اس کے اشعار و افکار کو اپنی اصلاح سے درست و ہموار کرتا ہے۔ اس کے بعض آبدار اشعار ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:۔

ضبط فریاد کروں گریہ کو روکوں لیکن　　دل بے تاب کو تھاموں یہ نہیں ہوسکتا
چار ٹکڑے کرو دل کے کہ نہیں ہوسکتا　　رخ کو دوں لب کو دہن زلف کو دل تل کو نہ دوں
ہمارے آگے ہے ذکر اگلے دوستداروں کا　　پرانے مردوں کی وہ ہڈیاں اکھاڑتے ہیں
اب بھی وہ آنکھ تری آئینہ رو ہے کہ نہیں　　اگلے طوروں پہ خدا جانئے تو ہے کہ نہیں
دل دے کے ان کو ایسی اذیت ہوئی ہمیں　　اب دل کبھی نہ دیں گے نصیحت ہوئی ہمیں
پی لاکھ بار صہبا کی لاکھ بار توبہ　　اب کر چکا میں توبہ توبہ ہزار بار توبہ

تیس دن وعدے پہ غرے کی پھراتا ہے مجھے
جب ہوا چاند تو غرہ ہی بتاتا ہے مجھے

جنوں میں کیا مرے پیوند پیرہن کو لگے
کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن کو لگے

قاصد اشک چلالے کے جو دل کا پیغام
کیا ظفر اس سے ملاقات کی پھر ٹھہرائے

نعل شکل مہ نواب ترے تو من کو لگے
چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے

پڑھ لیتے پس صفحہ ہی مضموں ترے خط کا
کاغذ میں سیاہی دم تحریر نہ پھوٹی

جفا کی آپ کے باعث وفا ہماری ہے
خطا تمہاری نہیں ہے خطا ہماری ہے

ظہور

ظہور تخلص اور نام ظہور اللہ بیگ ہے۔ نسلاً توران کا رہنے والا ہے۔ اسی شہر جنت نظیر (دہلی) میں پیدا ہوا ہے۔ قرآن کریم لکھ کر گزر بسر کرتا ہے یہ شعر اس کا ہے:۔

ایسا نہ ہو قاصد کہ مرا کام نہ ہووے
گم نامۂ حالِ دل گمنام نہ ہووے

حرف العین المہملہ

عالی

عالی تخلص ہے۔ امیر تیمور کے خاندان کا ہے اور شیخ ابراہیم ذوق کا شاگرد ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

صریح اس کو اگر حال دل جتا نہ سکے
تو کیا غزل میں بھی پڑھ پڑھ کے ہم سنا نہ سکے

بیوں تو دل کی بجھے آگ آہ اس پہ سے
ذرا سا وار کے پانی بھی یار لا نہ سکے

عالیجاہ

عالیجاہ تخلص ہے۔ نواب نظام الملک بہادر تخلص نظر کا فرزند ارجمند ہے۔

اس کا احوال لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

رات دن اشک سے آنکھوں میں تری رہتی ہے
شاخ نرگس اسی پانی سے ہری رہتی ہے

عارؔف

عارؔف تخلص اور نام محمد عارف ہے۔ کشمیری نسل کا ہے۔ اسکی ولادت اتفاق سے جہان آباد (دہلی) میں ہی ہوئی ہے۔ اس کا پیشہ رفوسازی ہے میر و مرزا کا معاصر رہا ہے۔ شاعری کی طرف اس کا رجحان گویا اس کی فطرت کا تقاضہ ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اس ابر میں پی ساقی دمی جی پہ بنی ہے ہر بوند کا کھانا مجھے ہیرے کی کنی ہے
دخت رز سے کہو کر آن ملے ورنہ عارؔف افیم کھاتا ہے

عارؔف

عارؔف تخلص اور نام میر سید علی ہے۔ سید ہے اور امروہہ کا ہے۔ کچھ عرصہ سے مراد آباد میں رہنے لگا ہے۔ آدمی سمجھ بوجھ والا ہے۔ عروض اور قافیہ خوب جانتا ہے۔ مصحفی کا شاگرد ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ آج کل شاعری چھوڑ دی ہے۔ پند و وعظ کرتا ہے اور خلق خدا کو خدا کی راہ پر لاتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

رات ساری مجھے دونوں کی تسلی میں کٹی ہاتھ دل پر سے اٹھایا تو جگر پر رکھا

ہاتھوں کو چاکِ جیب تلک دسترس نہیں
میں کس کے بس میں ہوں کہ مرا کچھ بھی بس نہیں

وہ ہوا گر دے جب وقتِ شکار آلودہ
تیر خاکی بنے مژگان غبار آلودہ

عاجز

عاجز تخلص اور نام الفت خاں ہے۔ خورجہ کے افغانوں میں سے ایک شخص ہے۔ اس کا ایک شعر دیکھا جو یہاں لکھ دیا ہے:۔

کیا ہوا گر چشم ترسے خون ٹپک کر رہ گیا
بادہ گلگوں کا ساغر تھا چھلک کر رہ گیا

عاجز

عاجز تخلص اور نام زور آور سنگھ کھتری ہے۔ آنند رام مخلص کے نواسے پوتوں میں سے ہے اور شیخ نصیرالدین عزت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

شب مہتاب کس کمبخت کو ہجراں میں بھاتی ہے
کہ اس سے گرمئی روز قیامت یاد آتی ہے

عاصی

عاصی تخلص اور نام منشی امداد حسین ہے۔ سوائے نام کے اس کے احوال سے واقفیت نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

میں کس کس شعلہ رو کو سینۂ صد چاک دکھلاؤں
رہا تھا ایک دل سو جل گیا کیا خاک دکھلاؤں

عاصی

عاصی تخلص ہے۔ رام پور کے باشندوں میں سے ایک شخص ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کملائے ہے گرمی سے نگہ کی وہ گل اندام
اللہ یہ کیا لطف کی نازک بدنی ہے

عاصمی

عاصمی تخلص اور نام خواجہ برہان الدین ہے۔ خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد ہے۔ قدما کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا یہاں گل تھا

عاقل

عاقل تخلص اور نام عاقل شاہ ہے۔ مزاج میں شوریدگی اور آزادی تھی۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

قید بھی یہاں کچھ نہیں اور چھوٹ بھی سکتے نہیں
واہ واہ اس دام کو اور آفریں صیاد کو

عاشق

عاشق تخلص ہے۔ نرور کا رہنے والا ہے۔ یہ مطلع اس کا ہے:۔

فقط تو ہی نہ میرا اے بت خونخوار دشمن ہے
ترے کوچے میں اپنا ہر در و دیوار دشمن ہے

عاشق

عاشق تخلص اور نام بخشی بھولا ناتھ پنڈت ہے۔ اس کے والد راجہ گوپی ناتھ کو مجد الدولہ کی دیوانی سرکار میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

قیس ناداں سراسر نظر آیا ہم کو　　جائیے دشت میں کیوں کوچۂ دلدار کو چھوڑ

عاؔشق

عاؔشق تخلص اور نام رام سکھ کھتری ہے۔ پہلے غلام حسن تجلّی کے شاگردوں میں تھا بعد میں شاہ نصیر کو اپنا استاد بنا لیا۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

حیرت زدہ میں دیکھوں ہوں یوں اس کو بزم میں
تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف

عاؔشق

عاؔشق تخلص اور نام مہدی علی خاں ہے۔ نواب علی مرداں خاں مرحوم کا پوتا ہے۔ نواب مرحوم بڑا صاحب مروت اور بلند اخلاق والا تھا۔ اس کے اوصاف حمیدہ تمام میں مشہور تھے۔ دس برس تک وہ اپنے گھر پر ہر جمعہ کو منعقد ہونے والے مشاعرے کی محفل اور صحبت کا فیض اٹھاتا رہا۔ اعظم الدولہ کا بیان ہے کہ اس کے تصنیف کردہ تقریباً دو لاکھ اشعار اس کی نگاہ سے گزرے ہیں۔ کہ جو ریختہ کے تین دواوین اور فارسی کے دو دواوین پر مشتمل ہیں۔ ان میں ہی حملہ حیدری اور دیگر متعدد مثنویاں بھی شامل ہیں لیکن مجھ کو جو کچھ انتخاب کے قابل نظر آیا تو ناچار یہی ایک شعر ہے جو یہاں لکھا جا رہا ہے :۔

ابر آتا ہے آفتاب چھپا　　ساقیا مت شراب ناب چھپا

عاؔشق

عاؔشق تخلص اور نام شیخ نبی بخش اکبر آبادی ہے۔ شیخ محمد صلاح کا بیٹا ہے نظیر اکبر آبادی کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

دام میں پکڑ ہمیں صیاد پچھتایا بہت　　استخواں آئے نظر جب بال اور پر کے تلے

اب یاد کیے سے چبھتے ہیں سو خار ندامت سینے میں
اس گل کو جو وقت رخصت چھاتی سے لگانا بھول گئے

عاشق

عاشق تخلص اور نام مولوی جلال الدین ہے۔ قدیم شاعروں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

یہ کس کے نوک مژگاں سے پڑا ناسور سینے میں
کہ بندھنے بھی نہ پایا زخم پر انگور سینے میں

عاشقی

عاشقی تخلص اور نام آقا قلی حسین خاں ہے۔ آغا علی خاں کا بیٹا ہے مغلوں میں سے ہے۔ اس کا خاندان خراسان کا ہے۔ اس کی پیدائش عظیم آباد (پٹنہ) میں ہوئی۔ اس کے بزرگوں کو تیموری سلطنت میں اچھی حیثیت حاصل تھی۔ یہ بھی انگریزی سرکار میں اچھے عہدوں پر رہا اور عشرت و کامرانی سے ہمکنار ہوا بندہ نے اس کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب وہ سکندر آباد کے علاقہ جات کی تحصیل پر اختیار رکھتا تھا۔ یہ درست ہے کہ اس زمانے میں اس کو اچھے برے کی ہرگز تمیز نہیں تھی لیکن پھر بھی اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص طبعاً متین خلیق اور ملنسار تھا۔ کہتے ہیں کہ آج کل لکھنؤ میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کی تصانیف کا جہاں تک تعلق ہے تو ایک تصنیف بہ عنوان "نشہ عشق" نگاہ سے گزری ہے کہ جو فارسی اشعار پر مشتمل ہے عربی زبان سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر اور روشن ہے اور اس میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں ہے۔ مختصراً یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جس سے کہ میں پوچھوں ہوں مزا عشق کا کیا ہے　　　　رو رو کے یہ کہتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

بدحواسی ہے یہاں تک پونچھنے کو اشک کے	چشم کو میں بھول کر رکھتا ہوں سر پر آستیں

عبرت

عبرت تخلص اور نام میر ضیاء الدین ہے۔ نواب محبت خاں سے شاعری کا ہنر سیکھا۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

بیتاب نہیں شے کوئی سیماب کے مانند	پر دہ بھی نہ ہوگا دل بے تاب کے مانند

عبدالواسع

عبدالواسع نام ہے۔ اس کا حال معلوم نہیں۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا	سوائے بے کسی اب کوئی آشنا نہ رہا

عزلت

عزلت تخلص اور نام سید عبدالولی ہے۔ شاہ سعداللہ سورتی کا بیٹا ہے۔ لکھنؤ کے ایک قصبہ میں اس کا گھر تھا۔ حالانکہ اس کا تخلص عزلت ہے لیکن وہ جہاں گرد تھا۔ وہ جہان آباد آیا اور حیدرآباد سے بھی گزرا۔ آدمی فضیلت سے خالی نہیں تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

جلایا مصحف دل تونے کیوں برق تغافل سے	جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

شانہ اس زلف میں پھرتے یہ بجا کہتا تھا	بات کہتے ہی شب وصل چلی جاتی ہے

شکستہ گر ہوا دل اب نظر نہ کر مجھ پر	یہ ٹوٹے آئینے میں نہ تری بلا دیکھے

عزیز

عزیز تخلص اور نام بھاری لعل ہے۔ آدمی مالدار ہے اور معاش کی تلاش اور فکر سے آزاد ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

بات اب امتحان پر آئی   قصہ کوتاہ جان پر آئی

ملیں کیونکر بھلا اس شوخ طفل لاابالی سے   کہ سوتے سوتے جو چونکے ہے تصویر نہالی سے

آرام وصل و ہجر میں ممکن نہیں ہمیں   یونہی ہمیشہ مضطرب اے رشک ماہ تھے

اب ہجر ہے تو حسرت دیدار ہے ہے جی   جب وصل تھا تو کشتہ تیغ نگاہ تھے

عزیز

عزیز تخلص اور نام عزیز اللہ ہے۔ دکن والوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ایسے بے درد سے کیوں دل کو لگایا ہم نے   عشق میں جس کے کبھو چین نہ پایا ہم نے

عزیز

عزیز تخلص اور نام مہاراج سنگھ ہے۔ علاوہ نام کے اور کچھ اطلاع نہیں ہے یہ شعر اس کا ہے:۔

ضعف سے ہر رگ تن ہو تار بستر   کیوں کر بستر سے وہ بیمار اٹھے اور بیٹھے

عزیز

عزیز تخلص اور نام شیونا تھ ہے۔ دہلی کے سودخوروں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

یا دل اک نگہ میں دلربائی اسکو کہتے ہیں   کیا بیگانہ سب سے آشنائی اس کو کہتے ہیں

عسکری

عسکری تخلص اور نام مرزا عسکری ہے۔ شاہ قدرت اللہ مرشد آبادی کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کہنے کو ادھر ادھر گئے ہم   تھی تری طرف جدھر گئے ہم

عشاق

عشاق تخلص ہے۔ ہندوؤں میں سے ہے اور اگلوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

سرسبز خط سے اور ہوا حسن یار کا   آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

عشقی

عشقی تخلص ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ مراد آباد کا باشندہ ہے دیگر احوال اس کا راقم کی نگاہ سے نہیں گزرا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کوئی تو ہے گل چہرہ کوئی سرو رواں ہے دیکھا تو یہاں ایک ایک آفت جاں ہے

عشق

عشق تخلص اور نام شاہ رکن الدین ہے۔ شاہ گھسیٹا کے نام سے مشہور ہے عظیم آباد کے معروف شاعروں میں ہے۔ عزت و وقار کے ساتھ زندگی گزارتا ہے یہ اشعار اس کے ہیں:۔

تیر کے نام پر تڑپتا ہے
اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم
خاک میں آپ کو ملا دیکھا

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا

وہ آیا نظر بار ہا پر کسی نے
یہ حیرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا

تری چین ابرو مرا غنچۂ دل
یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتا نہ دیکھا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد
تو بھی وہ میرے گھر نہیں آتا

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہی ہیں
لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

عشق

عشق تخلص اور نام حکیم میر عزت اللہ خاں ہے۔ حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کا فرزند رشید ہے کہ جو دہلی کے معتبر لوگوں میں ہیں۔ راقم کی اس کے ساتھ بہت دوستی ہے۔ حکیم ثناء اللہ خاں فراق سے شاعری پر اصلاح لیتا ہے اور اپنے والد ماجد سے بھی استفادہ کرتا رہا ہے۔ طبابت میں اعلیٰ درجہ کا دخل ہے۔ آدمی سنجیدہ اور متین ہے۔ دیوان کا مالک ہے۔ لیکن خواہش کے باوجود اس وقت دوبارہ اس کا دیوان دیکھ نہیں پایا۔ بہرحال جہاں تہاں سے چند اشعار اس کے انتخاب کیے ہیں اور یہاں لکھ دیئے ہیں:۔

ترا اے صانع تقدیر ہم نے کیا بگاڑا تھا
کہ اس نازک بدن کا دل بنایا سنگ خارا سے

سبزخط کی دل سے الفت ہم اٹھا سکتے نہیں
جو خدا نے لکھ دیا اس کو مٹا سکتے نہیں

بلبل تو عبث پھولے ہے اس گل پہ کہ جس کے
کچھ دل میں مروت ہو نہ آنکھوں میں حیا ہو

چل ساتھ مرے تجھ کو دکھا دوں وہ طرحدار
آنکھوں سے نہ دیکھا ہو نہ کانوں سے سنا ہو

تم غیر کے گھر بیٹھ کے دل شاد کروگے
ہم کون ہیں صاحب ہمیں کیوں یاد کروگے

کل رونے کی آمد سے گھٹا جاتا تھا دم ہائے
ہوتی ہے بلا موسم برسات کی گرمی

عشق

عشق تخلص اور نام شیخ غلام محی الدین ہے۔ اس کا تخلص مبتلا بھی ہے میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ بہت سی تصانیف کا مصنف ہے لیکن میری نظر سے اس کا ایک دیوان گزرا ہے اور یہ اشعار اس سے ہی انتخاب کیے ہیں۔ شاید وہ سب دیکھنے لائق بھی نہ ہوں:۔

کہے ہے سن کے وہ یوں مبتلا کے قصہ کو
کہ خواب ناز کو تازہ یہ اک فسانہ ہوا

پتھرا گئی ہیں اپنی تو آئینہ وار چشم
قسمت میں کس کے ہے ترا دیدار دیکھنا

شام کو عشق مجھے کچھ بھی ہے ملنے کی امید
صبح پہلو سے مرے اٹھ کے وہ مسرور گیا

وہاں بجز فساد ہیں رندان بادہ نوش
اے محتسب نہ جائیو خمخانے کی طرف

تجھے اے کافر بدکیش ظالم کچھ نہ رحم آیا
ستم گر نامسلماں سنگدل سب کچھ کہا میں نے

دل کا نخچہ ہے ہرا جوں گل کا غذ کا چمن
یہاں بہار ایک ہی چھینٹے میں خزاں ہوتی ہے

عشرت

عشرت تخلص اور نام میر غلام علی ہے۔ بریلی کا رہنے والا ہے۔ شاعری کا فن مرزا علی لطف سے سیکھا ہے کہ جو مرزا رفیع سودا کے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ صاحب دیوان ہے مگر میں نے دیکھا نہیں ہے البتہ اس کے اشعار لکھے بھی دیکھے ہیں اور کانوں سے بھی سنے ہیں۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

بسان جام خالی پھوڑ ڈالوں چشم پر خوں کو
نہ دیکھوں گر صراحی دار اس مخمور کی گردن

شب وصال میں دل پر قلق ابھی سے ہے
سحر ہے دور مرا رنگ فق ابھی سے ہے

میں لکھ چکا ہی نہیں حال دل کہ اس کی طرف
ہوائے شوق میں اڑتا ورق ابھی سے ہے

ہنوز دفن ہوا بھی نہیں ترا بسمل
کہ زلزلہ میں زمیں کا طبق ابھی سے ہے

کسی نے شام کے آنے کو کیا کہا عسرت
کہ پھول آپکے منہ پر شفق ابھی سے ہے

غیر وسے ہنسا وہ جو مرے سامنے عسرت
کچھ بس نہ چلا دیکھ کے آنسو نکل آئے

عظیم

عظیم تخلص اور نام مرزا عظیم بیگ ہے۔ اس کا خاندان توران کے کسی علاقہ کا ہے۔ اس کی پیدائش اور تربیت اسی شہر خلد آثار میں ہوئی ہے شاہ حاتم کے شاگردوں میں سے ہے۔ شاعری کا غرور اس کے دماغ میں بہت ہے اور طبع بھی کسی حد تک (شاعری کے لیے) ہموار رکھتا ہے۔ مرزا مینڈھو خلف نواب شجاع الدولہ مرحوم کے مشاعرے میں جو انشاء اللہ خاں نے بحر ہزج سے بحر رمل میں جانے پر اعتراض ظرافت کے ساتھ کیا تھا اس کا جواب اس نے شافی دیا تھا اور اس کے لیے ایک مناسب مخمس موزوں کیا تھا اور اپنی بات کا خلاصہ کر دیا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

تقریر سرگزشت نہ پوچھو کہ خانہ دار
آتا ہے گریہ ہر سر حرف بیان پر

سوزش سے مری بسکہ ہوئی منفعل آتش
شیشے میں نہیں مے یہ ہوئی مضمحل آتش

بھڑکا ہی دیا آہ نے دامان شفق کو
اے چرخ سنبھلنا کہ لگی متصل آتش

چھپتا ہے کوئی شمع صفت سوز دل اپنا
سر کاٹو اگر تو ہو نمودار گلے سے

کس نگاہ مست کا زخمی ہوں یارب میں کہ اب
جائے خوں ہر زخم سے جاری شراب ناب ہے

اُکر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے
خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

بالیں پہ میری آکے دمِ نزع کل عظیم
رو کر لگا وہ کہنے یہ کیا یار کر چلے

جلتی ہے شرحِ سوز سے میری زبانِ کلک
ہر دم ملے ہے لے جو سیاہی دوات سے

عظیم

عظیم تخلص ہے۔ اس کے نام کا بھی اس کے احوال کے مانند کچھ پتہ نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کچھ نگہ میں نہیں آتا ہے بجز جلوۂ یار
جب کہ ہم دل میں عظیم اپنے نظر کرتے ہیں

عظمت

عظمت تخلص اور نام میر عظمت اللہ خاں ہے۔ میر عزت اللہ خاں مرحوم تخلص جذب کا لائق فرزند ہے۔ بریلی میں پیدا ہوا۔ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ بہت سے (دور دراز) شہروں مثلاً بلخ، بخارا اور کشمیر وغیرہ کی سیاحت کی۔ اس کے بعد جہان آباد میں پورے عزت و وقار کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ اس کا مزاج اعلیٰ درجہ کا ہے۔ شاعری اچھی کرتا ہے۔ شعر کم کہتا ہے۔ کبھی کبھی مشاعرے کی محفل میں شریک ہوتا ہے۔ فقیر کے ساتھ شناسائی کی رسم وراہ خوب پختہ ہے۔ شاعری کے فن کا اکتساب حضرت خان عظیم الشان مومن خاں سے کیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

نام عظمت ہے نہ شوکت نہ شکوہ
کیا ہے اس نام سے گھبراتا ہوں

علی

علی تخلص اور نام علی محمد خاں ہے۔ اعظم الدولہ نے بتایا کہ یہ ایک افغان شخص ہے اور مراد آباد کا باشندہ ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

دھیان میں لاتے ہیں جب ابھری کسی کی گات ہم
مارتے ہیں تب وہیں چھاتی پہ دونوں ہات ہم

علیؔ

علیؔ تخلص اور نام مرزا علی قلی ہے۔ دہلی والوں میں سے ہے صاحب دیوان ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

عنایتؔ

عنایتؔ تخلص اور نام عنایت علی خاں ہے۔ نواب عبدالعلی خاں کا بیٹا ہے، عباس علی خاں بیتاب کا چھوٹا بھائی ہے۔ ریختہ اور فارسی کی شاعری کی جانب رجحان رکھتا ہے۔ فارسی غزل پر شیخ امام بخش صہبائی سے اصلاح لی ہے اور ریختہ میں امیر حسن تسکین سے مشورہ کرتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

میں اس کے دوش سے محفل میں لگ کے بیٹھ گیا
تو یہ بھی دیکھ کے اغیار بے حیا نہ اٹھے

عیشؔ

عیشؔ تخلص اور نام مرزا حسین رضا ہے۔ لکھنؤ کا ہے۔ شاعری کا اسلوب سوز سے سیکھا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

وہ اگر آوے پشت بام کہیں   میں بھی کر لوں اسے سلام کہیں

عیشیؔ

عیشیؔ تخلص اور نام طالب علی خاں لکھنوی ہے۔ ریختہ اور فارسی کی غزلوں کی مشق کرتا ہے۔ شائستہ فکر کا مالک ہے اور اس کی شاعری دل کو

بھلانے والی اور دل میں بیٹھنے والی ہے۔ فارسی میں قتیل سے استفادہ کرتا ہے اور ریختہ میں مصحفی سے کیا۔ اس شہر (لکھنؤ) کے قرابت داروں میں سے ہے۔ دونوں زبانوں میں دیوان کا مالک ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دل گرفتہ ہوں کر رو نگا ہو کے میں آزاد کیا　　مجھ کو یکساں ہے چمن کیا خانۂ صیاد کیا
زخم کاری جسم پر کشتوں کے جانِ تازہ ہے　　آب حیواں میں بجھا تھا خنجر جلاد کیا
کون پابند جنوں فصل بہاراں میں نہ تھا　　اس برس ننگ جوانی تھا جو زنداں میں نہ تھا
لے چلے ہم یہ کفِ آبلہ دار آخر کار　　خار بھی اپنے نصیبوں کا بیاباں میں نہ تھا
میں نے عیشی جو پوچھا دل پر خوں کا حال　　اک صراحی مے گلگوں کی بھری دکھلائی

عیاش

عیاش تخلص اور نام میر یعقوب ہے۔ لکھنؤ کے باشندوں میں سے ہے۔ اس کی شاعری مرثیہ نگاری کو وقف ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

خنجر بیداد کو سنگِ فساں پر تیز کر　　وقت قتل اتنا ترحم مجھ پہ اے خونریز کر
پیر میخانہ یہی کہتا ہے ہر اک رند کو　　صحبتِ زاہد سے جتنا ہو سکے پرہیز کر

عیاش

عیاش تخلص اور نام خیالی رام ہے۔ دہلی کے کائستھوں میں سے ہے شاہ نصیر کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جام ہے ہاتھ میں اور شیشۂ مے زیر بغل　　عیاش کو اب بزم خرابات سے چھوٹ

حرف الغین المعجمہ

غالب

غالب تخلص اور نام مکرم الدولہ بہادر بیگ خاں ہے۔ نیاز بیگ خاں جو

ذوالفقار الدولہ بہادر مرحوم کے عہد میں بڑے آدمیوں میں رہا ہے اسی کا بیٹا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے باپ کی موت پر خوشی منائی اور بہت سارو پیہ جشن پر صرف کیا۔ غلام قادر خاں کے فتنہ اور عذاب سے پہلے مشاعرے کی محفل سجاتا تھا اور لوگوں کی خوب مہمان نوازی کرتا تھا۔ رات کو شعروشاعری کی محفل ختم ہونے کے بعد خوب صورت مہ جبینوں کے رقص کی محفل گرم ہوتی تھی۔ فارسی میں بھی شعر کہتا تھا۔ سن ۱۲۱۸ھ میں انتقال کر گیا یہ اشعار اس کے ہیں :۔

رہتے ہیں آئینہ سے ہمیشہ دوچار آپ
تنہا ہی لوٹتے ہیں یہ ساری بہار آپ

بجلی کے چمکنے سے ہے احسان
شب چھاتی سے لگ گیا وہ ڈر کر

قصہ درد و غم اپنا جو سنایا ہم نے
یہاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلایا ہم نے

غالب

غالب تخلص اور نام غالب علی خاں ہے۔ دوندی خاں کا پوتا (یا نواسہ) ہے کہ جو شجاعت اور بہادری میں رستم زمانہ تھا بلکہ زیادہ تر خوبیوں میں یگانہ تھا اور مشہور رئیسوں میں تھا۔ صاحبان بصیرت میں توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

جاں بلب ہیں تیرے اس چشم کے بیمار بہت
تیر مژگاں سے ہوئے ہیں جگر افگار بہت

غالب

غالب تخلص اور اس کا اسم شریف اسد اللہ خاں ہے، مرزا نوشہ کے نام سے اشتہار پایا ہے۔ اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور پرانے رؤسا میں سے ہے۔ پہلے اس کی سکونت پرانے دارالخلافہ اکبر آباد میں تھی کہ جو اس کی سکونت سے کبر و ناز کرتا تھا۔ اب وہ نئے دارالخلافہ شاہ جہاں آباد میں رہتا ہے کہ جو اس

سے نسبت پاکر صفہان اور شیراز کو شرماتا ہے۔ معنی آفرینی کے باغ کا اونچی اڑان والا طوطی ہے۔ اسلوب بیان کے چمن کا خوش گلو بلبل ہے۔ اس کے خیال کی بلندی کے سامنے بلند ترین آسمان پست زمین کے مترادف ہے۔ یہ اپنے غور و تفکر کے دریا میں معمولی سا بھی غوطہ لگاتا ہے تو قارون کا خزانہ لے آتا ہے۔ اس کی فکر کا شاہین ہمیشہ عنقا کے شکار کے لیے ہی زحمت پرواز کرتا ہے اور اس کی طبع کا اسپ تازی میدان فلک عبور کرنے کو ہی زقند لگاتا ہے۔ اگر آج عمدہ مال فوری طور پر کسی کو درکار ہے تو اس کی دکان کے علاوہ کہیں نہ پا سکے گا۔ برسوں گزر گئے ہیں کہ شاعری کے دائرے میں اس نے پاؤں رکھا تھا ابتدا میں اپنی دشوار پسند طبیعت کی بنا پر مرزا عبدالقادر بیدل کی طرز میں سخن گوئی کی اور ہزاروں آفریں کر خوب کی۔ بعد میں اس طریقہ سے اجتناب کیا ہے اور اس کی طبع نے ایک الگ ہی انداز دکھایا ہے۔ وہ اپنے دیوان کی ترتیب میں نظر ثانی کو بروئے کار لایا اور اسے تکمیل کو پہنچایا۔ اس نظر ثانی کے عمل میں بہت سے اشعار قلم زد کر دیئے اور دیوان سے نکال دیئے۔ انتخاب کی زد میں آکر اشعار کی تعداد کم رہ گئی۔ مدتیں گزر گئی ہیں کہ ریختہ میں شعر نہیں کہتا۔ فارسی زبان میں بھی بڑا زبردست دخل رکھتا ہے اور اس میں بڑا مال اکٹھا کر لیا ہے۔ اس کا مرتبہ اس میں استادان فن سے ہرگز کم نہیں ہے۔ اس کی غزل نظیری کی غزل کے مانند بے نظیر ہے اور اس کا قصیدہ عرفی کے قصیدہ کے مانند دلکش مضامین سے پُر ہوتا ہے۔ شاعری کو اتنا پہچانتا ہے کہ جتنا اس کا حق ہے۔ وہ ایک شعر میں اتنی لطافتیں اور اتنے نکات لے آتا ہے کہ یہ فضیلت ہر ایک کے حصہ میں نہیں آتی ہے بلکہ محض اکا دکا اہل سخن سے ہی مخصوص ہے اور کسی کی طبیعت میں سخن شناسی ہے تو وہ اس نکتہ کو بخوبی سمجھ جائے گا کہ اچھی فکر والا اگرچہ کمیاب ہے مگر اچھی سمجھ والا اس سے بھی زیادہ کمیاب ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ایک ہی انسان میں یہ دو خوبیاں جمع ہو گئی ہیں اور لطف کا

باعث ہیں۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر اسی کا جیسا نکتہ شناس شاعر کم ہی وجود میں آتا ہے۔ معنی کے لحاظ سے اس کے اشعار میں بڑا استحکام ہوتا ہے۔ اس کا دیوان میری نظر تک پہنچا ہے اور درج ذیل اشعار اس میں سے ہی منتخب کر دیئے ہیں:۔

کاوِ کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

جاتی ہے کشمکش کوئی اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی خیال کا درد تھا

احباب چارہ سازیٔ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

تو اور سوئے غیر نگہ ہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسد
ہم نے یہ جانا کہ دتی میں رہے کھائیں گے کیا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر
رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

غم فراق میں تکلیف سیرِ گل مت دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے وہاں ہو جائے گا

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

کوئی ویرانی سے ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

وہ آ رہا مرے ہم سایہ میں تو سائے سے
فدا ہوئے در و دیوار پر در و دیوار

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ عشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ مائل ہیں
تکلف بر طرف مل جائے گا تجھ سے رقیب آخر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے
بیٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو مرے دعوئ وارستگی کی شرم

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی جو کھا بھی نہ سکوں

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

لوں دام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ترے سرو قامت سے یک قد آدم
قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی طرح سے معذور نہیں

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

نالہ جو حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

اہل تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

اک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

ہے بارے اعتماد وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے وہ

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیں گے
یہ جو اک لذت ہماری سعی لاحاصل میں ہے

نظارے نے بھی کام دیا وہاں نقاب کا
مستی سی ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

پھر اس بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

نہ مژدہ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

دی مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گر
کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یہاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیئے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہیئے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

وعدہ آنے کا وفا کیجئے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

کبھی نیکی بھی اسکے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

بے کاری جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

پیچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پہ یہاں انتظار ہے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پہ ہوس
زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن　　بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ　　ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گزری غالبؔ　　ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

غازیؔ

غازیؔ تخلص ہے۔ دکن کے موزوں طبعوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کے فن کی عکاسی کرتا ہے:۔

تمہیں مژدہ ہے دیوانو مقرر پھر بہار آئی　　کہ بوئے گل سحر دوش ہوا پر ہو سوار آئی

غافلؔ

غافلؔ تخلص اور نام رائے سنگھ ہے۔ حساب کے فن میں اچھا دخل رکھتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

وصف کرتا ہے ان لبوں کا جب　　غافلؔ اس وقت لعل اُگلتا ہے

غافلؔ

غافلؔ تخلص اور نام بختاور سنگھ ہے۔ مراد آباد کا ایک شاعر ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔ بیمار عشق کی نہ دوا ہو طبیب سے

مر جائے یا جیئے کوئی اپنے نصیب سے

غربتؔ

غربتؔ تخلص ہے۔ مراد آباد کا رہنے والا ایک شخص ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

گھر چھٹا شہر چھٹا ایک نہ چھوٹا غم عشق　　ہم تو غربتؔ کے اسی بات کے دیوانے ہیں

ے　غربتؔ کا یہ شعر نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے۔　ع۔ خ

غریب

غریب تخلص اور نام شیخ نصیر الدین احمد ہے۔ نسلاً کشمیری ہے۔ دہلی میں پیدا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ فارسی میں صاحب دیوان ہے۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی کہتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

حال دل شوریدہ کہوں کس سے غریب آہ
وہ درد نہیں جس کی طبیبوں سے دوا ہو

غضنفر

غضنفر تخلص اور نام غضنفر علی خاں ہے۔ غلام حسین کٹروڑہ ساکن لکھنؤ کا نواسہ (یا پوتا) ہے۔ جرأت کے شاگردوں میں سے ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس (یعنی جرأت) کے شاگردوں میں ممتاز ہے لیکن فقیر نے اس کا ایک بھی شعر ایسا نہیں دیکھا کہ اس بات پر دل راضی ہو جائے۔ پہلے شعر کے علاوہ باقی بیشتر اپنے استاد کے انداز کے ہی شعر کہتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

کہتا تھا اس مریض کو وہ کل سناسنا — کر دے کوئی معاف کسی کا کہا سنا
تصویر میں ہوا اس سے دو بدو ہم — کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم
کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں — تو گویا بیٹھے ہیں بس ہو بہو ہم
لایا یوسف کا مصور جو دکھانے نقشہ — لگی اس نقشے سے وہ اپنا ملانے نقشہ

غلام

غلام تخلص اور نام راجہ گوپال ناتھ ہے۔ مرزا راجہ رام ناتھ کا بیٹا اور حضرت شاہ عالم کے خاص مقربین میں سے تھا اسی رعایت سے غلام تخلص

کیا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جو ہم بستر کبھو ہم ہوں غلام اس خوبصورت کے
نہیں واللہ تا روز قیامت دوسری کروٹ

خط دے تو نہ دے گوش برآواز ہیں قاصد
مژدہ تو ہمیں یار کے آنے کا سنا دے

غلامی

غلامی تخلص اور نام شاہ غلام محمد ہے۔ حاتم کے ہم عصروں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کل جس کی نظر تیر سی گذری مرے دل سے
پھر آج وہی دور سے قاتل نظر آوے

غمگین

غمگین تخلص اور نام میر سید علی ہے۔ شاہ نظام الدین احمد قادری کا بھائی اور میر سید محمد مرحوم کا بیٹا ہے۔ مرہٹوں کے عہد میں صوبہ جہاں آباد کا تمام نظم و نسق اس کے (شاہ نظام الدین) ہی ہاتھ میں تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

تو نے صیاد نیا ظلم یہ ایجاد کیا
بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

مہربان کوئی مرا جز غم دلدار نہیں
خس کا شعلے کے سوا اور خریدار نہیں

غنی

غنی تخلص ہے۔ شکوہ آباد کے لوگوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

اگر کچھ زندگانی میں مزا ہے
تو ایام جوانی میں مزا ہے

غنی

غنی تخلص اور نام شیخ عبدالغنی ہے۔ سہارنپور کے متعلقات میں تھانہ ہے

یہ وہاں (تھانہ) کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

یہاں ہم نے پرکاہ بھی بے کار نہ پایا
پڑتی ہے نظر جس پہ دم چشم بر بدن

غواصؔ

غواصؔ تخلص ہے۔ دکن کا ہے۔ گذشتہ کے معدود چند (منتخب) شعرا کے زمرے کا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے
ترا منہ دیکھ بلبل پھول سے بیزار ہو جاوے

حرف الفا

فارغ

فارغؔ تخلص اور نام میر احمد خاں ہے۔ اعظم الدولہ میر محمد خاں المتخلص بہ سرورؔ کا بڑا بیٹا ہے اور انھیں کا تربیت کردہ ہے۔ یہ شخص نیک اطوار ہے، لائق تحسین سعادات کا حامل اور پر اخلاق ہے۔ مزاج میں اختراع کا مادہ ہے۔ راقم سے بھی اچھی ملاقات۔ یہ دو تین شعر اس کی نتائجِ فکر سے ہیں:

پاؤں مر کر بھی نہ نکلے حلقۂ زنجیر سے
اپنے دیوانے کا تو شوق گرفتاری تو دیکھ

خط لے کے نہ اس سے جو مرے نامہ بر آئے
یہاں شرم سے آتے نہیں اور اپنے گھر آئے

۵ سولھویں صدی عیسوی کے مشہور دکنی شاعر غواصی کو برہنائے تسامح غواص لکھ دیا ہے غواصی قلی قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ کا درباری شاعر تھا۔ ح۔خ

کیا چین سے جا قبر میں آرام کروں گا دم بھر بھی اگر موت سے وہ پیشتر آئے

فارغ

فارغ تخلص ہے۔ باقی حالات کے بارے میں اطلاع نہیں ہے۔ اس کا یہ ایک شعر لکھا ہے:۔

قطرۂ اشک جو نکلا سو وہ گوہر نکلا بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

فارغ

فارغ تخلص اور نام فارغ شاہ ہے۔ بریلی کا رہنے والا ہے۔ جوانی کے زمانے میں لوگوں سے میل معاملات خوب بڑھائی۔ اب بے نیازی کے انداز میں خورجہ کے علاقہ میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ کچھ ثقہ و معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ روحانی معاملات میں خوب کامل ہے بلکہ سلوک پر جذب کا غلبہ ہے یعنی تصوف میں کامل ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

ممکن نہیں جو حرف قضا ہو جبیں سے دور جب نقش ہو چکا نہیں ہوتا نگیں سے دور

فارغ

فارغ تخلص اور نام مکند سنگھ ہے۔ بریلی کا رہنے والا ہے اور حاتم کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

دور سے دیکھ مجھے چیں بہ جبیں ہوتا ہے
تا کہ کچھ کہہ نہ سکوں بل بے رکھائی تیری

فائز

فائز تخلص ہے۔ آنکھ اس کے جمال اور کان اس کے حال سے بے بہرہ

ہیں (یعنی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے) یہ شعر اس کا ہے :-

کل ملے گا وہ گلے غیروں کے یہ آیا جو دھیان
بس ہلال عید ہم کو نیش عقرب ہو گیا

فدؔا

فدؔا تخلص اور فدا شاہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کا اصلی نام سید محمد علی ہے۔ یہ لوہاری کا رہنے والا ہے کہ سہارنپور کے علاقوں میں سے ایک ہے۔ پہلے سپہ گری کے پیشے سے روزی کماتا تھا اور بعد میں آخرت کا خوف غالب آ گیا اور دنیا کو اہل دنیا پر چھوڑ کر تن تنہا سیر و سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ ایک دوست نے یہ بتایا ہے کہ سیاحت کے سلسلے میں ہی وہ مصر جا پہنچا۔ آدمی ملنسار اور باش اور حاضر جواب تھا۔ شعر و شاعری پر جان چھڑکتا تھا۔ اس کی خوش فکری سے اچھے برے شعر برسا کرتے تھے۔ احباب از راہ ظرافت اس کی زائد از واقع تعریف کیا کرتے تھے۔ آخر آخر وہ ہزل کہنے لگا تھا۔ گیارہ سال پہلے وہ اس شہر سے چلا گیا تھا اور واپس آنے کا وعدہ کر گیا تھا لیکن اس وعدے کا ایفا نہیں کیا ہے گمان ہوتا ہے کہ کاتب قضا نے اس کا نام لوح ہستی سے مٹا دیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

اس سے میں اور مجھ سے وہ باہم رہا ایک مدت تک یہی عالم رہا
جس نے کھایا تیر مژگاں کا اس کے نزدیک پھانس ہے بھالا

فدؔا

فدؔا تخلص اور نام میر عبدالصمد ہے۔ دہلی کے طلبا میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

جو درد دل کا لکھوں یار کو میں نے کاغذ　　　تو اشک یہاں تلک امڈے کہ بہہ چلے کاغذ

فدا

فدؔا تخلص اور نام فدا حسین خاں ہے۔ قوم مغل ہے۔ لکھنؤ میں رہتا ہے پہلے میر ممنون سے اپنی شاعری کی اصلاح لیتا تھا۔ بعد میں مصحفی کی طرف رجوع ہوا۔ اس کے بزرگوں کو رمل فن اور طب میں اچھی مہارت تھی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:

تیری جو نگاہ میں سبک ہیں　　　ہر ایک کے جی پہ بار ہیں ہم

کیا کوئی سر جھکا کے ہووے ذلیل　　　ہاتھ تیرا کبھی اٹھا ہی نہیں

ناکام کیا رہیں گے کچھ کام کر رہیں گے　　　بدنام ہوں گے تو بھی اک نام کر رہیں گے

وہاں ہمکنار غیر سے وہ رشک ماہ ہے　　　یہاں کنج غم میں شکوہ بخت سیاہ ہے

نہیں کھاتا وہ قسم غیر کے گھر جانے کی　　　سچ جو پوچھو تو یہی بات ہے مر جانے کی

ظالم یہ جرمِ دل ہے کہ عاشق ترا ہوا　　　قتل فدؔا عبث ہے کہ وہ بے گناہ ہے

فدا

فدؔا تخلص اور نام امام الدین ہے۔ فرید آباد کا رہنے والا ایک شخص ہے یہ شعر اس کا ہے:۔

تو بات بات میں ہوتا ہے مجھ سے آزردہ　　　یہی تو کچھ نہیں اے دلربا تری باتیں

فدا

فدؔا تخلص اور نام لچھمی رام ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ سوؔدا کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کہا جو ان سے کہ میں دل کو کر چکا ہوں فدؔا
تو ہنس کے بولے ابھی تجھ میں جان باقی ہے

گذشتہ حسن کا اب تک نشان باقی ہے
نہ ہوں فریفتہ کیونکر کہ آن باقی ہے

فدا

فداؔ تخلص اور نام عاقبت محمود خاں صدر الصدور ہے۔ بہت با اخلاق تہذیب یافتہ شخص تھا علم حاصل کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:

جوں شمع ضبط نالہ تو میں نے کیا فداؔ
پر بس چلا نہ گریۂ بے اختیار سے

فدائی

فدائیؔ تخلص اور نام مرزا عظیم بیگ ہے۔ تاجروں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

یار گوشے میں ہے اور عیش سے مایوسی ہے
نقش پا تک بھی مرے درپے جاسوسی ہے

فدوی

فدویؔ تخلص اور نام مکند ہے۔ بقال کا بیٹا ہے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لاہور کا رہنے والا ہے لیکن اس شہر میں سکونت لے لی تھی سوداؔ سے اس کی ناچاقی ہو گئی تھی جس کے باعث سوداؔ نے اس پر مشہور ہجو یں لکھیں۔ شاہ صابر علی المتخلص صابر کے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ معشوقوں کی محبت دل سے لگائے رہتا تھا جس کی بنا پر کئی مرتبہ لڑائیاں بھی مول لیں اور زخم کھائے۔ بعد میں نواب ضابطہ خاں کی سرکار میں ملازم ہو گیا تھا پھر انتقال ہو گیا۔ چند تذکرہ نویسوں نے اس کا نام فدائی بیگ اور قوم مغل بتائی ہے۔ بہر حال یہ اشعار اس کے ہیں:

بعد مرنے کے بھٹکتا ہوں تہہ خاک ہنوز
ساتھ پھرتی ہے مرے گردش افلاک ہنوز

چشم پرآب ہے اور تس پہ جگر جلتا ہے کیا قیامت ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے
آوارہ و سرگشتہ نہ دیوار نہ در کے سایہ کی طرح ہم نہ ادھر کے نہ ادھر کے
یہ سرو نہیں باغ میں ہے آ کسی کی نرگس نہیں تکتا ہے چمن راہ کسی کی

فدوی

فدوی تخلص اور نام میر فضل علی کا ایک شاعر گزرا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

یار سے ہے لطف ہے کا آہ یہ ہو وہ نہ ہو
یہ کوئی محفل ہے ساقی واہ یہ ہو وہ نہ ہو

فدوی

فدوی تخلص اور نام محمد حسن لاہوری ہے۔ ابتدائے جوانی ہی میں دہلی آگیا تھا۔ شاہ مبارک آبرو اس کے استاد تھے۔ درویشانہ زندگی جیا کرتا تھا یہ شعر اس کا ہے :-

یار ہم سے جو سدا چیں بہ جبیں رہتا ہے نہیں معلوم بلا کون سی پیش آتی ہے

فدوی

فدوی تخلص اور نام مرزا احمد علی ہے لیکن مرزا ہجو سے شہرت پائی۔ جہان آباد کا رہنے والا ہے۔ احمد شاہ کی سرکار میں وقائع نگاری پر مامور تھا۔ عمر کے آخری حصہ میں عظیم آباد (پٹنہ) جا کر بس گیا تھا جہاں شاہ گھسیٹا سے عشق کی استطلاحیں سیکھیں۔ عشق کا جنون ہر وقت سر پر سوار رہتا تھا۔ بالآخر ایک صاحبدل کے دامن سے متصل ہوگیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

گالیاں کیونکر نہ دیوے تو نے فدوی چھیڑ چھیڑ ایک تو وہ تھا ہی اس کو اور بھی بدخو کیا

گلہ آپس میں ایسا بھی کبھو تھا | تکلف برطرف ایسا ہی تو تھا
تجھ سے ہوتے میں دردمند جدا | گو کرے کوئی بند بند جدا
شب ہجراں کی اور تو ہیں فدوی | ق | ہمیں تقریر کر نہیں آتی
پر یہ وہ رات ہے کہ جس کی ہمیں | صبح ہوتی نظر نہیں آتی
چل ساتھ کہ حسرت دل مرحوم سے نکلے | عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

فراغ

فراغ تخلص اور نام محمد فراغ ہے۔ شاہ جہاں آباد میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے :-

روتا ہے فراغ آج ترے کوچے میں پیارے | دل توڑیئے اس طرح نہ زنہار کسی کا

فراسو

فراسو تخلص اور یہ ہی نام بھی ہے۔ گروہ نصاریٰ میں سے ہے۔ زیب النسار بیگم زوجہ سمرو فرانسیس کی سرکار میں بطور ذخیرہ اندوز (اسٹور کیپر) ملازم تھا۔ اور خوب کامیاب تھا۔ شاعری میں خیراتی خاں دلسوز سے اصلاح لیتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے :-

ہے خواب میں دیکھا تو بظاہر بھی ملیں گے | قسمت سے نہ گر خواب کی تعبیر الٹ جائے

اور اس شعر کو اس کے استاد کے نام سے بھی لکھا گیا ہے۔

فرخ

فرخ تخلص اور نام میر فرخ علی ہے۔ جہاں آباد دہلی کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :- چشم سے نور گیا تن سے تواں دل سے صبر
ہجر میں تیرے جدا مجھ سے ہوا کیا کیا کچھ

فرخ

فرخ تخلص اور نام فرخ بخش ہے۔ بازاری اوباش طبع لڑکا ہے اور اپنے عشاق کے ساتھ ناز وادا سے محفل گرم کرتا ہے۔ کاٹھ کا رہنے والا ہے۔ جو دلّی کے مشرق میں واقع ایک بستی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

نگاہ پاک کی شاید یہی تاثیر ہوتی ہے
ہمارے قتل کی تدبیر بے تقصیر ہوتی ہے

فرحت

فرحت تخلص اور نام امیر علی ہے۔ دہلی کا ہے۔ حکیم میر عزت اللہ خاں عشق کے شاگردوں میں سے ہے۔ ایک عرصہ ہوا اپنے آبائی وطن کو ترک کر کے لکھنؤ چلا گیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

قصہ درد جدائی جو کہا یار سے مل
رات کو شمع صفت خوب رلایا اس کو

سنا تم نے وہ چشم تر تھی کسو کی
ملا جس کو تلووں سے نرگس سمجھ کر

نگی کیا ہے کافر نظر تھی کسو کی
نہ پنپا دل اپنا نہ پنپا یہ فرحت

فروغ

فروغ تخلص اور نام میر روشن علی خاں ہے۔ اکبر علی خاں کا بیٹا ہے۔ چمکتے روشن ستاروں میں سے ہے۔ میر ممنون سے مشق سخن کرتا اور اسی دوران اس نے اپنے علم کو بہت فروغ دیا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

گھر میں کبھی ہمارے وہ شمرو نہ آیا
تاریک کلبہ اپنا کیا ہو فروغ روشن

فریاد

فریاد، اس کا حال کچھ معلوم نہیں ہوا۔ البتہ اتنی خبر ہے کہ یہ شخص لکھنؤ کے

مشاعروں میں طرح غزلیں پڑھا کرتا تھا۔ ان میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

چین پایا وہ پس مردن دل بیتاب نے
گوشۂ مرقد ہمیں آغوش مادر ہوگیا

قتل کا اپنے لکھا ہے میں نے مضموں بیشتر
واسطے میرے میرا دیوان محضر ہوگیا

تلخی ہجراں مرے کام آئی آخر روز بد
زہر بھی میں نے پیا تو شیر مادر ہوگیا

فراق

فراق تخلص اور نام حکیم ثناء اللہ خاں ہے۔ ہدایت خاں المتخلص بہ ہدایت کا بھتیجا ہے۔ جہان آباد کے مشہور شعرا میں سے ہے۔ خواجہ میر درد سے علم باطن اور شاعری کی تعلیم حاصل کی۔ اس کو طب میں بھی بہت اچھی مہارت تھی۔ اس کی طبیعت صاف اور شستہ خیال اعتساف اور ٹیڑھے پن سے خالی ہے۔ صاحب دیوان ہے۔ چند سال قبل ہی وفات پائی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

یہاں تلک ہو سبک رو رہ عدم میں فراق
قدم جو رکھوں تو نقش قدم نہیں ہوتا

صاف دل کو کیا اور داغ جگر کو دھویا
کام کیا کیا نہ مرے دیدۂ تر سے نکلا

بعد مرنے کے بھی اک گردش رہی ہم کو مدام
مشت خاک اپنی رہی تھی کچھ سو پیمانہ بنا

انگلیاں گھس گئیں یہاں ہاتھوں کے ملتے ملتے
لیکن افسوس نوشتہ نہ مٹا قسمت کا

یہ غم ہے ساغر و مینا مجھے کہ میرے بعد
ذرا بھی تم کو نہیں منہ نہ کوئی لگانے کا

حسرت ذرا بھی دل سے نہ نکلی ہزار حیف
نکلا ادھر وہ گھر سے ادھر جی نکل گیا

سمجھے تھے دام زلف سیہ ہے بلائے جاں
پر کیا کریں کرے گئی تقدیر کھینچ کر

میں رکھ کے ہاتھ جو سینے پر اپنے دیکھوں ہوں
بجائے دل مجھے ہوتا ہے خار سا معلوم

خوش آتی ہیں پاؤں کی ترے ٹھوکریں ظالم
سر کو کبھو قدموں سے اٹھانے کے نہیں ہم

آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بھولے سے اس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

آنکھ اس شوخ ستمگر سے لڑا بیٹھے ہیں
بس چلے یا نہ چلے جی تو جلا بیٹھے ہیں

رہتا ہے عاشقوں سے از بس ہجوم در پر
ہو جائے گا گھر اس کا بازار رفتہ رفتہ

اللہ رے نازکی وہیں چولی مسک گئی   دامن تلک گیا تھا کہیں اسکے دست وہم

فراقیؔ

فراقیؔ تخلص اور نام پریم کشور ہے۔ راجہ جوگل کشور بادہ فروش کا پوتا ہے۔ جس کے حالات سے چھوٹے بڑے سبھی آشنا ہیں (اس کے بارے میں مشہور ہے کہ) سب کچھ ترک کرکے ساری دنیا کی سیاحت کے لیے نکل پڑا تھا۔ یہ شعر اس کی نتائج طبع سے مرقوم ہے:۔

گلابی کی نہ دیکھی شکل افسوس   ہوئیں آنکھیں گلابی روتے روتے

فرہادؔ

فرہادؔ تخلص اور نام میر ببر علی ہے۔ فیض آباد کے لوگوں میں سے ہے۔ مشہور مثنوی نگار میر حسن کے شاگردوں میں بھی شمار ہوتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

خدا کا گر نہ ہو فرہاد چاہا   مرے چاہے سے وہ بت رام کیا ہو

فصیحؔ

فصیحؔ تخلص اور نام مرزا جعفر علی ہے۔ لکھنؤ کے شاعروں میں سے ہے۔ ناسخؔ کی خدمت سے سخن کا فیض حاصل کیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال

بے کمالی میں بھی افسوس کہ کامل نہ ہوا

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

تم میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہو مغرور بھی ہو

فضلؔ

فضلؔ تخلص اور نام فضل مولا خاں ہے۔ سرزمین لکھنؤ سے ہے۔ اچھی فہم قطع

کا، نیک طبیعت اچھی سیرت، اچھی شکل وصورت والا، ملنسار اور پر جوش انسان تھا۔ جہان آباد میں آچکا ہے اور یہاں پر بادشاہ اکبر کی مدح میں قصیدہ پڑھا اور وحید عصر افضل الشعرا کا خطاب حاصل کیا۔ طبعاً شوخ تھا، شعر کم ہی کہے ہیں اور اکثر دوسروں کے شعر اپنے نام سے پڑھا کرتا تھا حالانکہ علم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اپنی جہالت کی وجہ سے کسی شخص کو اہمیت نہیں دیتا تھا آخرکار خود کو شیخی بازی کی وجہ سے خواہ مخواہ رسوا کر لیا۔ پھر کلکتہ چلا گیا پھر وہاں سے واپس لوٹا اور نواب مرشد آباد کی مصاحبت میں رہا اور نام کمایا شاعروں کے ساتھ بھی صلہ اور مروت سے پیش آیا۔ افسوس کہ وہ نوجوان مر گیا۔ یہ دو تین شعر اس کے نام سے مشہور رہیں:۔

اودی مسی وہ اس کی کہ مینے پہ حرف ہے — لب وہ کہ لعل کے بھی نگینے پہ حرف ہے
دل خیال زلف سے اسکی زبس معمور ہے — صبح محشر بھی مجھے شام شب دیجور ہے

فغاںؔ

فغاںؔ تخلص اور نام اشرف خاں، مخاطب بکوکلتاش خاں کو احمد شاہ بادشاہ کو ترکی میں برادر رضاعی کہتے ہیں۔ علی قلی خاں ندیم کی خدمت میں رہ کر زانوئے ادب سیکھا۔ دولت مند شخص تھا۔ یہاں سے منتقل ہو کر عظیم آباد (پٹنہ) جا کر بس گیا تھا اور ۱۱۹۶ھ میں اس خاکی دنیا سے بہشت جاوداں کی طرف چلا گیا (انتقال ہو گیا) یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کرتا ہے وصل میں درو دیوار پر نظر — تجھ کو مزا پڑا ہے فغاںؔ انتظار کا
ممکن نہیں کہ غیر نہ ہووے رکاب میں — تجھ کو خدا نہ لائے ہمارے مزار پر
کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاںؔ — یہاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار پر
شکوہ کرے ہے تو جو مرے اشک سرخ کا — تیری کہ آستیں مرے لو ہو سے بھر گئی
تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یہ کہوں — انصاف کو نہ چھوڑ محبت اگر گئی

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا | وہ کیا ہوئے تپاک وہ الفت کدھر گئی
عشاق تیری گرمئی بازار کر گئے | اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے
میں مرگیا پر آہ نہ پوچھا فغاں مجھے | دردِ جگر کسے ہے یہ بیمار کون ہے
تحمل آتش غم میں دلِ بیتاب کیا جانے | ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
قاصد جو نا امید پھرا کوئی یار سے | خفت مجھے ہوئی دلِ امیدوار سے
تیرے ہی دل سے پوچھئے اس غم کو ہاں فغاں | الفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے
نہ کھولئے ترے بند قبا تو کیا کیجئے | دل گرفتہ کو ظالم کبھی تو وا کیجئے

فقیر

فقیر تخلص اور نام میر فقیر اللہ ہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے درباری شعرا میں شامل تھا۔ گیت اور دوہہ دونوں سے واقف تھا۔ با اخلاق اور مہذب (انسان) تھا۔ دوستوں کی خاطر ریختہ میں بھی کبھی کبھی شعر کہا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

میری سحاب چشم کو نیسان پہ ہے شرف | ہے کون سی گھڑی کہ یہ گوہر فشاں نہیں
صافی دلوں کی دید کو مانع نہیں حجاب | عینک سے ہی دو چند ضیائے بصر مجھے

فقیر

فقیر تخلص اور نام میر شمس الدین دہلوی ہے۔ بنی عباس سے (سلسلہ نژاد) ملتا ہے۔ دری زبان میں معقول مہارت حاصل ہے۔ عروض و قافیہ میں اپنے وقت کا بے نظیر شاعر ہے۔ کئی رسالے بھی تصنیف کرچکا ہے وہ بدیں مدعا گواہ شرفاً و تعظیماً ۱۱۷۰ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد (اللہ تعالیٰ تعظیم میں اضافہ فرمائے) واپسی کے وقت ان کی زندگی کی کشتی طوفان کی زد میں آگئی۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی اشعار کہا کرتا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

خال اس کی بیاضِ گردن کا — نقطۂ انتخاب ہے گویا
ہے غرض دید سے یہاں کام تکلف سے نہیں — خواہ ادھر بیٹھ گئے خواہ ادھر بیٹھ گئے
کم ہے آواز ترے کوچے کے باشندوں کی — نالے کرنے سے مگر ان کے گلے بیٹھ گئے

فگار

فگار تخلص اور نام میر حسین ہے۔ میر فقیر اللہ فقیر کا نواسہ ہے۔ عاشق مزاج سید ہے۔ اس کا وطن یہی شہر جنت نشین ہے۔ مرزا اسداللہ خان غالب سے اپنی سخن پر اصلاح لیا کرتا (ان کی نظر سے گزارتا) یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دیکھ آئینہ کو اس نے کیا اس پہ ٹکڑے — یعنی مجھے کس واسطے مجھ سا نظر آیا
کرتا ہے غنچہ تیرے دہاں کی برابری — شاید یہ اپنے بھول گیا ہے دہن کی بو

فگار

فگار تخلص اور نام مرزا قطب علی بیگ ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ اس کا یہ شعر اعظم الدولہ کے تذکرے سے لکھا گیا ہے:۔

مت پوچھ فگار اب تو مرا مسکن وماوا — مانند بگولے کے سدا بے وطنی ہے

فیض

فیض تخلص اور نام پنڈت کرپا کشن کشمیری ہے۔ لکھنؤ کے رہنے والے شاعروں میں سے ہے۔ وہ اس طرح بات کرتا ہے:۔

لوٹتی خوں میں تہہ خاک سے بسمل آکر — دیکھتا میرے تڑپنے کو جو قاتل آکر

فیض

فیض تخلص اور نام میر فیض علی ہے۔ میر تقی مرحوم کا لڑکا ہے۔ وزیرالمالک

کی سرکار میں اپنے والد کے ساتھ زندگی گزارتا رہا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو شاعری کا بہت غرور ہے۔ فقیر نے اس کا ایک بھی شعر اس کے دعوے کی تصدیق کرنے والا نہیں دیکھا ہے البتہ اس کو اپنے والد کی شاعری پر ضرور ناز کرنا چاہیئے۔ خدا گواہ ہے تعجب ہے کہ وہ سب تعجب انگیز ہے۔ مختصر یہ کہ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

گل کھا موئے تھے جن کے لیے جسم زار پر — دو پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر
شوق میں تیرے کنار و بوس کے اے بحر حسن — موج کے مانند ہو جاتے ہیں سب آغوش ہم
کدورت جب تب انداز سے نکلا ہی کی تیری — ہماری خاک اس کوچے میں کب تو نے صبا رکھی

حرف القاف

قائم

قائم تخلص اور نام شیخ محمد قیام الدین ہے۔ چاند پور کا رہنے والا ہے۔ اور مرزا رفیع سودا کے شاگردوں میں شاگرد ارشد ہے۔ بلند پایہ کا خوش گفتار شاعر ہے۔ عالی قدر اور وہ ناشناسان سخن جو اس کو سودا مرتبہ دیتے ہیں محض ان کی دیوانگی جنون ہے۔ علم سے بے بہرہ ہیں۔ آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو یکساں نہیں جاننا چاہتے۔ لوگوں کو اپنے چشم بصیرت ہرگز بند نہیں کرنا چاہتے۔ ذرے کو آفتاب کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال قائم کو شاعری میں اچھی خاصی دل پسند مہارت حاصل ہے۔ پھر بھی سودا کا ہم پایہ نہیں ہے۔ اس کے خاص طور سے قطعات اور رباعیات کے مضامین اس کی شوخیٔ فکر کی دلالت کرتے ہیں۔ وہ بیشتر دار الخلافہ میں سکونت پذیر رہا جہاں اہل کمال و ہنر لوگوں کا قحط ہے یہیں تیر تذکرہ قائم بھی تالیف کیا۔ سن ۱۲۱۰ھ میں اسکا انتقال ہوا۔ یہ اشعار اس کے دیوان سے لیکر نقل کیے گئے ہیں:

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند — دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم چپ رہے / پر سنا ہوگا کہ سن کے یک جہاں نے کیا کہا
تا بہ فلک نالہ تو پہنچا تھا رات / میں ہی کچھ اللہ کا ڈر کر گیا
کوچہ گردی دل مجنوں نے مرے کی ایجاد / متبذل جان کے ڈھب بادیہ پیمائی کا
ٹوٹا جو کعبہ کون سی یہ جائے غم ہے شیخ / کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
فلک جو دے تو خدائی تو دے اب قایم / وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا
ناصح تو کہے ہے یوں کہ گویا / ہے دل پہ کچھ اختیار میرا
جہاں میں شہرہ تھیں مجنوں کی غلتیں قایم / سو بارے عہد میں تیرے وہ نیک نام ہوا
بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا / مرتبہ عشق کا یہاں حسن سے بھی دور گیا
معاملہ ہے یہ دل کا اسے کہے گا وہ کیا / پیامبر کے ہمیں ساتھ آپ جانا تھا
یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوی دوستی لیکن / کبھی ہمیں بھی تو اک بار آزمانا تھا
لے گیا خاک میں ہمراہ دل اپنا قایم / شاید اس جنس کا یہاں کوئی خریدار نہ تھا
ہردم آنے سے میں بھی ہوں نادم / کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
کب آئینہ کو یہ تسخیر آئی ہے پیارے / کسی کا دل ہے وہ جس نے یہ انتقام لیا
نہ وعدہ اس کے ساتھ نہ پیغام کیا کہوں / پوچھے کوئی سبب جو مرے انتظار کا
متبذل تھا وہ تری چشم سے پیالے مضموں / جو ستم چرخ جفا پیشہ نے ایجاد کیا
ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر / روٹھا تھا آپ ہی تجھ سے میں اور آپ ہی من گیا
قایم ضرور کیا ہے اب اس جنگجو سے صلح / مدت ہوئی کہ جان سے میں ہاتھ دھو چکا
طوفان گریہ کی ہے مرے حد عمر نوح / دریا نہیں کہ آج چڑھا کل اتر گیا
ہنسنے کا یار یہ بھی کوئی طور ہے کہ آج / قایم نے تیرے ہاتھ سے گھبرا کے رو دیا
مجھ کو قایم وصل کی شب سے ہے کیا شادی کہ یہاں / گر یہی جھگڑے ہیں کوئی دم میں ہیج جاتی ہے صبح
سب کو آیا ہے ترے حسن کا یہاں طور پسند / گرچہ ہر اک کے زمانے میں ہے اک اور پسند
جو سوز عشق کا چرچا ہے وہاں نہیں قایم / تو کیا میں جاؤں گا دینے بہشت میں آتش
نالوں سے عندلیب کے آیا ہے جی بتنگ / کس نے مرے مزار پہ لا کر چڑھائے گل

تھا موجے آمد میں کوئی اس کے ناگاہ
لیجائے نہ گھر سے کہیں باہر تپش دل

گر زیست ہے تجھ تلک تو پھر کیا
صدقے ترے مر ہی جائیں گے ہم

جھگڑے ہے اشک گرم مرا آہ سرد سے
دیکھیں تو پہلے پہنچے ہے تو عرش پر کہ ہم

عذر تقصیر بھی چاہوں گا میں اس سے اے دل
ٹک تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں

زبان عشق شکایت سے لال ہے ورنہ
ہم اک گلے کے ترے سو جواب رکھتے ہیں

دو جہاں بھی ملیں تو بس ہے ہمیں
یہاں کچھ اتنی تو احتیاج نہیں

دے چکو دل جو نگہ کو تو یہ دشوار نہیں
لیک تم دیکھتے پھرتے ہو خریدار نہیں

مے کی توبہ کو تو مدت ہوئی قایم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

قایم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر کہیے
یوں وہ نادان ہے پر اتنا تو بدآموز نہیں

یار اگر چاہتا ہے دے قایم
جان کچھ دل سے تو زیاد نہیں

کہتا ہے آئینہ کہ ہے تجھ سا ہی ایک اور
باور نہیں تو لا میں ترے روبرو کروں

قایم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کی
اب کی جو میں نماز کروں بے وضو کروں

اتنا تو ہوں ذلیل جو پوچھے ہے یہ کوئی
تو چاہتا ہے اسکو تو کہتا ہوں میں نہیں

قایم یہی فضا ہے گر اس دہر کی تو خیر
کہنے کی ایک دل کی بھی جس میں جگہ نہیں

خاتم دست سلیماں سے ہوں قایم میں عزیز
سخت پچھتائے ہے وہ جو ہاتھ سے کھوئے مجھ کو

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو

وہ بھی تو آدمی ہیں کہ جن سے تمہیں ہے ربط
کیا شکوہ تم سے روئیے اپنے نصیب کو

شمع ساں جلنے کو صانع نے بنایا مجھ کو
جس کے میں ہاتھ پڑا اس نے جلایا مجھ کو

شیخ جی تم نے نہ سمجھا یہ کرامات کی راہ
کیا قباحت ہے نکلنے میں خرابات کی راہ

ہر گلی کوچہ ہے بستی کا پرا چپے کی دکاں
دھجیاں ہو کے اڑے بسکہ گریبان مرے

قایم کے حال سے ہے تعرض عبث کہ چرخ
ایسا گرا نہیں کہ وہ مجھ سے سنبھل سکے

بعد خط آنیکے تھا اس سے وفا کا احتمال
لیک وہاں تک عمر نے اپنی وفاداری نکی

دنیا میں ہم رہے تو کیے دن پر اس طرح
دشمن کے گھر میں جیسے کوئی مہماں رہے

قایم کو اپنی بزم سے جانے نہ دے کہ یار — ہے کیا برا جو مفت میں اک شعر خواں رہے

ساقیا دور کیا کرے ہے تمام — آپ ہی اب یہ دور چلتا ہے

خدا نہ کردہ اسے غیر سے تو کیا سروکار — تھی اک بات ہمارے ہی یہ جلانے کی

نہ زخم سینہ سی کر اور مجھ کو تنگ کر ناصح — کہ دم اپنا سما سکتا نہیں پہلے ہی تنگی سے

مفت میں دوں ہوں میں دل تو بھی کوئی لیتا نہیں — ہاں مگر اس سے کبھی کچھ یہ جنس سستی کیجیے

صورت میں تری گر نظر آوے ملک الموت — جی دینا کسی طرح سے دشوار نہ ہووے

گو ہم سے تم ملے نہ تو ہم بھی نہ مر گئے — کہنے کو رہ گیا یہ سخن دن گزر گئے

روئیں گے کب تک اے مژۂ اشکبار بس — اب کیا مجھے ڈبوئیں گے جل تھل تو بھر گئے

دو چیز ہیں یادگار دوراں — تیرا ستم اپنی جاں فشانی

کیا پوچھتے ہو موجبِ آزردگی یار — دل دے چکے مدت ہوئی اب جاں طلبی ہے

نے نالے میں تاثیر ہے نہ آہ میں یہاں درد — معلوم ہو کس طرح تجھے چاہ کسی کی

عشق تو قایم نہ ہوا آپ سے — اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہیے

رو کے پوچھا جو میسر ہو ترا کیونکہ وصال — ہنس کے کہنے لگا طالع کی مددگاری سے

کہتا میں نہیں کہ ظلم ہے بد — پر خوب تو مہرباں نہیں ہے

کسی بلا میں پھنسے قید ہووے جان بچ جائے — پر آدمی کو خدا تجھ پر نہ کرے

بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قایم — مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے

قایم آیا ہے پھر وہ بن ٹھن کر — دیکھیں کس کس سے اب بگڑتی ہے

آخر تو جرمِ عشق سے کرتے ہیں مجھ کو قتل — یک بار اس کے بھی تو کریں رو برو مجھے

دشمنی سے ایک ادنیٰ کی ہے قایم جائے خوف — وائے اس پر جس کسی سے خصمیِ افلاک ہے

کس دل پہ داغِ غم نے نہ تیرے بہار کی — اللہ رے دھوم اب کی برس لالہ زار کی

قاسم

قاسم تخلص اور سید قاسم علی خاں نام ہے۔ نو طرز مرصع کے مصنف عطا حسین

خاں تحسین کا نواسہ ہے کہ جن کی تحریر مرصع تھی۔ موسیقی کے فن میں خوب مہارت حاصل تھی پہلے سرکار انگریزی میں تحصیل داری کی خدمت پر مامور تھے۔ فی الحال لکھنؤ میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ اشعار ان کے ہیں:۔

اک بوسہ کے عوض دس اس نے لاکھوں گالیاں — بیشتر لذت ملی تقصیر سے تعذیر میں
مرا ہر آبلہ ہے کہربا کی سبحہ کا دانہ — نہیں تو کیوں کشش ہے اس قدر کانٹوں کو صحرا کے
زمیں کو کر دیا رشک فلک رفتار جاناں نے — فروغ پنجۂ خورشید ہے ہر نقش میں پا کے
جو یاں ہوئی تو جئیں گے نہیں تو جان سے گئے — ہماری زیست و مرگ آپ کی زباں میں ہے
مری صداع کو صندل سے فائدہ معلوم — علاج اس کا کسی سنگ آستاں میں ہے
سینکڑوں دریا بھرے ہیں چشم گریاں میں مری — پھر بھی یہ کمبخت ہر دم تشنۂ دیدار ہے
واعظا غم نہیں دوزخ کی گرفتاری کا — بے قراری نے دیا عالم سیماب مجھے

قاسم

قاسم تخلص اور نام حکیم میر قدرت اللہ خاں۔ دلی کے رہنے والے مشہور لوگوں میں سے ہے۔ مولانا فخر الدین سے بہت اعتقاد رکھتا تھا اور ان کے مریدوں میں سے ہے۔ اچھی خاصی لمبی عمر پائی تھی۔ آج اس کو وفات پائے چار سال ہوگئے۔ ریختہ کے شعرا کا ایک تذکرہ لکھا ہے۔ میری نگاہ سے نہیں گزرا ہے۔ صاحب دیوان (شاعر) ہے اور یہ اشعار اس سے ہی چن کر نکالے ہیں:

میں مدنظر اپنے کچھ کام نہیں رکھتا — آغاز محبت یہاں انجام نہیں رکھتا
ہمیں بھی رخصت سیر چمن ہو ٹک صیاد — کہ اب کے شور ہے ظالم بہار آنے کا
قاسم کے ساتھ بادہ خودی تھی تمام شب — اور نام سے ہے اس کے تجاہل علی الصباح
سر بسر قول ترا اے بہت خودکام غلط — دن غلط رات غلط صبح غلط شام غلط
وہ آئے بغل میں کہیں یا جی ہی نکل جائے — مٹ جائے کسو طرح تو یارب خلش دل
دشنام دے مناتے ہو روٹھے کو آن میں — کیا جانے کیا فسوں ہے تمہاری زبان میں

جان جاوے یا رہے قاسم یہ کچھیں گے اسے ہے ارادہ یہ مصمم دیکھیے کیسی بنے
تفصیل سے کر قاسم حالِ دلِ دیوانہ ہم سے نہ چھپا ظالم ہم یار ہیں یاروں کے
مسلمانو اسے پروا ہو کیا احیائے عاشق کی وہ نصرانی بچہ عیسیٰ نفس تو ہے پہ کافر ہے

قاسم

قاسم تخلص اور نام میر قاسم علی ہے۔ بریلی کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

یقیں ہے العطش گویاں دمِ آخر مروں گا میں
پیاسا ہوں ترے آبِ دمِ شمشیر براں کا

قاصر

قاصر تخلص اور نام مرزا ببر علی بیگ ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ ثناءاللہ خاں فراق سے اصلاح سخن لیا کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے :-

یاد کس گلرو کی اس دل کو نزاکت آگئی آہ کر سکتا نہیں ایسی نقاہت آگئی

قابل

قابل تخلص اور نام مرزا علی بخت ہے۔ تیموری خاندان سے تعلق رکھتا ہے ابراہیم ذوق سے سخن کی تعلیم کی تعلیم حاصل کی۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

سامنے میرے غیر سے تو ملے ستم اس سے زیادہ کیا ہوگا

کیا جو قتل مجھے تو نے آج خوب کیا
کہ میں عذاب سے چھوٹا تجھے ثواب ہوا

احوال گریہ سن کے مرا یار نے کہا اے لو ابھی سے عشق میں اس نے تو رو دیا
تم جو کہتے ہو جاؤ تم یہاں سے ایسے جائیں گے پھر نہ آئیں گے ہم
مر ہی جانا ہے عشق میں بہتر نہ جئیں گے نہ غم اٹھائیں گے ہم

قبولؔ

قبولؔ تخلص اور نام غنی بیگ ہے۔ فارسی کے مشہور شاعروں میں سے ہے۔ کبھی کبھی ریختہ میں شعر کہتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

دل یوں خیالِ زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن
تاریک شب میں جیسے کوئی پاسباں پھرے

قدرتؔ

قدرتؔ تخلص اور نام شاہ قدرت اللہ ہے۔ مشہور نکتہ شناسوں میں سے ہے۔ اس کا سلسلہ نسب شاہ عبدالعزیز شکر بار علیہ الرحمتہ تک پہنچتا ہے۔ میر شمس الدین فقیر کے چچا کا بیٹا ہے۔ اس کا اصل وطن دہلی ہے۔ وہ مرشد آباد جا کر بس گیا تھا اور وہیں پر ۱۲۰۵ھ میں اس مہمان سرا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جو لوگ اس کو عظیم آباد کا رہنے والا سمجھتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔ بہر حال قدرتؔ کو شاعری میں بہت قدرت اور توانائی حاصل ہے۔ اس نے اپنی پوری عمر مشق و ریاض میں گزاری۔ (بے شک) وہ طبع رسا کا مالک تھا اور اچھا شعر کہتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہنگامۂ پرہیز و ورع اب بسر آیا
اے بادہ کشو مژدہ کہ پھر ابر تر آیا

کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں سے گرتے
شاید تہہ مژگاں کوئی لخت جگر آیا

ہوا ہے اس کے گلو میں گرہ دم اعجاز
ترے لبوں نے مسیحا سے سوال کیا

بے تابیوں سے اب دلِ بے تاب رہ گیا
اپنی تپش میں جل کر یہ سیماب رہ گیا

آگے نہ چل سکا ترے کوچے کو چھوڑ کر
خورشید جا کے تا بہ لب بام رہ گیا

جہاں نظر پڑے پاؤں تلے ملے کاغذ
سمجھ کے نامہ مرا ہاتھ میں نہ لے کاغذ

یہ دلِ شوریدہ جب سے ساتھ ہے زیر زمیں
شور محشر ہی رہا قدرتؔ کی مشت خاک پر

پھاہے کو اگر داغ سے چھاتی کے چھڑا دوں
خاشاک کے پہلو میں چھپے آن کر آتش

جرم پر تیری محبت کے ہمیں کرتے ہیں قتل
حفظِ جاں کے واسطے کیجئے اگر انکار حیف

آگ اس داغ کو لگیو کہ نمک سود نہیں
پھوٹے وہ آنکھ جو لختِ جگر آلود نہیں

اڑائی زبس خاک ماتم میں دل کی
کیا ہم نے آخر زمیں آسماں کو

لب جاں بخشی کی اس کی جو پڑی ہے یہ دھوم
لبِ عیسیٰ نے مگر تیری زباں چوسی ہے

ہر آن اک ستم ہے ہر لحظہ اک جفا ہے
کوچہ ترا ہے ظالم یا دشتِ کربلا ہے

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
تیر بیداد جدھر رو کرے گھر اس کا ہے

آہ اس کم فرصتی پر ہو نشے سے کیا سرور
شیشہ تا خالی ہو جامِ زندگی لبریز ہے

حسرت اے صبحِ چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
مژدہ اے شامِ غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

نوح کشتی سے خبردار کہ یہاں سینے سے
مرہم تازہ ناسور کہن چھوٹے ہے

شبِ ہجراں کی مصیبت کو کہوں کیا قدرت
تن سے جاں چھوٹے ہے اور جان سے تن چھوٹے ہے

قدرت

قدرت تخلص اور نام مولوی قدرت ہے۔ رام پور کا رہنے والا ہے اور قائم چاندپوری کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

لاکھوں جِلائے مردہ صد سالہ آن میں
فیض دمِ مسیح ہے اس کی زبان میں

انصاف بھی ضرور ہے یہ ظلم تا کجا
کتنوں کے گھر تو جاتے رہے امتحان میں

قدرت

قدرت تخلص اور نام مولوی قدرت اللہ ہے۔ ثناء اللہ خاں فراق کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

زلفوں میں اگر دل یہ گرفتار نہ ہوتا
یوں روز مرا آہ شبِ تار نہ ہوتا

قربان

قربان تخلص اور نام میر محمد ہے۔ میر کلو حقیر کا بیٹا ہے۔ ثناء اللہ خاں فراق سے اپنے کلام پر مشورہ لیا کرتا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کیوں نہ اک ٹھوکر سے وہاں احیائے صد جاں زادہ ہو
دست بستہ معجز عیسیٰ جہاں استادہ ہو

کس کی برگشتہ نگہ کا ہوں میں بیمار آہ یہاں مسیحا کی ہوئی جاتی ہے تدبیر الٹی

قربان

قربان تخلص اور نام قربان علی ہے۔ عظیم آباد کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

نکالوں کیونکہ دل سے اس کماں ابرو کے پیکاں کو
کہ آزردہ نہیں کرتا ہے کوئی اپنے مہماں کو

قرار

قرار تخلص اور نام جان محمد ہے۔ وزیر الممالک بہادر کی سرکار میں بزرگ سردار کا رتبہ حاصل تھا۔ شاہ شرف الدین سے اپنے کلام پر اصلاح لیتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ہے ناز سے اس کے یہی پیغام قضا کا کیوں نام کیا آپ نے بدنام قضا کا

قرار

قرار تخلص اور نام میر حسن علی ہے۔ اس کے بارے میں دیگر تفصیل معلوم نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کس طرح قرار اس سے کروں درد دل اظہار
سنتا ہی نہیں وہ بت مغرور کسی کی

قرین

قرین تخلص حسرت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

پیارے بے وفا ہو یا باوفا ہو　　غرض تم دل لینے میں بلا ہو

قسمت

قسمت تخلص اور شمس الدولہ کے نام سے معروف ہے۔ نواب بارگاہ علی خاں کا لڑکا ہے۔ جعفر علی حسرت سے شاعری میں استفادہ کرتا تھا لکھنؤ کے بڑے لوگوں میں سے ہے۔ مرزا جہان دار شاہ کی سرکار میں اچھا اقتدار حاصل تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

الٰہی یا تو میرے دامن دلدار ہاتھ آوے　　نہیں تو ہاتھ کی اسکے کہیں تلوار ہاتھ آوے
مقدور ہے کس کا کہ ترے حکم کو ٹالے　　ستم جو نہ آوے تو وہیں اسکا سر آوے

قلندر

تخلص نظر ہے۔ اس کا حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خان آرزو کے ہم عصروں میں سے ہے۔ یہ دو اشعار اس کے ہیں:-

جی کو سر زندگی نہیں ہے　　کیا جی کی کروں کہ جی نہیں ہے
تھمتے ہی تھمے گا اشک ناصح　　رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

قمر

قمر تخلص اور نام مرزا قمر الدین ہے۔ مرزا حاجی سے معروف ہے مرزا تقی

جن[1] کے والد کا نام مرزا فخرالدین احمد خاں عرف مرزا[2]...... مرزا تقی کا بڑا بیٹا ہے۔ قتیل سے (شاعری کی) ہوس اور تربیت حاصل کی ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

صلح کرتے ہوئے آخر وہ بھنگ آہی گیا — عشق کا نام برا ہے اے ننگ آہی گیا
کہتے ہیں شب قمر خستہ گلا کاٹ موا — آدمی تھا غم ہجران سے تنگ آہی گیا
بے جا نہیں ہے کچھ مرے قاتل کا اضطراب — دیکھا تھا اس نے کب کسی بسمل کا اضطراب

قمر

قمر تخلص اور نام مرزا قمر طالع ہے۔ مرزا ایزد بخش بہادر جن کی عرفیت مرزا نیلی ہے، کا منجلا بیٹا ہے۔ حافظ عبدالرحمان خاں احساں ہے۔ سخن کی تعلیم حاصل کی۔ صاحب دیوان ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

نہ آتی تاب تو بھی دل کی بیتابی کے ہاتھوں سے — قمر پہلو میں وہ رشک قمر ہوتا تو کیا ہوتا
بعد مدت خط لکھا ہے یار نوخط نے تجھے — تو بھی اب تو اے قمر شکوؤں کے دفتر کھول دے

قیس

قیس تخلص اور نام مرزا احمد علی بیگ ہے۔ مرزا امداد علی بیگ کا بیٹا ہے۔ نسلاً مشہد مقدس کا رہنے والا ہے لیکن لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ حسرت سے اپنے کلام پر اصلاح لیا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دل مضطرب کا دیکھا عجب اضطراب الٹا
ہوا اور مضطر اس نے جو ذرا نقاب الٹا

[1] اتنا حصہ رامپور نسخہ میں ہے جو لکھنؤ والے میں نہیں ہے۔ ح۔خ

[2] کتاب میں مرزا کے بعد کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا لکھا ہے مِس پرنٹ ہے۔ ح۔خ

آئینہ دیکھ کے کیا تھا کل وہ شوخ — اس عالم شباب نے رسوا کیا مجھے
پھرتا ہوں ہر کسی سے میں القاب پوچھتا — خط کے ترے جواب نے رسوا کیا مجھے

حرف الکاف

کاملؔ

کاملؔ تخلص اور نام ٹھاکر داس کشمیری ہے۔ آج کل عدالت میں وکالت کر رہا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

لگا تیر اک بازگشتی جگہ پر — پلٹ کر جو دیکھا سرِ راہ اس نے

کاملؔ

کاملؔ تخلص اور نام مرزا کامل بیگ ہے۔ نام کے علاوہ اور کوئی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

مژگاں سے گر بچے دل ابر کرے ہے ٹکڑے — یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی — تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

کبیرؔ

کبیرؔ تخلص اور نام حکیم کبیر علی ہے۔ ضلع مرادآباد کے ایک شہر سنبھل کا رہنے والا ہے۔ طب میں مہارت تھی۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا ہے کبیرؔ — زیست معلوم اگر ایسے ہی دو چار ملے

کریمؔ

کریمؔ تخلص اور نام کریم اللہ ہے۔ قوم افغان ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

نہ تھی قدرت گر رو بر و جانے کی کریم — زیر دیوار ہی جانا لرسنایا ہوتا

کرمِ

کرم تخلص اور نام شیخ غلام ضامن ہے۔ اصل کوتانہ کا رہنے والا ہے۔ آج کل شاہ جہان آباد میں مقیم ہے۔ کافی وقت حیدرآباد میں بھی رہا ہے۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں شعر کہتا ہے۔ (قوت نظمیہ) نظم لکھنے میں انتہائی درجہ کی مہارت رکھتا ہے۔ مومن خاں کی خدمت میں دو زانو رہ کر ادب حاصل کیا۔ عمر زیادہ ہونے کے باوجود طبیعت میں شگفتگی اور ظرافت برقرار ہے۔ راقم سے سے واقفیت ہے۔ ان سے چند اشعار لے کر درج کیے جا رہے ہیں:۔

تیر ناخوردہ ہمارشک سے کیا کیا تڑپا — استخوانوں میں مرے دیکھ کے پیکاں تیرا

فرہاد و قیس عشق میں سرگرم لاف تھے — خاموش ہو گئے جو مرا نام آگیا

نام کب آسودہ جاں لیں نالہ ہائے زار کا — سرمۂ آواز ہے سایہ تری دیوار کا

ہاتھ ہووے گا مرا اور ترا داماں ہوگا — چاک جب صبح قیامت کا گریباں ہوگا

زلف مژگاں سے لپٹی ہے خدا خیر کرے — مشک آلود کہیں خنجر براں ہوگا

کیا ہی برہم ہوئی زلف اس نے جو مجھ سے پوچھا — اے کرم کس نے کیا حال پریشاں تیرا

سہویں گے جور طاقت و تاب و تواں تلک — لیکن یہ پوچھتے ہیں تجھی سے کہاں تلک

چینِ جبیں ہے موج تبسم نگاہ میں — ڈر ہے مجھے فریب کا تیرے یہاں تلک

اسیری نے کی پردہ پوشی جنوں کی — کیا طوق گردن نے کار گریباں

نسبت ہے میرے داغ سے کیا گل کو عندلیب — گو آہِ سرد و باد سحر دونوں ایک ہیں

روز شمار جان شب ہجر کو کرم — نے شام اسے نہ اس کو سحر دونوں ایک ہیں

نظر سے گر چلا ہوں کون تھامے — بجز مژگانِ برگردیدہ مجھ کو

اے طفل اشک دیکھ کے برباد کیجیو — ہر پارۂ جگر ورق انتخاب ہے

مرا نشو و نما ہے اس خرام لاابالی سے — غبار ناتواں کو سرکشی ہے پائمالی سے

گر وہاں بیٹھوں تو اٹھے حیاءِ تعظیم سے
خوف ہے شاید کہ صحبت کا اثر ہونے لگے

وائے قسمت اور اخفا سے ہوا افشائے راز
رو کتے ہی اشک کے لخت جگر آنے لگے

اس کو شہرت کی تمنا مجھے رسوائی کی
ہر کوئی آرزوئے نشو و نما رکھتا ہے

کس باغ میں وہ رونق گل جلوہ کناں ہے
نکلے ہے دھواں سا درِ فردوس بریں سے

گھبرا کے لگے دیکھنے وہ اپنے بنا گوش
جب اشک مری آنکھوں سے دردانے نکلے

کرم

کرم تخلص اور نام مرزا حیدر علی بیگ ہے۔ مرزا نیاز علی بیگ کا بیٹا ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ مصحفی کے مشہور شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

حسرت سے دیکھتا ہوں میں جب یار کی طرف
لگتا ہے تب وہ دیکھنے دو چار کی طرف

لوہو میں بھر رہے ہیں ترے ہاتھ سچ بتا
تربت پہ کس شہید کی تونے چڑھائے گل

گلدستہ لا دیا جو کل اس کو رقیب نے
ہم نے بھی کرم رشک سے ہاتھوں پہ کھائے گل

تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہے ہم نے یا رب
جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہیں

سیل گریہ میں نہ ہم تا بہ کمر ڈوب گئے
یہاں تلک روئے کہ ہمسایوں کے گھر ڈوب گئے

گرفتار

گرفتار تخلص اور نام سنگی بیگ ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے اور حاتم کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

درد ہو جس کی کچھ دوا کیجئے
جی ہی بے چین ہو تو کیا کیجئے

گریان

گریان تخلص اور نام میر محمد تقی ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

مجھے جب دیکھا تب ہاتھ سے مکھڑا چھپالینا نکالا طور اس نے زور یہ صاحب سلامت کا

گستاخ

گستاخ تخلص اور نام مرزا علی ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔
جی لگایا تھا سمجھ ہووے گی فرحت حاصل
یہ نہ جانا تھا کہ آوے گی قیامت لازم

کلو

کلو تخلص اور نام میر کلو ہے۔ خواجہ میر درد کے رشتہ داروں میں سے ہے
صدا فقیروں کی گر تم سنو گی کیا ہو گا ذرا ادھر بھی نظر پھینکنا بھلا ہو گا

کلیم

کلیم تخلص اور نام شیخ کلیم اللہ ہے۔ تحصیل[1] نگینہ ضلع مراد آباد میں واقع شیر کوٹ کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔
جلوۂ طور رخ یار سے پیدا ہووے خجل اعجاز تکلم سے مسیحا ہووے

کلیم

کلیم تخلص اور نام میر محمد حسین کلیم ہے۔ معنی پروری ان کا ڈھنگ ہے۔ اور شاعری مسیح معجز طریقہ کا رہے جو تمام اور شاعروں پر مسلم کرتا ہے۔ میر تقی میر سے پہلے اور بعد کے شاعروں کی فہرست میں بھی اس کا نمبر آتا ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ طب بھی جانتا تھا۔ شعر دونوں زبان میں کہا کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ فارسی زبان میں اس کی زبان درست اور خیال رسا نہیں ہے۔ لوگوں نے اس کے بارے میں بتایا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی اللہ ان کی قبر کو روشن

[1] مصنف نے تحصیل نگینہ ضلع مراد آباد ہی لکھا ہے۔ اب ضلع بجنور میں ہے۔ ع ع

رکھے، ے علم سے (کتاب) فصوص کا ترجمہ اردو میں کیا ہے۔ دیوان او مثنویاں ان کے کلام کی یادگار ہیں جن کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ اشعار ان کے بیاضوں اور تذکروں سے منتخب کر کے لکھے جا رہے ہیں:۔

چھپا ہے آمرے چشم پر آب میں دریا
کسی نے دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسی کو سونپا

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

ہو چکا حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

درازئ شب ہجران زلف یار کلیم
مجھی سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

رکھوں میں آنکھوں میں کیونکر تجھے کہ ہے برسات
پھر ایسا گھر کہ جو خانہ خراب ٹپکے ہے

دیوانہ ترا وادی پر اپنی اگر آوے
منہ دیکھو فلاطوں کا جو عہدے سے بر آوے

غرور حسن کیا ممکن کہ اس سے داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

کمال

کمال تخلص اور نام شاہ کمال الدین حسین ہے۔ اصلاً کڑہ مانکپور کا رہنے والا ہے۔ اس کے بزرگ اعلیٰ منصب پر فائز لوگوں میں سے تھے۔ اس نے اپنا لباس اتار پھینکا اور درویشی چادر لپیٹ لی اور سیاحت پر نکل پڑا۔ لکھنؤ میں داخلے کے بعد جرأت سے امداد لیا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جز شکست شیشۂ دل کچھ نہ دیکھا اور کام
مرتفع جس دن سے ہے یہ چرخ مینائی ہوا

آہ جو کچھ ہم سے ہو سکتا سو کر چکتے ولیک
ایک دن تم کو نہ شوق کار فرمائی ہوا

اور دکھلایا تماشا مجھ کو وحشت نے کمال
میں تماشائی تھا جس کا وہ تماشائی ہوا

یہ بھی کچھ بیٹھنے کا بزم میں اسلوب ہے واہ
جوں جوں ہم آگے بڑھیں آپ سرکتے جاویں

گمآن

گمآن تخلص ہے اور اشرف علی خاں فغآن کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کے نام کے بارے میں اطلاع نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

واسطے جس کے سبھی مجھ کو برا کہتے ہیں
وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

گنا بیگم

گنا بیگم ایک پاکیزہ خاندان کی خاتون ہے اور نواب اعتماد الدولہ غازی الدین خاں نظام تخلص کی بیوی ہے۔ شوہر کی اجازت سے اپنے کلام پر میر قمر الدین منت سے اصلاح لیا کرتی تھی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:

مقابل ہو اگر لب کے ترے مصری چبا جاؤں
تری آنکھوں سے ہم چشمی کرے بادام کھا جاؤں

ترے منہ کی تجلی دیکھ کر کل رات حسرت سے
زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع جلتی تھی

شمع کی طرح کون رو جانے
جس کے جی کو لگی ہے سو جانے

کوچک

کوچک تخلص اور نام شاہزادہ مرزا وجیہہ الدین ہے۔ مرحوم اپنے دورۂ حکومت میں یورپ کے ایک شہر میں وفات پا گئے۔ ان کا جنازہ دہلی لایا گیا اور کثیر الانوار سلطان المشائخ کے مزار کے پاس جو دہلی سے ۹ میل کی دوری پر واقع ہے وہاں ان کو دفنایا گیا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

یہاں تلک پاؤں میں پھوڑے ہیں
کہ قدم بھر چلا نہیں جاتا

کوثر

کوثر تخلص اور نام مہدی علی خاں ہے۔ والد کا نام قطب الدین خاں

ابن آقا علی خاں ہے۔ موتمن الدولہ اسحاق خاں کا چھوٹا بھائی ہے جو محمد شاہ جنت نشاں کے دورۂ حکومت میں مشہور امیروں میں تھا۔ لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ اعظم الدولہ کی ایک تقریب میں دو سال پہلے دہلی آیا تھا۔ راقم کا بھی اس سے تعارف ہوا تھا اس میں اس کے اوصاف حمیدہ صاف نظر آرہے تھے۔ شاعروں کی محفلوں میں بھی شرکت کیا کرتا اور خود کو ناسخ کے شاگردوں میں شمار کیا کرتا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

چشم میں عشق کے اعجاز سے آنسو ٹھہرے
ورنہ کشتی میں ہے دریا کا سمانا مشکل

تیرا تو آسرا تھا جدائی میں یار کی
اے موت تو بھی مجھ سے گریزاں ہے ان دنوں

خواب میں شب اس پری نے شکل کھلائی ہمیں
جاگ اٹھے بخت خوابیدہ جو نیند آئی ہمیں

بوقت صبح وہ مانند آفتاب آیا
الٰہی شکر شب ہجر کی سحر دیکھی

تربت پہ میری ایسی برستی ہے بے کسی
بے اختیار شمع کے آنسو نکل پڑے

کیا ہی کشش ہے کوچہ دلبر کی خاک میں
بے دست و پا بھی ہووے تو مثل صبا چلے

نامہ بر کوچہ دلبر میں گم ایسا ہو جائے
فی المثل ہووے کبوتر تو وہ عنقا ہو جائے

خوں بہا اس سے نہ پھر حشر کو مانگوں گا میں
ایک بار آکے مری لاش پہ قاتل ہو جائے

دل پھٹ گیا کدورت طبع نگاہ سے
حیرت کی جا ہے آئینہ ٹوٹا غبار سے

ہوں وہ بلبل کہ یہ تھا شوق اسیری پس مرگ
پر بھی اڑ کر مرے صیاد کے گھر تک پہنچے

گویا

گویا تخلص اور نام شیخ حیات اللہ ہے۔ فرخ آباد کا رہنے والا ہے۔ انگریزی سرکار میں ممتاز عہدوں پر مامور رہا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جس کم سخن سے کیجئے تقریر بول اٹھے
ہے ہم میں وہ کمال کہ تصویر بول اٹھے

گویا

گویا تخلص اور نام حسام الدولہ نواب فقیر محمد خاں بہادر ہے۔ لکھنؤ کے

مشہور امیروں میں سے ہے۔ دنیا داری کے ہجوم میں ملوث ہونے کے باوجود دین کی طرف مائل، ہر فن میں اہلیت رکھتا، خاص طور سے شاعروں کے ساتھ بہت دلچسپی ہے اور اس شہر کے شعرا بھی اس کی خوب تعریفیں بیان کرتے ہیں۔ اس نے بھی بہت سراہا اور انعام واکرامات سے نوازا۔ شاعری کے مرتبے میں شیخ امام بخش ناسخ کے شاگردوں میں ہے۔ یہ اشعار اس کے دیوان سے منتخب کیے گئے ہیں اور عجالہ میں لکھے گئے ہیں:۔

صندلی رنگ پہ میں مر ہی گیا
درد سر کس کا کہ یہاں سر ہی گیا

اس نے صندل لگایا ماتھے پر
درد دونا ہوا مرے سر کا

نہ آنے کا ترے شکوہ عبث ہے
کبھی میں آپ میں آیا تو ہوتا

اسکو غفلت پیشہ کر آتے ہیں ہم
بھول جانا یاد دلواتے ہیں ہم

ضعف سے رہتا ہے اب پاؤں پہ سر
آپ اپنی ٹھوکریں کھاتے ہیں ہم

گر پڑے دانہ اگر چلنے لگے مثل سپند
بہ حرارت بعد مردن بھی ہے اپنی خاک میں

وصل اگر منظور تھا پرویز کا گھر کھودتا
کوہکن دیوانہ ہے شیریں تو پتھر میں نہیں

درد پہلو میں رہا کرتا ہے جب سے تو نہیں
ہجر میں ایک دم خالی مرا پہلو نہیں

نہ مرے زخم پر رکھو مرہم
میرے قاتل کی یہ نشانی ہے

ٹھکرا کے چلے جبیں کو میری
قسمت کے لکھے نے یاوری کی

میں گو ناخوش ہوں اپنی زندگی سے
رہے خوش یا الٰہی وہ جہاں ہے

یاد آیا جی یہیں اپنا ملا تھا خاک میں
رو دیا جب وہ غبار کو نظر آیا مجھے

جی ابھی نکلا نہ تھا تن سے کہ وہ راہی ہوا
توسن جاناں سمند عمر سے چالاک ہے

مآل عاشق و معشوق ہے ایک
سنا ہے شمع سوزاں کی زبانی

آیا جواب نامہ پس مرگ تب کھلا
تھی دیر اس لیے مرے خط کے جواب میں

زاہد و جرم کیا کرتا ہوں میں بہر ثواب
دل ہے کعبہ اسے کرنا ہے سیہ پوش مجھے

حرف اللام

لطیفؔ

لطیفؔ تخلص اور نام میر شمس الدین ہے۔ سورت بندرگاہ کا رہنے والا ہے۔ لکھنؤ میں آکر بس گیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

گھر میں جا بیٹھ رہا اس سے خفا ہو تو لطیفؔ
کیا ہی غصہ تری اس بات پر آتا ہے مجھے

لطیفؔ

لطیفؔ تخلص اور نام میر لطیف علی ہے۔ ارادت کیشان اور خواجہ میر دردؔ کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کو جواہرات کی بہت اچھی شناخت تھی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

روتے ہیں شیخ و برہمن سبھی دل کے ہاتھوں — گبر نکلا نہ یہ کافر نہ مسلماں نکلا
رہتا ہے درد روز دلِ ناتواں میں — کیونکر اثر نہ ہووے ہماری زبان میں
دامن کشیدہ جاتے ہو میرے غبار سے — تقصیر ایسی کیا ہوئی اس خاکسار سے

لطفؔ

لطفؔ تخلص اور نام مرزا علی ہے۔ نسلاً استرآباد کا رہنے والا ہے لیکن دہلی میں پرورش پائی بعد میں عظیم آباد کے نواح میں سکونت اختیار کرلی۔ حیدرآباد بھی جا چکا ہے۔ اس نے قصائد بھی لکھے اور صلہ و انعامات بھی پائے۔ میر تقی میرؔ سے شاگردی کی نسبت رکھتا ہے۔ اس نے ریختہ زبان میں ریختہ گویوں کا

تذکرہ لکھا ہے جو مجھے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ یہ اشعار اسی سے منتخب کیے ہیں:

ہو گئی زنجیر پا اپنی یہ زلف پر شکن — ورنہ دل تجھ سے کو دیتا تھا کوئی دیوانہ تھا
کچھ اس زلف کو مشاطہ سمجھ کر شانہ — لاکھ دل ٹوٹے اگر ایک وہ مو لوٹ گیا
بڑھایا قصہ سنبل صبا نے حد لیکن — فسانہ زلف کا تیری بہت دراز رہا
نہیں سمندر و پروانہ پر وہ آتش ہوں — کہ جس کے نام سے آتش کو احتراز رہا
نہ پہنچی ضعف سے لب تک دعا ہی ورنہ سدا — در قبول تو اس آرزو میں باز رہا
جو عمر خضر ہو شاید تو وصل ہووے نصیب — یہ زندگی جو تھی اس میں تو امتحان رہا

سنتے تھے طوفان نوح آنکھوں سے دیکھا وہ تو لطف
دیکھتے یہ چشم گریاں اور اب ہم کو دکھلائیں کیا

ہے کون سبزہ رنگ خراماں کہ رشک سے — جو شمع سبز جلتا ہے ہر سرو باغ کا
ساقی لگا دے خم مرے منہ سے کہ بار بار — احسان کون کھینچے سبو اور ایاغ کا
تیرے کانوں تلک بھی لطف کچھ آواز آتی ہے — ہے اک عالم کو تیرے نالہ و فریاد کا شکوا
ایک دن حال دل زار نہ دیکھا نہ سنا — سچ تو یہ تجھ سا بھی دلدار نہ دیکھا نہ سنا
دکھا دیں بے ستون چرخ کا عالم تجھے فرہاد — جو مل جاوے ہمیں بھی کار فرما کوئی شیریں سا
فرہاد سا نہ رنگ مجنوں سا کیا حال — کس منہ سے اسے بھیجیے پیغام محبت
ہوتے ہیں بعد قتل طلب گار حق اس سے — ملک بتاں میں دیکھی نئی خوں بہا کی طرح
کیا کم ہے سلطنت سے سگ کوئے یار اگر — قانع ہوا ستخواں پہ ہمارے ہما کی طرح
ہے یہ بھی نئی چھیڑ شب وصل میں سو بار — پوچھے ہے وہ کتنی رہی شب نہیں معلوم
کس کی دیتی بلا جو جانتے ہم — دے کے دل اس بلا میں پڑتے ہیں

اگرچہ فرق زمیں آسماں کا ہے تاہم
ملے ہے وضع فلک کی بہت تری خو میں

اپنا تو بدگمانی سے بس کام ہو گیا — گو اور طرح اس کی ہو چولی مسک گئی
خوبی کا تیری بسکہ اک عالم گواہ ہے — اپنی بغیر دیکھے ہی حالت تباہ ہے

حرف المیم

مآئل

مائل تخلص اور نام میر محمدی ہے۔ جہان آباد کا رہنے والا سید ہے۔ مولوی قدرت اللہ اکبر آبادی کے شاگردوں میں سے ہے اور شاہ نصیر دہلوی کا استاد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دلنرازی ہوس　　مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

مآئل

مآئل تخلص اور نام محمد یار بیگ ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور شیخ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

پیتا ہوں جام مے کے عوض کاسہ بنگ کا　　مآئل ہوا ہوں جب سے میں ایک رنگ کا

مآئل

مآئل تخلص اور نام سید کاظم علی ہے۔ خیر آباد کا رہنے والا ہے۔ اوائل جوانی میں ہی انتقال کر گیا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

شب ہجراں کی آہ ایک طرف　　لاکھ ابر سیاہ ایک طرف

ماہر

ماہر تخلص اور نام فخر الدین خاں ہے اور اشرف علی خاں فغاں کا بیٹا ہے سودا کے شاگردوں میں سے ہے۔ لکھنؤ اس کا وطن ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ملی اتنی نہ فرصت بھی کہ اٹھ کر مانگتے پانی
ہوا تیر نگہ یوں آہ دل میں کارگر کسی کا

مبتلا

مبتلا تخلص اور نام کاظم بیگ ہے۔ وزیر الممالک مردان علی خاں کی سرکار میں بتایا جاتا ہے۔ نسلاً مشہد مقدس کا رہنے والا ہے اور لکھنؤ میں عدم سے وجود میں آیا ہے (یعنی پیدا ہوا)۔ اس کے بزرگوں نے بہت باعزت اور پروقار زندگی گزاری ہے۔ مبتلا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فارسی (زبان) میں صاحب دیوان ہے اور ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

شیشہ دل پٹک دیا تونے   سنگ دل آہ کیا کیا تونے

مبتلا

مبتلا ایک شخص کا تخلص ہے جس کے حالات (زندگی) کی مجھے اطلاع نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

وہ تیرے سایہ دیوار میں پائی راحت   چاندنی رات کو اے رشک قمر بھول گئے

مجذوب

مجذوب تخلص اور نام مرزا غلام حیدر بیگ ہے۔ جہان آباد کا رہنے والا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کی سودا نے بیٹے کی طرح پرورش کی تھی:۔

عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں
بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں
تمہارا ہم سے جو عہد وفا ہے اس کو تم جانو
مرے پیماں میں کچھ نوع دگر ہووے تو میں جانوں

طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار　　جنت میں تیرے سایہ دیوار کے تلے

مجنوںؔ

مجنوںؔ تخلص، ننگے سر درویش کے خراب نام سے مشہور ایک شخص تھا۔ رائے بھیم ناتھ کی نسل سے ہے۔ اس کے بزرگ ایک دو پیڑھی سے اسلام کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ میر تقی میرؔ کا شاگرد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص شہر کی گلی محلوں میں مادر زاد برہنہ گھومتا پھرتا تھا۔ اس کا یہ عمل اس کے تخلص کی تاثیر کی دلیل کہا جا سکتا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس تخلص کے سبب سے وہ جنون کا شکار رہا یا جنون کے سبب یہ تخلص اختیار کیا۔ قصہ مختصر یہ مطلع اس کا ہے:۔

جس سے جی چاہے ملو تم نہ کسی سے پوچھو
مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے ہی جی سے پوچھو

مجنوںؔ

مجنوںؔ تخلص ہے۔ اس کا نام معلوم نہ ہو سکا عظیم آباد کا رہنے والا ہے میر ضیاؔ سے سخن کی تعلیم حاصل کی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

دن میں سو سو بار اس کے روبرو جانا مجھے　　اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

مجرمؔ

مجرمؔ تخلص اور نام فتح علی ہے۔ قوم کا سید ہے اور دہلی کا رہنے والا ہے کیمیا کی تلاش و جستجو میں رہتا تھا۔ اب اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

اپنی خواہش پوچھتے ہو تو یہی چاہے ہے دل
چپکے بیٹھے سامنے صورت تمہاری دیکھیے

مجرم

مجرم تخلص اور نام رحمت اللہ ہے۔ کسب معاش کے اعتبار سے اکبرآباد کے اہل حرفہ میں سے تھا۔ عرصہ ہوا اس کام کو ترک کر دیا اور اب فقیرانہ لباس زیب تن کر لیا۔ میر محمد بیدار کی صحبتوں سے فیض یاب ہوا ہے۔ جب بھی دہلی آتا مجھ سے ملاقات کرنے بھی آ جاتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دل افکار دیا دیدۂ خونبار دیا　　چرخ ناساز نے کیا کیا مجھے آزار دیا

کی میں نے شکایت تو وہ بولا یہ خفا ہو　　گر ہم ہیں جفا جو تو کسی اور کو چاہو

کل غیر کے گھر رہنے کی کیا جھوٹے ہیں پیارے　　کھا جائیے حاضر ہو مجھے گھورتے کیا ہو

مجبور

مجبور تخلص اور نام حق رسا ہے۔ شاہ نصیر دہلوی کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

شب خوشی سے پاؤں پھیلا گھر میں تم سویا کیے
ہم پس دیوار بیٹھے صبح تک رویا کیے

محزون

محزون تخلص اور نام میر ناصر خاں ہے۔ سید محمد نصیر المتخلص بہ رنج کا بیٹا ہے۔ خواجہ میر درد علیہ رحمہ کا سجادہ نشین ہے۔ اس کے پاس اچھی درسی کتابیں ہیں خاص طور پر آج ریاضی میں جتنی مہارت اس کو حاصل ہے شاید کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ کبھی کبھار شعر بھی موزوں کرتا ہے۔ آجکل مشرقی ممالک کے سفر پر گیا ہوا ہے۔ مجھ فقیر سے بھی اچھی شناسائی ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جھوٹ ہے اوسے کب میں نے لڑائی آنکھیں
تم نے بے فائدہ رو رو کے سجائیں آنکھیں

شاید اسوقت گیا آپ کا دھیان اور کہیں
بات کرنے میں جو تم ربط سخن بھول گئے

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا
حیف محزوں مجھے یاران وطن بھول گئے

محزوں

محزوں تخلص اور نام عالم شاہ ہے۔ گڑھ مکٹیشور کے شیخ زادوں (یعنی پیرزادوں) میں سے ہے۔ مصحفی نے اس کو امروہہ کا رہنے والا بتایا ہے لیکن تحقیق کے بعد یہ واضح ہوا کہ یہاں (یعنی گڑھ مکٹیشور) کا ہے۔ دیکھا جائے تو گھر کا حال گھر والا ہی بہتر جانتا ہے۔ شرف الدین سرور کی بات زیادہ قابل قبول ہے کیونکہ وہ ان کے رشتہ داروں میں سے ہے اور مصحفی کا محزوں کو امروہہ کا رہنے والا بتانا شاید غلطی پر مبنی ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

بے محابا چاک کرتا ہے گریباں کے تئیں
کس کے آنے سے چمن میں گل کا سودا ہو گیا

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

اہل دنیا تو نہیں دیتے ہیں محزوں غم کی داد
کوہکن کو خواب شیریں سے جگاؤں تو سہی

محو

محو تخلص اور نام حسین علی خاں اکبر آبادی ہے۔ انگریزی سرکار میں ملازم ہے یہ شعر اس کا ہے :۔

سنگ پھینکے ہے مری قبر پہ گل کے بدلے
گالیاں دے ہے مرگ بھی قل کے بدلے

محو

محو تخلص اور نام شیخ عظم اللہ ہے۔ میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

متاع دل گرانمایہ ہے اپنے پاس لے ہمدم
یہ دولت اسکو بخشیں گے جسے ہم یار دیکھیں گے

محب

محب تخلص اور نام شیخ ولی اللہ ہے۔ اسی شہر (یعنی دہلی) کا رہنے والا ہے۔ لکھنؤ میں وفات پائی۔ سودا کا شاگرد ہے اور مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی سرکار کے وظیفہ خواروں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

تو اور تیری چاہ پوچھنا کیا
صدقے ترے واہ پوچھنا کیا

خانۂ دل کو نہ ہو عشق کا آئین جس میں
ہے وہ قرآن کہ نہیں سورۂ یٰسین جس میں

پڑھنے لائق اشک کب چھوڑے ہے خاک آئے جواب
جتنے خط لے جائے میرے نامہ بر بھیگے ہوئے

نم ہیں مژگاں اشک سے تجھ تک نہیں جاتی نگاہ
مانع پرواز ہیں طائر کو پر بھیگے ہوئے

تیرے جو یہی ستم رہیں گے
جیتے کا ہے کو ہم رہیں گے

محبّت

محبت تخلص اور نام میر بہادر علی ہے۔ ثناء اللہ خاں فراق کا شاگرد ہے یہ اشعار اس کے ہیں:۔

سادہ روصاف بھی اب ہم سے ملاقات نہیں
ناز و انداز و ادا غمزہ اشارہ ڈوبا

اگر حنا تیرے ہاتھوں سے خون بہا دل کا
تو لوں گا دست نگاریں سے خون بہا دل کا

محبّت

محبت تخلص اور نام نواب محبت خاں ہے۔ حافظ الملک نواب رحمت خاں مرحوم کہ جن کی عملداری میں ضلع بریلی اور آس پاس کے علاقے تھے ان کا فرزند ہے۔ چونکہ اس کے متعلق دیگر تفصیل سب ہی جانتے پہچانتے ہیں اس لیے مزید تفصیل نہیں دی جا رہی ہے۔ بیٹا بھی اپنے باپ کی طرح متقی اور

پرہیزگار ہے اور سمجھ بوجھ والے لوگ اس کے زہد و تقوی کے معترف ہیں ذیل کے اشعار اس کی فکری رجحان کی غمازی کرتے ہیں:۔

جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہے گا
بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا

عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے
آج چہرہ مرا بحال ہوا

قید ہوتی ہے ہوا دونوں جہاں سے آزاد
میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا

یہ بڑھا دیوانہ پن اپنا کہ ناصح دل ہوا
تھا مرا ہمدرد لیکن مجھ کو سمجھانے لگا

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں
یہ جو ہو جھوٹ تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

بیٹھنے دیوے نہ وہ بزم میں اپنے جو مجھے
تو اٹھا لیجو اے یار خدایا مجھ کو

گالی کا انتظار تو حد سے گزر چکا
منہ کو کہاں تلک ترے دیکھا کرے کوئی

محنت

محنت تخلص اور نام مرزا حسین علی ہے۔ خاندانی اعتبار سے جہان آباد کا رہنے والا ہے لیکن لکھنؤ میں پرورش پائی۔ قلندر بخش جرأت سے مشورۂ سخن کیا کرتا اور اسی انداز سے کہتا بھی تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

احوال مرا دھیان سے سنتا تھا و لیکن
کچھ بات جو سمجھا تو کہا میں نہیں سنتا

اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو
مجھ سے نہ کہو بہر خدا میں نہیں سنتا

آمد نہ فصل گل کے نسیم سحر سنتا
مر جاؤں کا قفس میں نہ ایسی خبر سنتا

محشر

محشر تخلص اور نام اکرام اللہ خاں ہے۔ بدایوں کا رہنے والا ہے جہاں اس کا شمار مشہور لوگوں میں ہوتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

آ چھپا شور قیامت ترے داماں کے تلے
فتنہ سوتا ہے ترے یار مژگاں کے تلے

ہمیں نظر نہیں آتا کہ جی بچے محشر
کوئی دن اور اگر دردِ انتظار رہے

جدھر کو بے اڑے دل کی پیش کروں پرواز
نہیں ہے برق صفت ہاتھ میں عناں میرے

محشر

محشر تخلص اور نام مرزا علی نقی ہے۔ نسلاً کشمیری ہے۔ لکھنؤ میں پروان چڑھا۔ دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا اور اپنی شاعری پر بہت غرور کرتا تھا۔ مرزا علی مہلت کے قتل کے بعد کہ جس کی تفصیل ان (مرزا علی مہلت) کے بیان میں دی گئی ہے خوف کے مارے وہاں (لکھنؤ) سے فرار ہو کر دہلی آ گیا اور خواجہ میر درد سے منسلک ہو گیا اور ان سے کئی اعتبار سے مستفید ہوا پھر لکھنؤ واپس چلا گیا۔ چند سال گزرنے کے بعد مذکورہ مقتول کے وارثوں نے قاتل (یعنی مرزا علی نقی محشر) کا قصاص کے طور پر سفاکانہ قتل کر ڈالا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دور میں اس چشم کے گزروں کو آسائش نہیں
کس گھڑی کس دم نئے فتنے کی فرمائش نہیں

جہاں منتظر سی آنکھوں میں وقت رحیل ہے
جلدی پہنچ کہ تیرے ہی آنے کی ڈھیل ہے

محسن

محسن تخلص اور نام میر محسن ہے۔ میر محمد تقی کا بھتیجا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ
زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کا

محترم

محترم تخلص اور نام خواجہ محترم علی خاں ہے عظیم آباد کے بڑے لوگوں میں سے (شمار ہوتا) ہے۔ اپنے کلام پر شاہ گھسیٹا المتخلص بہ عشق سے اصلاح لیا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اے محتشم اتنی اشک باری — کھل جائے ہے ابر بھی برس کر

دوستوں نے مرے کہاں سے — محتشم کو کہو تو یہاں لائیں

لگے کہنے کہ شرط کرو تو تم — ہم جو مجلس میں اس کو بلوائیں

رو نہ دے وے کہ جسکے رونے سے — ساری محفل کے

پیغام پھر جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک — شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

محمود

محمود تخلص اور نام محمود خاں ہے۔ اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور کا بھتیجا ہے۔ خوش فکر اور سجا کر شاعری کرنے والا جوان ہے۔ اس کی فکر کے پنجہ سے بچکر مضامین نہیں جا پاتے (یعنی مضمون آفرینی میں یکتا ہے) اور اس کے مضامین کی نرم پیش سے دل پگھل پگھل کر لہو ہوا جاتا ہے۔ یہ جوان بہت کچھ کہنے کے باوجود کم سخن اور سوزبان رکھنے کے باوجود بے زبان ہی کہا جائے گا۔ حلیم الطبیعی اور شائستگی سے پُر ہے۔ راقم کے دوستوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

گھر سے بے پردہ وہ رشک مہ روش نکلا — نالۂ دل بھی مری جاں کا دشمن نکلا

اپنی برگشتگی بخت کا دیوانہ ہوں — کی شفاعت جو کسی نے تو وہ اغوا سمجھا

کیا اجل بھی آئی تھی اغیار ہی کے حصہ میں — اے فلک گر وصل جاناں کے نہیں قابل ہوا

گو شب ہجر ہی پر صبح نہ ہووے تو ہے خوب — لائے ہے ناک میں دم گردش ایام اپنا

بیقراری سے ہے کچھ اس کی عجب مجھ پہ عذاب — کس طرح غیر کو دے دوں دلِ ناکام اپنا

واہ رے شوق ادھر جب کوئی جاتے دیکھا — منہ سے ناخواستہ نکلا وہیں پیغام اپنا

افسوس ہوا حشر میں کیا بے گنہی کا — قاتل جو ہمیں سر پہ گریباں نظر آیا

ہیں اپنے تصور نے محالات کیے سہل — پردے میں بھی مجھ کو رخ جاناں نظر آیا

مجھ کو خبر مرگ عدو سے بھی ہوا رنج — وہ شوخ جو انگشت بدنداں نظر آیا

دشمن کو مری گور پہ لانا نہیں اچھا — مردے کو مسلماں کے جلانا نہیں اچھا

ہے زخم جگر ناوکِ قاتل کی نشانی
اے چارہ گرو اس کو مٹانا نہیں اچھا

بے داد گزشتہ کی کریں کیونکہ شکایت
اس کو وہ مزہ یاد دلانا نہیں اچھا

حسرتیں زیست کی ہیں گور میں رکھتی بے چین
اس نے کیا مجھ کو کہیں یاد کیا میرے بعد

پیچھے ہٹتا تھا قدم چلتی ہے اس کوچے سے
وہ ہوا بام پہ کیا جلوہ نما میرے بعد

میرے لیے ہے تیری ندامت بھی اک ستم
ہرگز تو اپنے جور و جفا پر نظر نہ کر

تھا وصل میں اک ہجر میں دو ہیں مرے معشوق
کم موت کی جانب نہیں جاناں سے تعلق

وہ یہ سمجھا کہ ہوا ظلم اٹھانا مشکل
ہم کو جینے سے بھی اب ہے کھانا مشکل

نہ ڈرانا تو جہنم سے عبث اے واعظ
ہے بجز ذکرِ عدو ہم کو جلانا مشکل

غلبۂ شوق سے عالم ہے نظر میں تاریک
جس کے جویا تھے ہوا اس کا بھی پانا مشکل

چھاتی پہ لٹانا تو اسے کب ہے میسر
تصویر مگر لینے پہ بیٹھے ہیں بنا ہم

اس وعدہ فراموش نے آنے کو کہا تھا
دروازے ہی پر رہنے لگے آٹھ پہر ہم

عجز بے تاثیر کو اپنے صنم سمجھا فریب
کیا ملا دے گی خدا سے یہ جبیں سائی ہمیں

جاں کیا چیز ہے پر عشق میں تاثیر تو ہو
کوئی مر جائے اگر تو کوئی دلگیر تو ہو

وہ رخ افروختہ ہے جرمِ عدو سے شاید
کہ نہیں نیم نظر تابِ تماشا ہم کو

وہ صید ہوں کہ شوقِ اسیری ہے خود مجھے
صیاد بے دماغ کو رنجِ کمیں نہ ہو

ایسا ہی سبک زیست نے ہجراں میں کیا ہے
گر چاہے تو اف سے کوئی بیمار اڑا دے

اس ناتواں کو بام پہ پہنچا دے ہم نشیں
شاید کہ اس کے گھر کی طرف کی ہوا چلے

دیکھتا کون ہے محوِ عدو کو بخوشی
جب نظر کرتے ہیں افلاک پہ ناچاری سے

خلافِ طبع ہے اس کے مگر کوئی خواہش
ہمارے ہاتھ جو گاہے پئے دعا نہ اٹھے

بعید اس کے ستم سے ہے یہ کہ بعد فنا
عدو کے گھر کی مری خاک سے بنا نہ اٹھے

اب تو حد تاثیر کی لے اشک خوں نہیں ہو چکے
سب طراز دامن دلدار رنگیں ہو چکے

مرتکب ہم سو گنہ کے ہو چکے پر ہے خموش
کیا وہ خود بھی قدر دانِ لذت دشنام ہے

جل گیا میں گرمیِ رفتار سے
کیا چلے تم ملنے کو اغیار سے

لاغری سے میں نظر آتا نہیں　　چارہ گر بیٹھے ہیں ماتم دارسے
خانہ کعبہ کی تعظیم تو سبحان اللہ　　لیک فرصت بھی ہو اس در کی جبیں سائی سے

مخلص

مخلص تخلص اور نام میر باقر ہے۔ اکبر آباد کا رہنے والا ہے۔ مصحفی خاں یکرنگ کا شاگرد ہے۔ محمد شاہ کی حکومت کے زمانے میں شاعری کیا کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:-

میں تو بندہ ہوں تری جور و جفا کا لیکن
سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا

مخلص

مخلص تخلص اور نام مخلص علی خاں ہے۔ مرشد آباد میں رہ کر بوڑھے ہو جانے والے لوگوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

کوئی اپنے اسیروں سے تغافل یہ بھی کرتا ہے
قفس میں مر گئے ہم یہ خبر صیاد کو پہنچے

مدحت

مدحت لکھنوی تخلص، جعفر علی حسرت کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

لے گئی ہجر تری گور میں یار آخر کار　　روز فرقت نے دکھائی شب تار آخر کار

مدہوش

مدہوش تخلص ہے لیکن اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ میر سوز کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

مرا جس ناز سے تو نے لیا دل　　　خدا جانے ہے اس کو یا مرا دل

مرزا

مرزا تخلص اور نام آقا مرزا ہے۔ نسلاً (اس کا خاندان) مازندران کا رہنے والا ہے لیکن یہ لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ اس کے والد محمد اسماعیل تجارت پیشہ شخص تھے۔ تمیر کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

بالیں سے جب وہ پھر گیا غش سے کھلی تب آنکھ
مجھ نا رسا کے طالع خوابیدہ دیکھنا

پہچانے تا نہ کوئی کہ یہ کس کی لاش ہے　　　سر تن سے لے گیا مرا قاتل تراش کے

مرزا

مرزا تخلص ہے۔ مرزا مینا کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا نام حکیم میر فضل اللہ ہے قصبہ پانی پت کا رہنے والا ہے۔ فارسی اشعار بھی کہے ہیں۔ طب میں نمایاں مہارت حاصل تھی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

دل جو اپنا تھا سو ہے بے گانہ　　　اس زمانے میں کوئی یار نہیں
سخت مشکل ہے ہجر میں جینا　　　زندگی اپنے اختیار نہیں
خالی اس سے نہیں ہے کعبہ و دیر　　　کون سے سنگ میں شرار نہیں

مرزا

مرزا تخلص اور نام ہدایت اللہ دہلوی ہے۔ موسیقی کے فن میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

دل ہاتھ اشک آنکھ سے جی تن سے چلا جائے
اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے

مرزا

مرزاؔ تخلص ہے اور مرزا محمد خاں کا بھانجا ہے اور رستم بیگ کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

اگر زلف دراز یار میں ہے صد گرہ مرزاؔ
دل صد چاک یہ ہم بھی بسان شانہ رکھتے ہیں

مروت

مروّتؔ تخلص اور نام صغیر علی ہے۔ حکیم کبیر علی کا بیٹا ہے اور سنبھل کا رہنے والا ہے۔ جرأت کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ میر حسن کے اسلوب میں مثنوی لکھی ہے اور اس فن میں (از سرنو) جان ڈالنے کا دعویدار ہے۔ یہ شعر خود اس کو بہت پسند ہے:۔

غیروں پہ دیکھ دیکھ کرم اس نگار کا   چین بر جبین ہے نقش ہمارے مزار کا

مرہون

مرہونؔ تخلص اور نام مرزا علی رضا ہے۔ اس کے بزرگوں کا وطن مشہد مقدس ہے لیکن وہ خود اسی شہر میں پیدا ہوا بعد میں حیدرآباد منتقل ہو گیا۔ میر ممنون کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہر آرزوئے دل کو حرمان نے خون کیا ہے   گردن پہ یاس کے ہے خون اپنی آرزو کا
جز ایک نگاہ چشم کبھی اس کی خو نہیں   قسمت تو دیکھ یہ بھی کبھو ہے کبھو نہیں

مزمل

مزمّلؔ تخلص اور نام مزمل شاہ ہے۔ پرانے لوگوں میں سے ہے۔ یہ شعر

اس کا ہے:۔ میں نہ کہتا تھا کہ منزل دے نہ دل
نقد ایسا رایگاں کھونا نہ تھا

مسرور

مسرور تخلص اور نام شیخ پیر بخش ہے۔ لکھنؤ سے پندرہ میل دور قصبہ کاکوری کا رہنے والا ہے۔ مصحفی سے شاعری کی اصلاح لیا کرتا۔ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی مصاحبت میں رہ کر اس نے زندگی بسر کی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کہتی ہے یہ ہر وقت تجھے آبلہ پائی
آگے کو قدم دشت مغیلاں سے نہ اٹھے

کرتے ہیں وہ غمزے سے اشارے کئی دن سے
ہیں پیچھے پڑے دل کے ہمارے کئی دن سے

گر بہر سیر لیلی محمل سوار جائے
مجنوں بھی ساتھ جوں شتر بے مہار جائے

مسرور

مسرور تخلص اور نام مرزا سنگی بیگ ہے۔ جہاں آباد کا رہنے والا ہے اور میر عزت اللہ عشق کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

سدا اس چشم مے گوں سے یہ دل مستانہ رکھتے ہیں
صراحی کی ہوس نہ خواہش پیمانہ رکھتے ہیں

مسرور

مسرور تخلص اور نام شرف الدین احمد ہے۔ غلام محی الدین عشق مبتلا کا بیٹا ہے۔ میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ ریختہ کے اشعار ریختہ کی عبارت کے گرد گھومتے ہیں (یعنی بولی ٹھولی کا شاعر ہے) یہ شعر اس کا ہے:۔

ہے غیر کے گھر وہ شمع محفل
دن رات مجھے یہی جلن ہے

مسکین

مسکین تخلص اور نام سید عبدالواحد خاں ہے۔ ظریف اور معرکہ پسند نوجوان ہے۔ دہلی میں آکر مومن خاں کی طرز پر شعر کہتا تھا اور فقیر کے ساتھ بھی ربط پیدا کر لیا تھا۔ اب یہیں رہ کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

کیوں نہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو اس رنجور کا　　جسکو از خود رفتگی بھی اک سفر ہے دور کا

مسرت

مسرت تخلص اور نام شیخ وزیر علی ہے حکیم عزت اللہ خاں عشق سے اپنے شعر پر اصلاح لیا کرتا۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ چند سال سے حیدرآباد چلا گیا ہے۔ چندولال کے حلقہ شعرا میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

اگرچہ روتے روتے کھوئیں آنکھیں　　نہ رکھا دیدۂ خونبار پر ہاتھ

مستمند

مستمند تخلص اور نام یار علی خاں ہے۔ عظیم آباد کا رہنے والا ہے اور مرزا بھچو فدوی کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

نزع تک وصل کی ہے یار امید　　ہے مثل ایک دم ہزار امید

مسیح

مسیح تخلص، براتی نام ہے۔ سوداگر پیشہ ہے۔ نسلاً کشمیری ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

شاید کہ موئے زلف کا شانہ تھا دست غیر
بے ڈھب رہا تھا جی کو مرے پیچ و تاب رات

مشیر

مشیر تخلص اور نام قطب الدین ہے۔ جہان آباد کا رہنے والا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاہ نصیر کے بہترین شاگردوں میں سے ہے فقیر نے اس کو مشاعروں میں دیکھا ہے اور وہیں اس کا کلام سنا ہے۔ استاد کے اسلوب کی پیروی کرتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

یہ غل ہے کہ وحشی نے ترے پاؤں نکالے　　　پھر دست جنوں سلسلہ جنباں نہ ہوا ہو

مشتاق

مشتاق تخلص اور نام عبداللہ خاں ہے۔ مشتاق علی خاں کہلاتا ہے۔ نسلاً ایرانی ہے۔ دار السلطنت کے اچھے شعرا میں اس کا شمار ہوتا ہے رمل اور جفر کے علوم بھی جانتا ہے اس کو کیمیا بنانے کا جنون تھا۔ خطوط نہایت اچھے خط میں اور دلکش انداز کے لکھا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کی اک نگاہ یاس جو مژگانِ یار پر　　　سو برچھیاں لگیں دل امیدوار پر

جی بند ہو نکل بھی گیا تو کھلی رہی　　　اے چشم آفریں ہے ترے انتظار پر

مٹے ہے دم بدم یہاں وصل کی تدبیر کا نقشہ
دکھائی دے ہے بے ڈھب کچھ ہمیں تقدیر کا نقشہ

دم مرگ مت پوچھ لکنت کا باعث　　　زباں پر گرہ گفتگو تھی کسی کی

کبھی اشک بھر آئے تو پی گئے ہم　　　کہ مد نظر آبرو تھی کسی کی

رنگ کیوں سبز ہے چہرے کا ترے اے مشتاق
کس نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

اپنی ہر بندگی پہ بھولے تھے
پھر جو دیکھا وہاں خدائی ہے

مشتاق

مشتاق تخلص اور نام حافظ تاج الدین ہے۔ میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ اس کی ایک آنکھ بظاہر بصارت سے محروم ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

کوہکن و پرویز کو قصہ اپنا سنانے دو ہے وہی افسانہ شیریں ایک پری دیوانے دو

مشتاق

مشتاق تخلص اور نام محمد واصل ہے۔ بدایوں کا رہنے والا ایک شاعر ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے تجھے قسم ہے جو تو اس طرف کو آن پھرے

مشہور

مشہور تخلص، بریلی کے کائستھوں میں سے ہے۔ مشہور تخلص ہونے کے باوجود اس کے حالات زندگی مشہور نہیں ہیں۔ یہ شعر اس کا ہے:

خوشی سے کیوں نہ اے مشہور اب بغلیں بجائیں ہم
ملے گا یار ہم سے آج پھر بازو پھڑکتے ہیں

مصدر

مصدر تخلص اور نام میر ماشاء اللہ خاں ہے۔ میر انشاء اللہ خاں کے والد بزرگوار ہیں۔ طریقہ ہے کہ بیٹا باپ کے نام سے پہچانا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ اس کا شمار اچھے خاصے طبیبوں میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھار شعر بھی کہتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

کافر ہو سو تیرے کرے چاہ کسو کی صورت نہ دکھاوے مجھے اللہ کسو کی

مصحفی

مصحفی تخلص اور نام غلام ہمدانی ہے۔ مراد آباد کے مضافات یعنی امروہہ کا رہنے والا ہے۔ ابتدائی جوانی میں حیدر آباد جاکر بس گیا تھا۔ پھر بعد میں لکھنؤ منتقل ہوگیا اور آخری سانس تک وہیں رہا۔ آج اس کو وفات پائے دس سال گزر گئے۔ خوب عمر پائی۔ اس کی ابتدا اتقی اور رستو داد مرزا رفیع) کا آخری زمانہ تھا۔ وہ جرأت اور انشا کے ساتھ مشاعروں اور مباحثوں میں شرکت کیا کرتا تھا۔ اس نے چھ ریختہ کے دیوان اور دو تذکرے مکمل کیے۔ اس کا ایک دیوان فارسی میں ہے اور ایک فارسی تذکرہ بھی ہے۔ اس تمام سے اس نے مشق توانائی اور مہارت حاصل کی۔ مشرق کے علاقوں میں وہ مسلم الثبوت ہوگیا اور اس کو عالم اور استاد تسلیم کرلیا گیا۔ ان (مشرقی علاقوں کے اکثر و بیشتر شعرا اس سے فن کا اکتساب کرنے لگے (یعنی حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگئے) اگرچہ جیسا کہ بسیار گویوں کا حال ہوتا ہے اس کا بیشتر کلام بھی کم پایہ اور لطف سے خالی ہے لیکن اس کے چنیدہ اشعار بہت بلند پایہ اور بلند مرتبہ کے ہیں اس لیے اس کے دواوین میں سے منتخب کرکے جو اشعار دیئے جا رہے ہیں یقیناً آمد کا رنگ رکھتے ہیں۔

میں اسی رشک سے مرتا ہوں کہ کل غیر نے وہاں
ہاتھ ہنگام قسم کیوں ترے سر پر رکھا

کی تلک ایک آبِ دمِ شمشیر قاتل نے کمی
ورنہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا

درد و غم کو بھی ہے نصیبہ شرط
یہ بھی قسمت سوا نہیں ملتا

کہتے ہو ایک آدھ کی ہے میرے ہاتھ موت
ہم بھی سمجھتے ہیں یہ سناتے ہو ہم کو کیا

تھا اگر روزِ قیامت تو بھی ہم شاداں ہے
وہ جو اک دن اس کے ملنے کا مقرر ہوگیا

اے مصحفی بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت
دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا نے دیکھا

شوخی تو دیکھو تیر کو سینے سے کھینچ کر — کہتا ہے میرے تیر کا پیکاں رہ گیا
نامے کے مرے پرزے لا ڈالے مرے آگے — نامے کا میرے قاصد یہ کیا پیام لایا
مرض عشق سے گر اب کے سنبھل جاؤں گا — تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا
مجھ کو قاصد کے تغافل نے تو مارا ہی ہے — روز ظالم یہی کہتا ہے کہ کل جاؤں گا
اڑتے اڑتے اسکے کوچے میں جو جا نکلے کہیں — حاملوں نے دوش سے تخت سلیماں رکھدیا
چاک ہو جائیں گے لاکھوں ہی گریباں ظالم — چاک پردے سے نہ یوں ہاتھ دکھانا اپنا
مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم — تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا
دامن ترا بنے گا گریبانِ عاشقاں — گر یوں ہی ٹھوکریں دمِ رفتار کھائے گا
مت میرے رنگ زرد کا چرچا کرو کر میاں — رنگ ایک سا ہمیشہ کسی کا نہیں رہا
میں حسرتیں لیے از بس جہاں سے جاتا تھا — جنازہ دوش پہ یاروں کے تھا گراں میرا
صیاد کی گلی ہے وہ کوچہ کیا کہ جس میں — سر خاک پر پڑا ہے اکثر کبوتروں کا
فصل گل فصل خزاں دونوں گئیں اے صیاد — مرغ دل کو بھی موسم میں رہا ہووے گا
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام — کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا
عشوہ و ناز و ادا اس کے یہی کہتے ہیں — ے سکے نام یہاں کون شکیبائی کا

چین سے کیونکہ میں سوؤں کہ شب ہجر مجھے
یاد آتا ہے وہ راتوں کو جگانا تیرا

کیا یار کے دامن کی خبر پوچھو ہو ہم سے — یہاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا
تلوار کو کھینچ ہنس پڑے واہ — ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

ترے کوچے میں اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

آنے کی تیرے کہہ کے مرا دل تو خوش کیا — قاصد نے گو کہ اپنی سے بنائی بات
گلی کو یار کی سمجھے ہے اپنا وہ کعبہ — یہ مصحفی سے نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست
تھا آپ ہی دیوان مرا نامۂ اعمال — کاہے کو فرشتوں نے لکھا نامۂ اعمال

چھیڑ مت ہر دم نہ آئینہ دکھا
اپنی صورت سے خفا بیٹھے ہیں ہم

سننے پائے نہ دہن اسکے سے دشنام تمام
جنبش لب ہی میں اپنا تو ہوا کام تمام

آنے دو اسے جس کے لیے چاک کیا ہے
ناصح سے گریباں کو سلانے کے نہیں ہم

جب تک نہ چھڑکے گا گلاب آپ وہ آکر
اس غش سے کبھی ہوش میں آنے کے نہیں ہم

ہر دم کو سمجھتے ہیں دمِ بازپسیں ہم
غافل تو ہوا ہم سے ذرا بھی تو نہیں ہم

پھٹ چکا جب سے گریباں تب سے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

وہی دشت اور وہی گریباں چاک
جب تلک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں

تو آئے نہ آئے ولے ہم تو ہر شب
تری راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں

ہائے وہ دل کہ جسے میں نے بغل میں پالا
اب اسے یوں ہدف ناوک مژگاں دیکھوں

فلک گر ہنساتا ہے مجھ پر کسی کو
میں ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہوں

بھلا تو ساتھ تو چلتا مرے جنازے کو
نہ آئی موت بھی روز وصال میرے تئیں

کھانے نہیں دیتے ہیں مجھے خون جگر بھی
نالے تو مرے حلق کے دربان ہوئے ہیں

وہ سنے یا نہ سنے اس کو ہم اپنا احوال
پس دیوار کھڑے ہو کے سنا جاتے ہیں

چوکھٹ پہ جن کی میں نے رو رو کے راتیں کاٹیں
سنتا ہوں صبح کیا وہ مہماں کس کے گھر ہیں

کوچے سے نکل کر میں ترے نالہ کروں گا
معلوم ہوا اب مجھے تاثیر نہیں میاں

میں ہوں وہ تلخ کام کہ روز وصال بھی
آئے جو لب پہ خندہ مرے زہر خندہ ہو

اپنا بھی جی سے جانا اب ہو چکا مسلّم
ہم رہ سکیں ہیں کوئی جب تم چلے سفر کو

اپنے مژگانِ رخنہ گر کو دیکھ
آن کر پھر مرے جگر کو دیکھ

زلف کا بوجھ دے کمر پہ نہ جان
زلف کو دیکھ اور کمر کو دیکھ

تھی شب وصل کھل گئی جو آنکھ
رنگ فق ہو گیا سحر کو دیکھ

کمر ہوئی تری یہاں تک تو شہرۂ آفاق
کہ سر کے بال ترے دیکھنے کمر کو چلے

کنج قفس میں ہم تو رہے مصحفی اسیر
فصل بہار باغ میں دھومیں مچا گئی

ہم نذر تیغ یار کریں اس کو مصحفی
گر یہ کے ہاتھ سے جو بدن میں لہو رہے

جور فلک سے ہم نہ کبھی سر اٹھا سکے
چوں شمع زیر تیغ یہاں عمر کٹ گئی

مصحفی یار ہیں اس وقت کے سب مرد پسند
بد نہ تھا ہم بھی تخلص جو مزاری رکھتے

نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے نہ خواب آتا ہے
رات کیا آتی ہے اک مجھ پہ عذاب آتا ہے

میں ترے واسطے سر پٹکوں ہوں دیوار سے
چین کس طرح تجھے خانہ خراب آتا ہے

یار کا صبح تک ہے وعدۂ وصل
ایک شب اور بھی جیئے ہی بنے

او دامن اٹھا کے جانے والے
ٹک ہم کو بھی خاک سے اٹھا لے

تو دیکھے تو اک نظر بہت ہے
الفت تری اس قدر بہت ہے

آتا ہے جی میں روکے ڈبو دوں اسے بھی سب
یہ تھوڑی سی جو پانی کے باہر زمیں ہے

از بس دو چند شوق رہا مجھ کو نامہ بر
آیا جو وہاں سے ایک تو پھر یہاں سے دو گئے

ہائے کعبہ سے پھرا اب تک نہ ہر گز مصحفی
اسکو وہاں کیا جانے کس بت سے محبت ہو گئی

تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالیں پر
وہ مر بھی جائے تو آنکھیں کبھی نہ بند کرے

تیری تصویر کو لے کر شیریں
اپنی چھاتی سے لگا رکھتی ہے

دل کے دھڑکوں کا یہ عالم ہے کہ بے منت دست
پرزے ہو ہو کے گریباں اڑا جاتا ہے

یہ شب ہجر میں اٹھ اٹھ کے قلق کے مارے
دل کو دیتا ہوں تسلی کہ سحر ہوتی ہے

مہندی کو اپنی دیکھ کے کہنے لگا وہ شوخ
ہے ہے کسی کا خون ہوا میرے ہاتھ سے

وعدۂ قتل سے رکھتا ہوں دل اپنے کو میں شاد
کہ اسی وعدہ میں اک وعدۂ دیدار بھی ہے

پیری میں بھی ہم الفت طفلاں سے نہ چھوٹے
لکھ پڑھ بھی چکے قید دبستاں سے نہ چھوٹے

وہ جی میں یہ نازاں کہ مرا رعب تو دیکھو
میں خوش کہ خیال نگہ دور کسے ہے

صبح کی شام ہوئی شام کی پھر رات ہوئی
یہی وعدے ہیں تو کب اس سے ملاقات ہوئی

مجھ کو پامال کر گیا ہے ابھی
یہ جو دامن اٹھائے جاتا ہے

کس کے مژگاں نے یہ کیا جادو
میرے دل میں گڑی جو کیل سی ہے

اس کو صحبت کا گر دماغ نہیں
طبع اپنی بھی کچھ علیل سی ہے

رشک ہے حال زلیخا پہ کہ ہم سے کم بخت
خواب میں بھی نہ کبھو وصل سے مسرور ہوئے

ہرگز در اس کا وا نہ ہوا ہم سے سینکڑوں
سر کو پٹک پٹک سر دیوار مر گئے

غم کھاتا ہوں جتنا مری نیت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

جب سارے سرے خوں میں ترے تیر کے بھرتے
شب غم سے نیت ترے نخچیر کی بھرتی

مضموںؔ

مضموںؔ تخلص ہے۔ تمیر اور مرزا کا ایک ہم عصر ہے۔ اس کے باقی حالات کی اطلاع نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ے سے اس بن کون ہے خوش واہ یہ ہو وہ نہ ہو
کس کو ہے خواہش معاذ اللہ یہ ہو وہ نہ ہو

مضموںؔ

مضموںؔ تخلص اور نام شرف الدین ہے۔ شیخ فرید الدین شکر گنج کی اولاد سے ہے۔ خدا اس کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اکبر آباد کے ایک نواحی قصبہ جاج مو کا رہنے والا ہے۔ ایک مرتبہ جہان آباد آیا اور یہیں رہ گیا۔ خان آرزو کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کی شاعری الہام گوئی میں محدود ہو کر رہ گئی۔ اس زمانے میں اہل زبان کا یہ ہی شیوہ تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا
صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

تیر مژگاں برستے ہیں مجھ پر
آب پیکاں کا اس طرف ہے ڈھال

ہمارا اشک قاصد کی طرح ہرگز نہیں تھمتا
دل بیتاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے

مضطرؔ

مضطرؔ تخلص اور نام کنور سین ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے۔ بارہ سال سے

بلند شہر کے علاقہ جات میں شامل ڈبائی کی تحصیلداری کے علاقے میں رہ رہا ہے۔ (مجھ) فقیر سے بارہا ملاقات ہو چکی ہے۔ اس کو شاعری کا شوق معمول سے زیادہ ہے۔ مزاج میں انکساری بہت ہے۔ واقعہ کربلا کے (حال کے) قصیدے لکھے ہیں ان قصیدوں کے دو تین شعر بھی سنائے۔ میری رائے میں تو معقول مضامین تھے۔ خود کو مصحفی کا شاگرد بتاتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

خلل انداز وفا کون سا غماز ہوا
کہ جواب خط مضطر قلم انداز ہوا

سوز جگر کو دیدۂ پُر نم کو دیکھیے ان آفتوں کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے
ابھی سے بے قراری ہے تو ہم نے دل مضطر مقرر رات کاٹی

مضطر

مضطر تخلص اور نام مرزا سنگین ہے۔ ذہین اور ملنسار شخص ہے۔ فقیر سے بھی ملاقات ہے۔ فرصت کے اوقات میں کچھ بیج جو بعض زمینوں میں اس نے چھڑکے تھے ان کا پھل (نمونہ کلام) یہ ہے:۔

کیا کیا دست جنوں پہ تیری بے سامانی نے میں تو خوش تھا کہ کفن میں بھی گریباں ہو گا
تھا خود وہ تڑپنے سے خجالت زدہ ہم تو مضطر کے کبھی خون کا دعویٰ نہ کریں گے

مضطرب

مضطرب تخلص اور نام درگا پرشاد ہے۔ لکھنؤ کے کائستھوں میں سے ہے محمد عیسیٰ تنہا کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ترے وعدوں پر اب ہے دم شماری بہت اختر شماری کر چکے ہم

مضطرب

مضطرب تخلص اور نام محمد حاجی ہے۔ قاضی رحمت اللہ خاں جو دہلی کے

قاضی القضات تھے ان کا بیٹا ہے۔ ممنون کے شاگردوں میں سے ہے۔ عملی طور پر نظم کے رموز نہیں جانتا (البتہ) آدمی اچھا ہے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد قاضی مقرر ہو گیا۔ کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے۔

کٹتی کسی طرح سے نہیں یہ شب فراق
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں

مظہر

مظہر تخلص اور اسم گرامی مرزا جانجاں ہے۔ نسباً علوی ہے۔ اس کے بزرگ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اس کے والد بزرگوار نے عالمگیر بادشاہ سے (کسی) ناراضگی کے باعث اپنا عہدہ ترک کر دیا تھا۔ مرزا نے اکبر آباد میں پرورش پائی بعد میں جہان آباد میں رہائش اختیار کی۔ سید نور محمد بدایونی، نقشبندی، مجددی، خدا ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور بلند رتبات عطا فرمائے، کی خدمت سے روحانی علم حاصل کیا اور اپنے جوہر کی پاکیزگی اور مزاج کی خوبی کے باعث دنیا کے مال وجاہ کی جانب رخ نہیں کیا۔ جوانی کی ابتدا سے ہی وہ ہمیشہ اپنے پیر کا گرویدہ اور ضبطِ نفس کی جانب مائل رہا اور زہد و تقوی میں مصروف رہا۔ شاہ غلام علی کہ جو دہلی کے مشہور پیروں میں سے ہے ان کا مرید ہے۔ ان سب فضیلتوں کے ساتھ سراپا درد مجسم دلِ نرم تھا۔ عشق و محبت میں ہمیشہ ڈوبا رہتا۔ اس کا سر کبھی شورش سے خالی نہیں تھا اور خوب صورت جوان اس کی نظر کے سامنے رہتے تھے اگر اس کے مزاج کی نزاکت اور نفاست کے ایک لمحہ کی بھی تفصیل لکھی جائے تو پورا دفتر درکار ہوگا۔ وہ شہرت کے شوق سے عاری تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ فارسی میں بہت شاعری کی ہے حالانکہ شعرا اس کی زبان میں بعض خامیوں کی نشان دہی کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعض اشعار بہت عمدہ ہیں اور لوگوں میں قبولیت رکھتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں۔ ایک مختصر

دیوان ترتیب دیا ہے اور "خریطہ جواہر" کے نام سے ایک بیاض جمع کی ہے۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شعر کے انتخاب کا بھی اچھا سلیقہ تھا۔ وہ تذکرے میں شامل بہت سے دوسرے شعرا کی طرح نہیں تھا کہ جن کو رطب و یابس چھانٹنے کی تمیز نہیں تھی۔ کبھی کبھی ریختہ کے شعر بھی کہتا تھا۔ ماہ محرم ۱۱۹۲ھ میں مسلک کی بنا پر تعصب رکھنے والے کسی بے درد، سفاک نے اس کو بے باکی سے شہید کر دیا۔ اس نے اپنا خون قاتل کو معاف کر دیا۔ میر قمرالدین منتؔ نے "عاش حمید امات شہیداً" اس کی تاریخ وفات کہی ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

لوگ کہتے ہیں موا مظہر بیکس افسوس　　　کیا ہوا اس کو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار

ہائے بس چلتا نہیں اور مفت جاتی ہے بہار

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو　　　یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے

مظفرؔ

مظفرؔ تخلص اور نام سید مظفر علی خاں ہے۔ سید قلندر علی خاں بہادر کا بیٹا ہے اور ممنونؔ کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

تجھ کو ہے پوچھتا تھا کل نزع میں مظفرؔ

آیا بہت ہے رونا ہم کو جو تو نہ آیا

معقولؔ

معقولؔ تخلص ہے۔ اس کے حالات ٹھیک سے معلوم نہیں ہوئے۔ یہ شعر اس کا ہے:- رقیبوں پر غضب ڈر ہم گئے ہیں

ہوا زخمی کوئی مرہم گئے ہیں

معنی

معنی تخلص اور نام محمد امین ہے۔ مشرقی علاقے کا رہنے والا ہے۔ تالاب میں اس کی موت واقع ہوئی۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

سرمۂ منظور نظر ٹھہرا ہے چشم یار کو
نیلا گنڈا ہی پہنایا مردم بیمار کو

معین

معین تخلص اور نام معین الدین خاں ہے۔ مرزا رفیع سودا کا شاگرد ہے۔ الٰہ آباد میں رہتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ہوں میں وہ دوانا کہ بہار آنے سے پہلے
زنجیر میں رکھتے ہیں معین مجھ کو جکڑ کر

معروف

معروف تخلص اور نام الٰہی بخش خاں ہے۔ یہ فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر کا چھوٹا بھائی ہے۔ مرزا عارف جان کا بڑا بیٹا ہے۔ مرزا عارف جان شرف الدولہ قاسم جان کے بھائی تھے۔ قاسم جاں ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر خدا اس کی اور اس کی اولاد کی مغفرت کرے، کے عہد کے بڑے امرا میں شمار ہوتے تھے۔ درویش فقیروں کی صحبت کے فیض سے اور ان کے حلقہ سے الحاق کر کے وہ ترک دنیا کی طرف مائل ہوا۔ شاعری کے فن سے بہت زیادہ محبت رکھتا تھا۔ ۱۲۴۲ھ یعنی ایک ہزار دوسو بیالیس ہجری میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ دو دیوان کا مالک ہے۔ جن مین اکثر و بیشتر رنگین خیالات اور دل نشیں مضامین ہیں۔ یہ اشعار اس کے پہلے دیوان سے منتخب کیے گئے ہیں:۔

اور تو باتیں بری چھٹ گئیں سب جیتے جی
آنکھ منڈے پر چھٹا ایک مگر دیکھنا

کی وصیت یہ کچھ ارمان بھری آہ کہ رات
سارے گھر کو ترے بیمار نے سونے نہ دیا

غیر روتے ہیں مری حالت پہ وہ تو یار تھا
دیکھ کر کڑھتا نہ آیا میرے گھر اچھا ہوا

آہ وہ کون تھا خدا مارا
جس نے اس سے مجھے لگا مارا

اس حوصلۂ زلف پریشاں کا ہوں عاشق
عشاق کا دل حال پریشان میں رکھنا

تھا شب وعدہ یہ احوال ہر اک کھٹکے پر
چونک پڑتا تھا کہ اب کے تو مقرر آیا

کر دیا تھا اس کے حسن حیرت افزانے یہ تنگ
بزم میں تصویر گویا میری جاتھی میں نہ تھا

کہتا ہے جب وہ ہنس کے ہے گریہ اختیاری
آتا ہے اور مجھ کو بے اختیار رونا

ہم سے کیا جان کریوں جان فرشتے لے جائیں
جب تلک بن کے نہ آئیں وہ اسی کی صورت

باغ ہستی میں کھلا گل یہ نیا میرے بعد
غیر سے وہ مرے پھولوں میں ملا میرے بعد

سینۂ پُر داغ کی دولت لیے جائیں گے ساتھ
مثل قاروں کچھ نہیں جائیں گے ہم یہاں چھوڑ کر

بچے کیا طائر دل ایسے صیاد ستم گر سے
جو ادنیٰ صید کی خاطر بچھائے دام سو سو کے

کعبہ میں مے پیا کیے ہیں یار
مسجد و خانقاہ ایک طرف

بات کا اپنی وہاں نباہ نہیں
دوستی کا نباہ ایک طرف

اسکے جلنے کی اگر کچھ بھی خبر رکھتے ہم
ایسے دیوانے نہ تھے گھر میں جو در رکھتے ہم

اٹھے جہاں سے ہم آتے ہی انکے اے معروف
غرض کہ ختم ہے بس اس سے اب سوا تعظیم

کہا جو میں نے کہ اس ناتواں کا سینے حال
کہا جو حال سناوے وہ ناتواں نہیں

سو گئے جو اس کے ہم دیوار کے سائے تلے
ہم کو اس تقصیر پر اس نے بٹھایا دھوپ میں

وضو کو مانگ کے پانی خجل نہ کر معروف
یہ مفلسی ہے تیمم کو گھر میں خاک نہیں

نہ تو سوجھے ہے نہ انکار کیا جاتا ہے
رگ جاں ہے کہ کمر کچھ ہمیں معلوم نہیں

کہے ہے مجھ سے کوئی تجھ کو یاد آیا ہے
کروں ذرا جو نہ اس بدگمان سے باتیں

یہ اوج خاک نشینی میں عشق نے بخشا
کرے ہے آہ مری آسمان سے باتیں

ڈبو دیا مجھے اس چشم تر کو کیا کوسوں
جلا دیا مجھے اس چشم تر کو کیا کوسوں

دیا ہے اپنے سے ظالم کو اس نے دل معروف
اب اور اس بت بے داد گر کو کیا کوسوں

آپ جس وقت رقیبوں کی قسم کھاتے ہیں ہم رقیبوں کے نصیبوں کی قسم کھاتے ہیں
اپنی آنکھیں باندھتا آئے نہ تجھ کو مجھ پہ رحم میری آنکھیں کس لیے باندھے ہے اسے جلاد تو
مئے کے پینے سے تو ہر چند نبا ہی توبہ پر مغاں سے یہ خجل ہوں کہ الٰہی توبہ

کیسی بے رحمی خدا نے اس کے جی میں ڈال دی
بات رونے کی مرے سن کر ہنسی میں ڈال دی
دیکھ کر رفتار اس خوش قد کی کہتی ہے نسیم
جان یہ کس نے تن سروِ سہی میں ڈال دی

جواب خط نہیں دیتا نہ دے جواب تو دے کہ قاصد آکے جو کچھ دے خبر شتاب تو دے
درد سر ہی ہو کے صندل لگانے کا دماغ اس کا اک گھسا لگانا درد سر یہ بھی تو ہے
کچھ تو سمجھ لیا ہے جو اس کو دیا ہے دل کیوں ناصحا عبث ہمیں سمجھائے جائے ہے
تو ایک مجھ سے کاش وفا کر کہ بعد ازیں مقدور کیا جو کوئی تجھے بے وفا کہے
لاغر ہوں یہ کہ سب سے باریک ہیں کہیں گر میرے دست و پا کو کوئی دست و پا کہے
دیکھی جو سب نے شدت وہاں بھی مری بکا کی کیا کیا ہنسی ہوئی ہے دیوار قہقہہ کی
عمر آخر ہو چکی قاتل نہیں ملتا کوئی کاٹ ڈالوں جی میں ہے اپنا گلا تلوار سے
وہاں زخم جگر پر بھی ترحم نہیں کرنے کیا فائدہ پھاڑا جو گریبان کسی نے
صید شاہیں کی طرح ہوں میں اسیر الفت ذبح کرتا ہے مجھے جو کہ چھڑاتا ہے مجھے
کس سے فریاد یہ میں جا کے کروں مثل سپند خوبرو جو ہے جہاں میں سو جلاتا ہے مجھے
گریہ و آہ و فغاں سے ایک دم فرصت نہیں ہم سمجھتے تھے محبت کام بے کاروں کا ہے
ہائے اس شوخ کا وہ روٹھ کے جانا معروف اور یہ کہنا کہ ہمیں اب نہ منائے کوئی
میرے مرنے سے ہوئی اس پر خلق میں نہ مرتا تو نہ مرتا کوئی
ہم تو جھوٹے ہیں محبت میں مگر امتحاں بھی نہیں کرتا کوئی
خرقِ عادت اپنے دیوانے کی دیکھ جس طرف کو وہ چلے پتھر چلے
بعد مرنے کے ملی میری سیہ بختی کی داد نعش کے ہمراہ تھا وہ موئے سر کھولے ہوئے

دم بدم پاؤں سے تو ہم کو نہ ٹھکرا چل جا
خیر ہم دیکھ چکے فندق پا اچھی ہے

کس کی چشم سرمگیں نے بے اجل مارا مجھے
سر پہ میرے جو قضا آئی تو شرمائی ہوئی

معروف اب تو دیکھتے ہو تم ہمیں غریب
ٹک منہ لگائے یار تو پھر ہم تو دیکھیے

دور جو بزم میں وہ آن کے بیٹھے ہم سے
کیا ہی پچھتائے کہ آگے سے وہیں کیوں نہ موئے

روٹھنے کو تو چلے روٹھ کے ہم وہاں سے ولے
مڑ کے تکتے تھے کہ اب کوئی منا کر لے جائے

ناتواں مجھ سے کو کس طرح کرے قاتل دو
ہوں میں وہ جزو کہ جو لا یتجزی ہووے

اس بڑھاپے میں بھی کم ہو دیں گے لہری ہم سے
سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہم سے

مغل

مغل تخلص اور نام مغل علی ہے۔ محمد عسکری کا بیٹا ہے۔ نسلاً کشمیری ہے یہ شعر اس کا ہے :-

خورشید جو نکلا ہے اس وقت یہ لرزاں ہو
کوٹھے پہ کھڑا شاید وہ ماہ لقا ہوگا

مغموم

مغموم تخلص اور نام میر حشمت علی ہے۔ حکیم عزت اللہ عشق کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

خیال چشم می گونمیں قدم مستانہ رکھتے ہیں
دوانے ہیں ہمارا نام جو دیوانہ رکھتے ہیں

مفتوں

مفتوں تخلص اور نام مرزا کریم بخش ہے۔ نسلاً گورکانی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

مفتوں خمار بادۂ شب ہو تو پھر پیو
ایک جام جا کے ساقی پیماں شکن کے پاس

مفلسؔ

مفلسؔ تخلص اور نام محب علی ہے۔ اس کا حال نام سے ظاہر ہے۔ رامپور میں عطر فروخت کر کے زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

آؤں تو لاکھ بار پہ درباں تیرے کہیں ‏ ‏ مفلس مجھے سمجھ کے نہ بے آبرو کریں

مقبولؔ

مقبولؔ تخلص اور نام مقبول نبی ہے۔ انعام اللہ خاں یقینؔ کا بیٹا ہے اسی شہر جنت نشان کا رہنے والا ہے۔ نثار اللہ خاں فراقؔ کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

دل گرفتاری کو اس زلف کی کب چاہے تھا
عشق نے ڈالی ہے یہ پاؤں میں زنجیر بزور

مقتولؔ

مقتولؔ تخلص اور نام ابراہیم بیگ ہے۔ نسلاً اصفہان کا رہنے والا ہے جہان آباد میں پیدا ہوا ہے۔ نظم کے جملہ فنون کا اکتساب غلام ہمدانی مصحفیؔ کی خدمت میں رہ کر کیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

میں یہاں خون رویا ہوں ہاتھوں سے ان کے
جو پاؤں میں اس کے حنا باندھتے ہیں

مقصودؔ

مقصودؔ تخلص، لکھنؤ کے بازاری لوگوں میں سے ہے۔ اس کی خرافات اس قابل نہیں ہیں کہ ان اوراق پران کا تذکرہ کیا جائے چونکہ یہ سب لکھا ہے

تو یہاں لکھا جا رہا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہو کیوں مشفق من
بوسہ وہ شے ہے کہ دونوں کو مزا دیتا ہے

ملاؔل

ملاؔل ساکنان لکھنؤ میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

موت آئی نہ سر شام جدائی مجھ کو ۔۔۔ سخت جانی نے عجب رات دکھائی مجھ کو

ملوؔل

ملوؔل تخلص اور نام شاہ شرف الدین ہے۔ درویشوں میں سے ہے یہ شعر اس کا ہے:۔

تری جدائی نے یہاں تک ہمیں ملول کیا
کہ زندگی کے عوض مرگ کو قبول کیا

مملوؔ

مملوؔ تخلص ہے۔ مؤلف کا صفحۂ دل اس کے حالات کے نقوش سے خالی ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

سرو سا قد گل سا چہرہ جب دکھایا آپ نے
قمری و بلبل کو آپس میں لڑایا آپ نے
مصحف رخسار پر رکھتی قدم ہے بار بار
زلف کافر کو عبث سر پر چڑھایا آپ نے

ممتاؔز

ممتاؔز تخلص ہے۔ فیض آباد کا رہنے والا ہے۔ سوؔدا کے شاگردوں میں

سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ہمارے رونے سے دل کا بخار اٹھتا ہے   کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے

ممنونؔ

ممنونؔ تخلص اور نام میر امانت علی ہے۔ عظیم آباد کے اچھے لوگوں میں سے ہے۔ علوم حاصل کرنے کے لیے دہلی تشریف لایا۔ مشاعرے کی محفلوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ میر فرزند علی موزوں سے اصلاح سخن لیا کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

اے وائے کہ تیرے لیے اس خاک نشیں کو
چوں باد لیے پھرتی ہے گھر گھر تپش دل

ممنونؔ

ممنونؔ تخلص اور نام نظام الدین ہے۔ سیدوں کے برگزیدہ خاندان سے ہے۔ قمر الدین منت کا بڑا بیٹا ہے۔ قصبہ سونی پت کا رہنے والا ہے کہ جو دار الخلافہ شاہ جہان آباد کے تابع علاقہ جات میں سے ہے۔ اس مبارک بنیاد والے شہر (یعنی دہلی) میں اس کی پیدائش اور پرورش ہوئی۔ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں ہی اس نے فنون کی تعلیم حاصل کی۔ عرصہ دراز تک لکھنؤ میں مقیم رہا۔ پھر طویل مدت تک حضور والا کے پایۂ تخت کے شاعروں کے حلقہ میں ممتاز رہا۔ بادشاہ سلامت کی سرکار سے 'فخر الشعرا' کا لقب پایا۔ آج کل اجمیر کے پہاڑی علاقہ میں رہ رہا ہے۔ اس کی گفتگو کا انداز نہایت دلچسپ اور دل کو لبھانے والا ہے۔ اس کے کلام میں بہت نمکینی ہے (یعنی دل کو کھینچتا ہے)۔ نادر مضامین کو شیرینی اور مزہ داری کے ساتھ باندھنے میں یکتا اور بے مثل ہے۔ اس کا دیوان دیکھا ہے اور اس سے انتخاب کر کے ان اوراق میں اشعار لکھ دیئے ہیں:۔

برا مانئے مت مرے دیکھنے سے / تمہیں حق نے ایسا بنایا تو دیکھا

اڑے سو شور محشر گرد ہو یہاں ایک جنبش میں
کیا تو نے غبار اسے چرخ ہم کو کس کے ارماں کا

قربان ناز نعش مری دیکھ کر کہا / گردن پہ کس کے خون ہے اس بیگناہ کا

ہاتھ میں جنبش محمل کی عناں ہے اپنے / ورنہ یہاں کس کو سر آبلہ فرسائی تھا

غموں کی گر یہی بالیدگی ہے تو آخر / دل گرفتہ نہیں سینے میں سمانے کا

صبح تک کیا کیا نہ مجھ کو تھیں سماجت ہائے شوق
رات رکھ کر روبرو صفحہ تری تصویر کا

لے لیا بوسہ تو اس نے دیں نہ کیا کیا گالیاں
یہاں گنہ سے بھی زیادہ ہے مزا تعذیر کا

بیتابی دل تیرے شہیدوں کی کہاں جائے / کچھ کم رگ بسمل سے نہیں تار کفن کا

رواں خوں ہے، چپ و راست دونوں آنکھوں سے / جگر کا فکر جدا سوچ ہے جدا دل کا

بخدا بندے کا وہ ہی خط آزادی ہے / نامہ اغیار کو گر اب کے رقم کیجئے گا

بدگمانی سے ڈرا ورنہ لیا تیرا جو نام / دیکھتا بوسے کی خاطر میں لب لالہ تھا

ممنون قضا نے ہم کو دیا کیا بغیر دل / سو وہ بھی نذر کاہش و تشویش ہو گیا

کس نے ترے سینے سے ملے دیدۂ تر رات / پژمردہ جو پھولوں کا سحر ہار نہ پایا

کیا سینۂ فرہاد نہ تھا تیشہ فولاد / یوں نقش جو شیریں کا سر سنگ پہ کھینچا

کس قدر شرح گراں باری غم لکھی تھی / کہ مرے نامے نے بازوئے کبوتر توڑا

ہائے رے بیکسی دامن و بے باری جیب / کہ مرا دست جنوں بستۂ زنجیر رہا

لڑتی بہم آنکھ موا سیر میں دل مفت / سمجھا تھا لڑائی کو یہ نادان تماشا

یہ سانس سے میلا ہو وہ آہ سے نہ ہو نرم / تن آئینہ ہے دل ہے مری جان کا لوہا

ہیں رواں ناقہ کے دنبال ہزاروں بیتاب / دیکھیو پردۂ محمل نہ اٹھانا اپنا

کچھ چاندنی سی ہے در و دیوار پہ مگر / مہماں قریب خانہ کوئی ماہ رو ہوا

تصور کس طرح تا صبح کس کس طرح یہاں باندھا
کبھی کھولی قبا گہ طرہ عنبر فشاں باندھا

ہاتھ سے تیرے یہ احوال ہے دلبر اپنا   دل نہیں ہاتھ میں اور ہاتھ ہے دل پر اپنا
اے فوجِ چاک اب سر تاراج کس لیے   تختہ تباہ تو مرے داماں کا ہو چکا
شغل شب فراق یہی تھا کہ دھیان میں   اک اک شکن گنا تری زلف دراز کا

دل میں جو جو ہے نکالیں وہ ذرا بول کے خوب
آج اس شوخ سے لڑ لیجئے دل کھول کے خوب

یوں کریں چارۂ بیماری اغیار وہ لب   یہ مرے درد کی ہوتی ہے دوا یا قیمت
آمد سے تری ہم پہ جو ہونی تھی سو ہولے   اب دغدغۂ حشر نہ پروائے قیامت
نہیں دیتی دکھائی صورت زیست   غضب صورت ہوں آیا دیکھ کر آج

میں نثار اس شوخ نے اپنی بلائیں آپ لیں
آئینہ میں زلف چھوٹی اپنے منہ پر دیکھ کر

یہ نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائے گا   ہم یہ سمجھے تھے چلے آئیں گے دم بھر دیکھ کر
توسن ناز کو یوں رخصت جولاں کب تک   کیا مرے زعم میں باقی ہے تری خاک ہنوز
خط پارہ پارہ کرکے دیا پھیر دیکھ لطف   میرے جواب خط میں ہیں بھیجے ہزار خط
شاید کہ جلئے طول سے وہاں خود بخود پہنچ   تحریر کیجئے جو بصد اختصار خط
قاتل ہی وہ نہ ہووے کہ ممنوں کی نعش پر   کہتا تھا اک جوان بہت بار بار حیف
خط نہیں جا چکا کہ گھبرایا   پھر رہا ہوں جواب کا مشتاق
یوں تو وہ ہے فرشتہ خو لیکن   ہے ذرا آدمی کشی کا شوق
مدت ہوئی کہ غرفے سے جھکے تھے وہ مذار   کوندی ہے برق سی طرفِ بام اب تلک
اس مرگ پر حیات فدا ہے کہ اس نے آج   بدھی کی اپنی خاک پہ میرے چڑھائے گل
تپش دل نے نہ چھوڑا کہ کبھی ہم اک بار   لائیں تسکیں کے لیے لب پہ ترا نام تمام
میں اس سخن کے تصدق وہ دیکھ آئینہ   یہ مجھ سے پوچھے ہے کیوں کیسے طرحدار ہیں ہم

جلاد کی میاں جنبش ساعد پہ نظر تھی　　کچھ ذبح کی ایذا دمِ بسمل نہیں معلوم
اس ذوق سے کہتے ہیں حدیث لب شیریں　　گویا ترے ہونٹوں ہی سے لیتے ہیں مزا ہم
پوچھیں گے گر آرزو دمِ ذبح　　جلاد ہی کو بتائیں گے ہم

یہ کہاں نصیب کہ آئے تو یہ خیال اپنے میں ہو بہو
ترا نقشہ کھینچ کے روبرو گلہ شکوہ دو دو پہر کریں
شب وعدہ چشم ہے راہ پر جو ذرا بھی کھٹکے کسی کا در
تو صدائے پا تری جان کر کہوں اب تلک تھے کدھر کہاں

کیا کہیے وہاں مزاج تو نازک ہے اور یہاں　　قصہ دراز بخت زبوں ہے زباں نہیں
ممنوں مباد آئے کہیں ہجر ناگہاں　　ناکامیوں سے وصل ہی میں آؤ خو کریں
نرگسی چشم کا سرمہ ہوں نہ دامن کا غبار　　خاک اپنی کو ترے در کے سوا جائے کہاں
درد دل تجھ سے سنا جائے و لیکن ظالم　　ہم سے یہ قصہ جاں سوز کہا جائے کہاں
بزم عشرت میں ہنسوں کیا کہ برنگ مینا　　بند منہ کرتے ہیں گر خندہ کبھو کرتے ہوں
ترے غم نے یہاں تک کیا بے مزہ　　کہ جینا بھی اپنا نہ بھایا ہمیں
ہنسنے ہی ہنسنے مل گئی بسمل کی آرزو　　تھی خوں بہا میں خندۂ قاتل کی آرزو
یوں رشک کہے کم جو وہاں رنگ حنا ہو　　ہاتھ اس نے کسی دیدۂ تر پر نہ دھرا ہو
اس مرگ پہ سو جاں مری صدقے کہ دمِ نزع　　گھبرا کے کہے تو کہ بس اب دیکھیے کیا ہو
آہ خلوت میں جو تنہا کبھی پاؤں تجھ کو　　جس لیے تجھ کو بنایا ہے دکھاؤں تجھ کو
کہیں جانا ہے تو جا چک اگر جاں بھی جائے　　نہ بلاؤں نہ بلاؤں نہ بلاؤں تجھ کو
باولا پن ہے تصور میں ترے ممنوں کو　　تو اگر آئے تو اک سیر دکھاؤں تجھ کو
شب ہم کو کشت و خون رہا فوج غم کے ساتھ　　سو حسرتیں شہید ہوئیں اپنے دم کے ساتھ
کون آتا ہے کہ سینے میں بیدار ہو گئیں　　صد آرزوئے خفتہ صدائے قدم کے ساتھ
مکتب میں بھی سبق تھا الف لام میم کا　　طفل ہی سے ہوا ہوں میں خوگر الم کے ساتھ
پاؤں ممنوں نے نکالے ہیں بہت دیکھو تو　　ہیں بھی اس شہر میں زنجیر بنانے والے

کس بت ہرجائی سے جا کر لگا گر ہاتھ آئے
دل کے سو ٹکڑے کروں اسکی یہی تعزیر ہے

غیر کو دے مے لعلیں مجھے چتون میں کہے
تو ذرا رشک سے خون دل بیتاب تو پی

اضطرابِ دل ذرا فرصت کہ لوں بوسے کئی
پھر لبِ معشوق سینے میں کسی کا تیر ہے

دل گرمیاں وہ ہم سے کہاں اب کہ آجکل
ہنگامۂ محبتِ اغیار گرم ہے

مہربانی کے تصدق لگ کے سینے سے مرے
یوں لگا کہنے کہ ممنوں آرزو کچھ اور ہے

رکھ دیجئے قلق میں دم تیغ پر یہ دل
لیکن خیال بوسۂ ابرو نہ کیجئے

مجلس میں تیری اور سے آنکھیں لڑائیے
کچھ پاس جنگ نرگس جادو نہ کیجئے

الجھیں صبا سے شانہ سے یا لپٹیں بار بار
بالوں کا تیرے شکوہ سر مو نہ کیجئے

بس حنا زور آزمائی ہو چکی
دلبروں سے ہاتھا پائی ہو چکی

رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی

تفاوت قامتِ یار و قیامت میں ہے کیا ممنوں
وہی فتنہ ہے لیکن یہاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

رخصت کے وقت ہوں تری گر پاک آدمی
رو دے ہے اس گھڑی کہ جسوقت بس چلے

جگر کے درد سے رنگیں نشانِ آہ کیے
دل شہید کے غم میں علم سیاہ کیے

دامن ہی جھٹکنے کا ہو وسواس کئی روز
گاہے غلطی سے جو مری خاک پر آئے

میں نامہ و پیغام سے گزرا کہیں یارب
کچھ قاصد بیچارہ کی اپنی خبر آئے

اس دست حنائی نے آنسو جو میرے پونچھے
حسرت سے لہو ٹپکا دو چار کی آنکھوں سے

ہوتی ہے پھر اغیار سے صحبت کی درستی
تھے عہد یہی عاشق غم ناک سے باندھے

اللہ رے فرط شوق جو اک دم ہو تو نہاں
بے طاقتی جھکائے ہے کس کس کا گھر مجھے

کون وہ چاندنی میں عطر لگا کر بیٹھا
آج کچھ چادر مہتاب میں خوشبو سی ہے

منیر

منیر تخلص اور نام وجیہہ الدین ہے۔ شاہ نصیر کا بیٹا ہے۔ بہت خوش مزاج

طبیعت کا آدمی تھا تعلیم یافتہ نہیں تھا اور نہ ہی تعلیم کی ضرورت سے واقف تھا چونکہ یہ سلسلہ بزرگوں سے چلا آرہا تھا۔ آغاز شباب میں ہی انتقال کر گیا یہ اشعار اس کے ہیں :۔

فرہاد سے کہتی تھی تیشہ کی زباں ہر دم — مغموم نہ ہو ناداں سنگ آمد و سخت آمد
اس باغ جہاں میں کبھی پھولے نہ پھلے ہم — چوں نخل چنار اپنی ہی آتش میں جلے ہم
بیان جور خوباں کل ترا بیمار غم سن کر — یہ کہہ کر مرگیا اک آہ بھر ایسے نہ ہوتے تھے
خون کی دھاریں چھٹیں دل سے ڈال فگار دل کے — رو نگٹے سن کے کھڑے ہوگئے فوار دل کے
غضب چہرہ پایا ستم آن پائے — تجھے پائے تصویر کیا جان پائے

منیر

منیر تخلص اور نام خواجہ آفتاب خاں ہے۔ سعادت یار خاں رنگین کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں — شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

منشی

منشی تخلص اور نام میر محمد حسین ہے۔ والد کا نام سید ابوالحسن عرف میر کلن ہے جو (کتابت میں) اپنے اچھے خط کی بنا پر اس شہر کے مشہور لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے بزرگوں نے اس شہر میں (یعنی دہلی) آکر سکونت اختیار کرلی تھی بعد میں لکھنؤ چلا گیا تھا اور حضرت مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی خدمت میں انشا پردازی پر مامور ہوا۔ شعرا کے ساتھ رہنے کی وجہ سے تھوڑی بہت شاعری بھی اس نے کی اور اسی مناسبت سے اس نے منشی کا تخلص اختیار کیا۔ (کتابت کے) خطوط کی عمدگی کے ساتھ اس کی شاعری بھی جانی پہچانی گئی۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

نہ پوچھ اس پری کے حسن کا عالم کہ آفت ہے
بلا شوخی غضب رفتار قامت ایک قیامت ہے
جو پوچھا اس سے لوگوں نے کہ منشی کون ہے بولے
مجھے کچھ یوں ہی اس سے دور کی صاحب سلامت ہے

منشی

منشی تخلص اور نام مول چند ہے۔ قوم کا کائستھ ہے۔ شاہ نصیر کے شاگردوں میں سے ہے۔ دہلی میں شاہ نامہ کے قصوں کو ریختہ میں منظوم کر چکا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

چشم ہے قہر بلا زلف قیامت قامت
اس لیے لوگ تمہیں آفت جاں کہتے ہیں

خواہش نہیں کہ ہاتھ مرے سیم و زر لگے
یہ آرزو ہے سینے سے وہ سیمبر لگے

منتظر

منتظر تخلص اور نام نور الاسلام ہے۔ اپنے بزرگوں کے طریقہ یعنی صداقت اور نیکی کی جانب اس کا رجحان ہے۔ تھوڑی بہت صرف و نحو کی مہارت رکھتا ہے۔ مصحفی کے چنیدہ شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہر دم خیال یار جو پیش نظر رہا
ہجراں میں بھی وصال ہمیں بیشتر رہا

کل شب وصل جو تھی کیسی مچائی تھی دھوم
بولتا آج نہیں مرغ سحر آخر شب

ہوئی تھی جامۂ یوسف کی بو گم
سو پائی تیرے پیراہن کے اندر

چاہت مرے دل کی آزما دیکھ
ظالم کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

طرف چمن نہ جا نہ سوئے لالہ زار دیکھ
تو آپ باغ حسن سے اپنی بہار دیکھ

دولت حسن ہے جس پاس اسے ہے یہ سوال
کچھ نہ لے اور نہ دے پر ہمیں نوکر سمجھے

کچھ نہ پایا جب نثار عید قرباں کے لیے
لے چلے ہم جاں بکف تب نذر جاناں کے لیے

مارا ہے کوہ کن نے سو اپنے پہ تیشہ ہائے   دل کو لگی ہو چوٹ تو کیا آدمی کرے

کیوں سیر لالہ زار کو اس بن گیا میں ہائے   جو تازہ ہو گئے مرے داغ کہن کئی

ہمارے جی میں تو ہے زہر کھا کے سو رہئے   ولے یہ ڈر ہے نہ تہمت سو یار پر اپنے

منتظر

منتظر تخلص اور نام شیخ امام الدین ہے۔ اکبر آباد کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔ جس گھڑی یار گلستاں کی طرف جاتا ہے

ہاتھ ہر گل کا گریباں کی طرف جاتا ہے

منعم

منعم تخلص اور نام قاضی نور الحق ہے۔ بریلی میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھا۔ اعظم الدولہ نے اس کی بہت تعریف بیان کی ہے۔ فارسی کے تسلیم شدہ شعرا میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کا علمی مرتبہ بھی خاصا اہم سمجھا جاتا ہے۔ یہ مطلع اردو شاعری سے خاص رغبت نہ رکھنے کے باوجود کہا تھا۔ یہ تذکرہ میں سے نقل کیا جا رہا ہے:۔

وہ نوک مژہ جیسی مرے دل میں گڑی ہے

ایسی تو کھٹکتی ہے کہ جینے کی پڑی ہے

منعم

منعم تخلص اور نام موہن لعل ہے۔ شاہ نصیر سے تربیت پائے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کہیں آیا ہے دلا آج قدیار نظر   کچھ قیامت کے سے آتے ہیں جو آثار نظر

وہاں اشارۂ ابرو مطلع ہلالی ہے   ہے یہی آہ کا مصرع مقطع فغانی یہاں

منصف

منصف تخلص اور نام منصف علی خاں ہے۔ قوم کا افغان ہے۔ نظام خاں معجزہ کے شاگردوں میں سے تھا۔ اپنے آبائی وطن عظیم آباد سے منتقل ہوکر شاہ جہاں آباد دہلی میں آکر بس گیا تھا اور یہیں چند سال قبل انتقال کرگیا۔ تنگ دستی کے باعث بچوں کو پڑھاکر گزر بسر کیا کرتا تھا۔ فارسی کی مشہور کتابوں کو پڑھانے کا اچھا سلیقہ رکھتا تھا۔ مشکل نکات کی کھوج اور باریک و دقیق معانی کا حل بھی استادوں کی صحبت میں رہ کر کرتا تھا۔ شعرگوئی میں خاص دخل نہیں تھا۔ فقیر کو بھی ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

گر عشق تیرا یہ ہے تو پھر دست جنوں سے
داماں رہے گا نہ گریباں رہے گا

خیال جائے ترا کیونکہ میرے سینے سے
جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینے سے

منّت

منّت تخلص اور نام قمرالدین ہے۔ قوم سید ہے۔ خاندانی اعتبار سے مشہد مقدس کا رہنے والا ہے۔ سونی پت میں اس کی پیدائش ہوئی اور جہان آباد دہلی میں پرورش پائی اور یہیں پر علمی فنون کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ سے طریقت میں بیعت لی۔ جتنے عرصہ وہ دہلی میں رہا۔ اہل سنت کے مسلک پر کاربند رہا۔ جب وہ لکھنؤ آیا تو شیعہ مسلک اختیار کرلیا۔ وہاں پر صاحبان دولت مند کی مدح میں قصائد کہے اور اچھے خاصے انعامات پائے۔ بعد میں کلکتہ گیا اور وہاں کے ناظم یعنی گورنر جنرل صاحب سے اس نے "ملک الشعرا" کا خطاب حاصل کیا پھر فوری طور پر حیدرآباد چلا گیا اور نواب نظام الملک کی سرکار سے ایک قصیدے کے صلے میں

دس ہزار روپے نقد اور جنس حاصل کر کے ذخیرہ کیے۔ پھر سفر اور سیر سپاٹے کے بعد لکھنؤ واپس آیا اور راجہ ٹکیٹ رائے کا مصاحب مقرر ہوا۔ اُنچاس سال کی عمر میں ایک تقریب کے سلسلہ میں اس کو کلکتہ جانے کا دوبارہ اتفاق ہوا تھا۔ (وہیں) اس نے دائمی اجل کو لبیک کہا اور وہ سال تھا ۱۲۰۸ھ۔ یہاں اس سے غلطی سرزد ہوئی کیونکہ اس کی موت بظاہر لکھنؤ میں لکھی تھی۔ فارسی زبان میں اس کو بہت مہارت حاصل تھی اور فارسی شاعری میں بھی بلا کی قدرت رکھتا تھا۔ اس کے خیالات ایک لاکھ پچاس ہزار اشعار پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کی مثنوی چمنستان سے دو تین اشعار جن میں اس نے اپنی تصنیفات کی تفصیل (یعنی گنتی)، بیان کی ہے، یہاں لکھی جا رہی ہے:۔

اس عمر میں دس مثنویاں لکھ چکا ہوں۔ نئی طرز اور نئے قاعدے بیان کیے ہیں۔ اگر میرے اشعار کی گنتی ہو تو قصائد کی تعداد سو تک پہنچ جائے گی۔ میرے غزل کے اشعار تیس ہزار ہیں۔ رباعیات پانچ سو تک شمار کی ہیں۔ نثر میں ایک یادگار کتاب شکرستان کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں بزعم خود سعدی کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی فکر سخن کرتا تھا۔ یہ اس کے اشعار ہیں:۔

گر اس لبِ جاں بخش کی میں بات سناؤں
عیسیٰ بھی جو کچھ بولے تو صلوٰۃ سناؤں

اس آنے کا کچھ ہے لطف پیارے ہر دم جو کہو کہ جائیں گے ہم
قدم رکھ گیا کون سینے پر اپنے گل داغ میں آج مہندی کی بو ہے
مدعی اس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے پھر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی ہے
تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھ کو منت ہاں یہ سچ ملنے کی خو الوگے تو اک خو بو ہے

موزوں

موزوںؔ تخلص اور نام میر فرزند علی ہے۔ سامانہ کا رہنے والا ہے شمس الدین

فقیر کے شاگردوں میں سے ہے۔ موزوں طبع تھا۔ تاریخ گوئی میں مہارت رکھتا تھا۔ لکھنؤ چلا گیا اور گویا وہیں کا ہو گیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہے محوِ آئینہ ساں سارا جہاں تیرا
منہ دیکھے کیوں نہ ہر اک اے میری جاں تیرا

شمع ہر بزم نہ ہونا ہرگز
دل جلوں کا بھی کیا کیجئے گا

اپنے کوچے کو خار بست کیا
یہ نہ جانا برہنہ پا ہیں ہم

سینہ و دل کو میں کرتا ہوں کدورت سے صاف
کس کی آمد ہے الٰہی کہ یہ گھر جھڑتے ہیں

نرگس کا پھول بھیجئے نامے میں یار کو
معلوم تا کرے وہ مرے انتظار کو

وابستہ محبت تھی پیماں کی درستی پر
دل ٹوٹ گیا میرا تم عہد شکن نکلے

پھول جھڑتے ہیں ترے منہ سے مری آنکھوں سے
حسن اور عشق کی کیا خوب گل افشانی ہے

موزوںؔ

موزوںؔ تخلص اور نام چھتر سنگھ ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ قوم کا کائستھ ہے۔ خود کو مادھو رام کا نواسہ بتاتا ہے کہ جس کی تحریریں چھوٹے بچوں کے لیے ہیں۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

بیت ابرو کو تری دیکھ کے اے مطلع حسن
جو ترے کوچے سے نکلا سو غزل خواں نکلا

موجؔ

موجؔ تخلص اور نام خدا بخش ہے۔ مشہور مغنیوں میں سے ہے۔ اکبرآباد میں رہتا تھا اور اپنے فن میں اچھی مہارت رکھتا تھا۔ بیشتر دہلی میں رہا ہے۔ کئی بار میرے پاس آیا۔ خوش صحبت اور ظریف انسان تھا۔ چند سال قبل لکھنؤ میں انتقال کر گیا۔ موزوں طبع تھا۔ کبھی کبھار شعر بھی کہہ لیتا۔ یہ شعر اس

کا ہے:- لاکھوں کٹوا دیئے سر آن میں ہنستے ہنستے
اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مونس

مونس تخلص اور نام حکیم سعادت علی ہے۔ سادات کرام میں سے ہے۔ بنارس کا رہنے والا ہے۔ نیک طینت اور لطیف طبع، ہنستے ہوئے چہرے اور پرمذاق طبیعت کا انسان ہے۔ بلند شہر میں ایک تقریب میں میری ملاقات ہوئی تھی بلکہ دونوں جانب سے محبت اور دوستی کی راہیں ہموار ہوئیں۔ بیحد شفا والا طبیب ہے کبھی کبھی شعر گوئی کیا کرتا تھا لیکن اب مطلقاً شعر گوئی کی جانب توجہ نہیں ہے۔ پھر بھی جو بعض اشعار اس نے کہے اور سنائے۔ تذکرہ کے طور پر ان میں سے ایک شعر لکھا جا رہا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-

زمان جوش گریہ ہچکیاں لینے لگا مونس
خلل انداز ہے اب نالہ شب گیر میں آنسو

مومن

مومن تخلص، شعر گوئی کی کان کا لاقیمت ہیرا، معانی کے سمندر کا نایاب موتی، شاعری کی سلطنت کا بادشاہ، اس فن (یعنی شاعری) کا درجہ بلند کرنے والا، ہوش و خرد کی شراب کا جام گردش میں لانے والا، دلکش اور دل کو بھانے والے نغمات کا مغنی، پیچیدہ معانی کے بلند مقام کا مالک، بیان کے جملہ اوصاف کا آفتاب، نکتہ دانی کا آسمان، زمانے کے نشیب و فراز کے اسباب کا جاننے والا، فلسفہ کو پروان چڑھانے والا شاعر، بات کو واضح کرنے والا، فلسفی اپنے عہد کا بے مثل، اپنے وقت کا بے مثال، بہت سے فنون (کو اپنی ذات میں) جمع کرنے والا، حکیم محمد مومن خاں جن کو اللہ نے مختلف فنون

میں کمال حاصل کرنے کی خوب استعداد عطا کی ہے۔ انھوں نے کمال مہارت اوراس کے لیے استعداد کو اپنے نفس میں بخوبی سمو لیا ہے اور یہی وجہ ہے ان کے گلستانِ دل کے چشموں سے بے پناہ علم وفضل کے دریا جاری ہیں بڑے اور نامور خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے فضائل اور عظمتیں حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔ اس کی بڑی بڑی خوبیوں اور پوشیدہ کرامتوں کا شمار تحریر کے بس کی بات نہیں ہے اور ان وجوہات کی بنا پر یہ مختصر تحریر ہرگز کسی تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی کیونکہ میری لکنت والی زبان پر مرغ گلستاں کا نغمہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے اور یہ میرا ٹیڑھا میڑھا بیان گویا خوش آواز طوطی کی بندھی ہوئی منقار کی گریہ گفتاری ہے گذرے ہوئے لوگوں کی داستانیں کہ جو بڑے طمطراق سے دنیا کے گوش گزار ہوئی تھیں۔ جان بوجھ کر سب نے بھلادی ہیں اور بیشتر لوگوں کی کہانیاں کہ جو ہزار دھوم دھام کے ساتھ اوراق زمانہ پر نقش ہیں بھولے سے یاد نہیں آتی ہیں۔ عربی ضرب المثل ہے کہ مالا یدرك کلمه لا یترك کلمه یعنی جب سب کچھ نہ پاسکے تو سب کچھ ترک بھی نہ کردے۔ ان اشعار سے نشان ملتا ہے کہ کمالات کے حساب سے ان کی شاعری جس میں غضب کا تنوع ہے دراصل دوہرے مرتبہ کی حامل ہے۔ لیکن چونکہ بات اس فن (یعنی شاعری) کی ہے بیجا ورگردانی نہ کی جائے (تو صاف نظر آتا ہے) کہ اس کی جادو جگانے والی زبان سحر کو معجزہ کے درجے پر پہنچاتی ہے اور اس کی دل پذیر شاعری میں اختصار طوالت کے ہم پایہ ہوتا ہے (یعنی کوزے میں دریا بند) اس کی موتی لٹانے والی طبیعت سے (بصورت اشعار) قطرہ ہائے نیسان کی بارش ہوتی ہے جس سے مفلسوں کی جیبیں، آستینیں اور دامن جواہرات سے بھر بھر جاتے ہیں۔ وہ جب بہار کا خیال باندھتا ہے تو اس کی پھول بکھیرنے والی طبع چمن چمن پھول کھلا دیتی ہے اور دیکھنے والوں کے سامنے باغ جنت جلوہ دکھانے لگتا ہے۔ وہ یکتائے علم

اپنی انوکھی جنبش کے ساتھ ماہتاب کے مانند رواں ہے اس کی شمع فکر کی روشنی سے نامحسوس ذرات اس طرح روشن نمایاں اور قابل اعتناد ہو جاتے ہیں جیسے خورشید عالم تاب کی ضیا کے انعکاس سے لاتعداد ستارے چمک اٹھتے ہیں اس کے سامنے کائنات (شعر) کو زینت بخشنے والا انوری نبات النعش کے کے ایک ستارے سُہا کے مانند (کم قیمت) ہے اور اس کے دربار میں خداوند فریدون نژاد خاقانی ایک ادنیٰ درجہ کا خادم ہے اور اس کے خوان نعمت کے بہت سے وظیفہ خواروں میں سے ایک ہے اور بوفراس اس کے میدان تکریم میں اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلنے والوں میں سے ایک ہے۔ وہ لوگ کہ جو بڑھ بڑھ کر اور زور شور سے ہمہ دانی کے دعوے کرتے ہیں۔ اس جناب کے روبرو، ہیچ مدانی کے نغمے الاپتے نظر آتے ہیں اور فصاحت کے دعوے دار اس کے سامنے لب بند رکھتے ہیں اور اگر زبان کھولتے بھی ہیں تو ہکلاتے ہیں اور ان تمام بیان کی گئی صفات کے باوصف کی محرکت سے تحریک پائے بغیر فکر سخن نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ اس کی بیشتر شاعری اس گنہ گار کی خواہش سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور اس کے افکار (اشعار) کی تدوین کا باعث بھی یہ فقیر ہوا ہے۔ اس (دیوان مومن) کا دیباچہ کہ جو میرے قلم کی ریختہ ہے۔ اس میں تفصیل کے ساتھ اس ماجرے کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور آج کل اس کی توجہ ریختہ کی نظم پر کم ہے۔ کبھی کبھی جادو جگاتا اور سخن فہموں کی مسرت کا سامان کرتا ہے (یعنی شعر کہتا ہے) لاتعداد زبانیں کہ جو خاموش اور مردہ پڑی تھیں۔ یکایک زندہ ہو کر نعرہ ہائے تحسین بلند کرتی ہیں۔ فقیر کا خیال ہے کہ محض اپنی شاعری کے زور پر کوئی اور کم ہی اس طرح کھڑا ہوا ہے۔ شاعری کی ہر صنف میں اس کو جیسا مرتبہ حاصل ہوا ہے کسی اور کو ایک صنف میں بھی میسر نہیں آیا ہے اور دو زبانوں کے آپسی اختلاف کے باوجود دونوں زبانوں پر اس کو اس درجہ مہارت حاصل ہے کہ ایک جانب فارسی والے خود اس درجہ مہارت کے انکاری ہیں

تو دوسری جانب ہند والے اس شرف پر ناز کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان اور اس کی زبان سے نسبت رکھتا ہے۔ مناجات کرنے والے اور مدح خواں اس کی ستائش کرتے ہیں اور اپنا مانتے ہیں۔ میکدے والے اس کو اپنوں میں شمار کرتے ہیں۔ ملا ظہوری ترشیزی نے تین سو سال پہلے یہ شعر ان کے ہی خصوص میں کہا تھا اور شاید ان کی اتنی مسلسل خوبیوں کے باعث ہی بعض حضرات شک و شبہ کی لمبی سانسیں کھینچتے ہیں یا پھر اس طرز کی گفتگو کے پس پردہ کچھ اور غرض رکھتے ہیں۔ ان کے لیے عربی کی یہ کہاوت کہی جا سکتی ہے: لا بل ھکذا الا رتبته فیہ (یعنی یہ ایسا ہی ہے اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔) اگر خدا کی عطا کردہ تھوڑی بھی عقل تیرے پاس ہے تو آ اور اس کے دیوان پر نظر ڈال اور اس کے آئینہ میں میرے جھوٹ سچ کی پرکھ کر اور انصاف کی بات بول۔ اپنی ولادت کے دن سے آج تک جہان آباد (دہلی) اور اس کے باشندگان سے محبت کے باعث وہ (یعنی مومن) کسی طرف نہیں گیا۔ رنگین مزاج دوستوں کی صحبت اور شاہدان شیریں کی ملاقات میں وہ اپنی عمر خوش خوش گزار رہا ہے اور اس کا دیوان تمام اصناف سخن سے بھرا ہے اور اس میں متعدد مثنویاں ہیں جن میں سے ہر ایک رشکِ گلشن اور غیرتِ چمن ہے۔ اس تمام کو دوبارہ سے دیکھا گیا اور اس میں سے انتخاب کرکے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا تیرے ہی کمر کا سا

محوِ مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

خواہش مرگ ہوا تنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

کیونکر امیدِ وفا سے ہو تسلّی دل کو
فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں سارے
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا

دعویِ تکلیف سے جلّاد نے
روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں ہوا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجران کا بلا ہو گیا

ساتھ نہ چلنے کا بہانا تو دیکھ
آکے مری نعش پہ وہ رو گیا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

تو فلک مرگ ہم سے سب غافل
اب کسی کا آسرا نہ رہا

سوئے صحرا لے چلی اس کو سے مری نعش ہائے
تھا یہی ڈر ان دنوں تلوار اٹھائے تھا

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

نقدِ جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق حیف
خونِ فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا

چھوٹنا دامِ شکستہ سے بھی آساں نہیں
میں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا

کشتۂ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

کیا تم نے قتلِ جہان ایک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

وہ کرتے ہیں بے باک عاشق کشی یوں
نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا

اُلجھا ہی نہ پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

مہِ نو بن گئی ہم لو لِ شب ہائے جدائی سے
کہاں تک دیکھیے وہ حسنِ روز افزوں ٹھہرے گا

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

روزِ جزا جو قاتلِ دل جو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

پھرنے سے شام وعدہ تھکی یہ کہ سو رہی
آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیوں ہوئے
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

دیکھا نہ ہی رشک حسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا

ہوں کیوں نہ محوِ حیرتِ نیرنگ ہائے شوق
جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا

خود گلا کاٹ مواجب کہ میں بسمل نہ ہوا
ان کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا

کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آجاتا
شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

بے خود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئی لاش پہ
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا

دشنام یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

بدکام کا مآل بُرا ہے جزا کے دن
حالِ سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آجائے گا
دو مبارک باد اب کے یار ہرجائی ملا

واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں
ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

بوسے دم غضب لیے اُلٹی سمجھ تو دیکھ
بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا

بجلی گری فغاں سے مرے آسمان پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

بر میں عدو کے سوئے بغل سے مری اٹھے
وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا

دکھلا رہے گی جلوہ نزاکت کہاں انھیں
دشوار چاک پردۂ حائل کو تھامنا

یہ زلف خم بخم نہ ہو کیا تاب غیر ہے
تیرے جنون زدے کی سلاسل کو تھامنا

آغوش گور ہو گئے آخر لہو لہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا

دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا

تھا روز نخستین غم شب ہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلا اپنا

اس حال کو پہنچے تری قصہ سے کہ اب ہم
راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلا اپنا

راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

یہ کاہ ربا سے بھی ہیں کم اے کشش دل
مذکور کچھ ایسا پس چلون ہے ہمارا

آغشتہ بخون دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
اُلٹے کف جلا دیں دامن ہے ہمارا

چشمۂ حیواں بنا اس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی بسکہ اعجاز مسیحا ہو گیا

ہٹ گیا ہوگا دوپٹہ منہ سے سوتے میں کہیں
شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہو گیا

یہ کسی سے ہو کر ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو
غیر ہم سا کب ہوا ہر چند ہم سا ہو گیا

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

نو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہو گیا

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

شعلۂ دل کو ناز تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا

کیا پوچھتا ہے تلخیٔ الفت میں پند کو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جاں کہا گیا

بوئے سمن سے شاد تھی اغیار بے تمیز
اس گل کو اعتبار نسیم و صبا گیا

وہ ہنسی سن کے نالۂ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

آفریں دل میں رہی خنجر دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھری تو وہ بھری
کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

کیا شاد شاد ہوں کہ وہ ہے تلخ کام تر
میری جو شورشوں نے عدو کو مزا دیا

مٹی نہ دی مزار تلک آ کے سپہ بھی
کہتے ہیں لوگ خاک میں اس نے ملا دیا

دی تسلی تو وہ ایسی کہ تسلی نہ ہوئے
خواب میں تو مرے آئی وہ مگر آخر شب

سجدے پہ سر قلم ہو دعا پر زباں کٹے
گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

رکھے ہے سر اپنے زانوئے نازک پہ شوق سے
تیرا مریض عشق بہت ناتواں ہے اب

چشم غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا
جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہے لب تلک
کہتے ہیں اپنی نالی کو ہم نارسا عبث

اے روزِ حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں — بدنام ہوں جہاں میں تیری بلا عبث
مانع قتل کیوں ہوا دشمن — جان ہی جائے گی ہماری آج
مومن آکیش محبت میں کہ ہے سب جائز — حسرت حرمت صہبا و مزامیر نہ کھینچ
خو رنج رشک غیر کی بھی ہم کو ہو گئی — اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح
مر جائیں کہیں کہ تو غم ہجر سے چھوٹ جائے — کہتے تو ہیں بھلے کی وہ لیکن بری طرح
توبہ کہاں کدورت باطن کی ہوش تھی — غش ہو گیا میں رنگ مئے ناب دیکھ کر
شوقِ وصال دیکھ کر آیا عدو کے گھر — سوجھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر
زلف مشکیں میں کاہے کو رکھتے — کیا خبر تھی انھیں فگار ہے دل
ناتواں تھی پر نہ چھوڑا مثل خار — خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
جوش وحشت نے اٹھایا لاش کو — اپنے پاؤں سے مدفن سے ہم
وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال — مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم
وہاں چھوٹا گلے لگنا کہ شوق ہمکناری میں — لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم
مجھ سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا — انصاف کیجیے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم
بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے — شاید شکایتوں پہ ترے مدعی سے ہم
اس کو میں جا مریں گے مددائے ہجوم شوق — آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم
کھا کھا کے زخم سوئے نمک زار پر دریغ — کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم
خنجر تو نہ توڑ سخت جانے — پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم
گر ہے دل غیر نقش تسخیر — تو تیرے لیے جلائیں گے ہم
آب و ہوائے ملک محبت راس نہیں ہے ہم کو تو — ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں
وہ جفاکش ہیں اے فلک کہ کیا — اس ستم گر نے انتخاب ہمیں
اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں — ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں
لاش پر آنے کی شہرت شب غم دیتی ہیں — اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
کیا دوا سے ہو ترے رنجش بے جا کا علاج — چارہ گر کیوں مجھے رنج پی ہم دیتے ہیں

کیا تری روتی ہے اے پردہ نشیں چوں بیمار
بد دعائیں ترے چلوں کو جو ہم دیتے ہیں

خون بہا قاتلِ بیدرد سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یہاں داغ درم دیتے ہیں

دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں

ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں
عرض عاشق کی پذیرائی نہیں

نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میری نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو ہووے بھی گر فریاد بیکس میں

ذرا سمجھو تو جان من وصال غیر پر ہر دم
مری جان کو ہے کس کی جھوٹی کھاتی ہو قسمیں

گو یہی شوق شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافرِ دل جو ہمیں

یار جسے یاد دشمن جاں تھے الٰہی چارہ گر
لے چلی مرتی ہے زنداں سے سوئے صحرا ہمیں

اضطراب شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانب چلوں نظارہ دمبدم کیوں کر کریں

یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جانکو تم
کہ روز پردۂ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

ہے جلوہ ریز نور نظر گر وہ راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

مت کیجیو دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں

جانے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہوں مرے حال تباہ میں

ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کی رشک سے
اتنا کچھ آگیا خلل اپنے نباہ میں

شیریں پہ طعن تلخیٔ فرہاد کس لیے
مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

تا نہ پڑے خلل آپ کی خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب دراز میں

ان سے اب التفات کی غیر کو ہے شکایتیں
سن کے مرا مبالغہ منت احتراز میں

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقش پا نہ ہو
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

بے التفاتیاں جو عدو سے سنیں نہ تھیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جور و ستم نہیں

عاشق کشی ہے شیوہ اگر بلہوس سہی — آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں
دامنِ قاتل کو وقتِ قتل کیونکر چھوڑتا — بیکسی سی جان تھی اپنی کفن کی فکر میں
گر یقینی وہاں دعا ہوتی ہے اے مومن قبول — جائیں گے کعبہ بھی طفلِ برہمن کی فکر میں
بسکہ بن آئی مر گئے ہم شبِ انتظار میں — دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں
مرگ ہے انتہائے عشق یہاں ہے ابتدائے شوق — زندگی اپنی ہو گئی رنجش بار بار میں
تھا قلق بر تُر سہی دشمنِ جاں شبِ فراق — کاٹ کے اپنے سر کو ہم پہنچتے ہیں کنار میں
اس بت کو ترکِ دین سے نہیں مومن اعتماد — کیونکر نہ میں شکایتِ اغوائے دل کروں
دیکھا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا — بخت تیرے عاشقوں کی نارسا کہنے کو ہیں
میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات — ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں
غیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ — آرزوہائے دلِ رشک آشنا کہنے کو ہیں
نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپشِ دل کہ ابھی — روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں
اے اجل کاش الٹ جائیں شبِ ہجراں میں — وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں
آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ — اشکِ شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں
محضرِ قتل ہے مکتوب گنہ گاروں کا — سرِ قاصد کو وہ فتوی سے قلم کرتے ہیں
وہ ہے بغل میں تو بھی یہاں نیند اُڑ گئی — یہ سوچ ہی گیا نہ ہوا عدا کی خواب میں
ان نالہائے شب کا اثر صبح دیکھیو — آیا خلل گر اس ستم آرا کی خواب میں
کشتۂ غیرت تری پانی چرانے سے ہے غیر — مرتے دم پاتا ہوں ذوق خود دشمن آب میں
نہ چاہوں روزِ جزا داد یہ ستم دیکھو — کب آزماتے ہیں جب وقتِ امتحاں نہیں

ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش — گویا کہ میں ان کا مدعا ہوں
ربط اس سے ہے مثلِ شعلہ و شمع — مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں
اس کو میں نہ چھوڑ جائے مجھ کو — ہر چند عدو کا نقشِ پا ہوں
اس نام کے صدقے جس کی دولت — مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں
کیا کیجیے کہ طاقت نظارہ ہے نہیں — جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی
لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھے ہمارے خاک سے بھی کچھ بخار سے

شبنم خراب مہر وشاں سینہ چاک ماہ
تو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں

کیسی گلی رقیب کی کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

نہیں منظور اگر بلہوسی کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو

رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بار عام پہ
دن کو ہی مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پہ رات کو

یاد دلوادی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چین ہائے بستر رات کو

مجلس میں میرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامی عشاق کا اعزاز تو دیکھو

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطر نامہرباں کو

پسینے کی جگہ آنے لگا خون
چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو

ہمارا غش تو کیا مر جائیں تو بھی
نہ کھولی طرۂ عنبر فشاں کو

سمجھتا کیونکہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے رازداں کو

دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

مومن تم اور عشق بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

گو آپ نے جواب برا ہی دیا وے
مجھ سے بیان نہ کیجے عدو کے پیام کو

یہاں وصل ہے تلافی ہجراں میں اے فلک
کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
پھر کون وارثوں کی سنے اذن عام کو

سنگ اسود نہیں ہے چشم بتاں
بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ

شکست رنگ پر ہنستے ہیں ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انہیں وقت خمار آئینہ

مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ

کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو
ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکین یہ

الٹے وہ شکوہ کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کی طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے
کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

تھی وعدے سے پھر آنے کی خوش یہ خبر تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ

میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پاؤں سے سو ہاتھ

ہے دست مرے نبض کی تف سے ید بیضا
یہ معجزہ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ

ہنگام وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے
کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ

جوں شاخ گل اے جوش جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

ہم اور یہ بدعت تپش دل کے سبب سے
مومن مرے سینے پہ رہے بعد فنا ہاتھ

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کی جوڑ دیکھ

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے

بس بس نہ کرو بات کہ یاد آئی ہے مجھ کو
ناصح سے جو کچھ بیخودیوں میں بھی سنا ہے

توبہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ
یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے

آزردۂ حرمان ملاقات نے کیا
یعنی کہ نہ ملنا ہے نہ ملنے کی سزا ہے

پرہیز سے اس کی گئی بیماری دل آہ
بے گانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

میں ترک وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کیں تجھ سے جو لے دشمن ارباب وفا ہے

مومن نہ سہی بوسۂ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی
خبر ہے نعش پر اس بے وفا کے آنے کی

ہے ایک خلق کا خوں سر پر اشک خونیں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

سمجھ کے اور ہے کچھ مر چلا میں اے ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آ جائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آ جائے

کر ذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آ جائے

باندھو اب چارہ گرو چلے کہ وہ بھی شاید — وصلِ دشمن کے لیے سوئے مزار آجائے
ٹھہر جا جوشِ تپش ہے تو تڑپنا لیکن — چارہ سازوں میں ذرا دم دلزار آجائے
قصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر — بہہ گیا خوں دیدۂ خونبار سے
مت کرو کنگھی نہ یہ دردِ حنا — دل چرالے طرۂ طرار سے
کر نصیحت گر میں سچ ہوں سادہ لوح — تو نہ نبھے گی خوب اس عیار سے
وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر — تو نے پوچھا ہوئے گا تکرار سے
جا بجا نہریں ہیں جاری میں نے اشک — پونچھے ہوں گے دامنِ کہسار سے
لاغری سے زندگی مشکل ہوئی — ہے گراں تر جان جسمِ زار سے
کر علاجِ جوشِ وحشت چارہ گر — لا دے ایک جنگل مجھے بازار سے
چھڑکے ہے کان ملاحت لوں کیا — خود لپٹ جا سینۂ افگار سے
حسن روز افزوں پہ غرا کس لیے اے ماہرو — یوں ہی گھٹتا جائے گا جیسا کہ بڑھتا جائے ہے
پونچھے آنسو وارثوں کے کیا کروں ہائے ہائے — داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے
اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو — ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے
پندگو ہے یہ تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون — اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے
شکوۂ دشمنی کریں کس سے — وہاں شکایت ہے دوستداری کی
تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں — اور بن جائیں گی تصویر جو حیران ہوں گے
غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آہوئے حرم — کیا کہیں اس کے سگِ کوچہ کے قربان ہوں گے
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس — ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے
تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا — سایہ سے مرے وحشت اے رشکِ پری اتنے
کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے — یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری اتنے
بے پردہ پس چلوں یکبار تم آ بیٹھے — ہے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنے
کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے — ہے ہے مری الفت سے ہے بے خبری اتنی
پامال ایک نظر میں قرار و ثبات ہے — اس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے

پیغامبر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

کیونکر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زر جان کے زکات ہے

مجھ کو مارا مرے حال متغیر نے کہ ہے
کچھ گمان اور ہے دھڑکے سے دل مونس کے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

جو مر جاتا تو یہ دکھ کا ہے کو سہتا اگر آہیں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

گر تصور سے ہو ہم بزم تو بے تاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

ذکر کر بیٹھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

سنا اس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا ہے فایدہ کیوں غل مچاتا ہے

نہ کرتے تھے نصیحت اس کے بیٹھے پر قیامت ہے
عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنے اٹھاتا ہے

خیال خواب راحت ہے علاج اس بد گمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانا ہلاتا ہے

کیوں ہے رنگ زرد پر گلگونہ اشک سرخ کا
کس لیے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے

اے قیامت نہ آئیو جب تک
وہ مرے گور پر نہ ہو جائے

رشک دشمن کا فایدہ معلوم
مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے

وفائی غیرت شکر جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بلہوس گذری

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کے ذلت و خواری سے تم کو شان لگے

میں اور اس کو بلاؤں گا روز حشر میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگے

دمبدم رنگ ہے تغیر مرا حیران ہے
رنگ کیسا مری تصویر میں بہزاد بھرے

دیکھا عذاب رنج دل زار کے لیے
عاشق ہوئے ہیں دم کے آزار کے لیے

لی تو ہے بھیجدے کوئی پیغام تلخ اب — تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے
عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آجاوے — ملادی خاک میں یہ تو بھی شکر آسماں کیجیے
عذاب ایزدی جانکاہ ہے مانا بس اب مومن — خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجیے
اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے — نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
کہاں تلک گلہ ہائے تغافل قاتل — ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے
جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا — اب آگے ہو نہ ہو امید انفصال تو ہے
تسلی دم واپسیں ہو چکے — ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکے
وہ ہم دوش ہوگا کبھی تو غیر سے — مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکے
خیال اجل سے تسلی کروں — وہ طاقت بھی جان حزیں ہو چکے
چشم خونبار مری آپ نے تلوؤں سے ملی — ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے
ہوکے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں — وہی کھوئے کو   خفا ہوتا ہے
جاں بلب ہوں خبر وصل سنادے قاصد — لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے
وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں — عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے
کھلائے نہ کیوں سرمہ گو سالے کو — خجل سامری چشم پُر فن سے ہے
کیونکر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے — کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کرینگے
ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں — اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے
گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے — گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے
توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے — وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا سو کریں گے
گر حسن گلو سوز نے پھر آگ لگائی — کیوں آب دم تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے
تھی بدگمانی اب انھیں کیا عشق حور کے — جو آکے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے
بیزار زندگانی کا جینا محال تھا — وہ بھی ہماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے
واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں — عالم شب وصال کی آنکھوں میں چھا گئے
رشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے — میں نے ہی تم سے بے وفائی کی

آئے وہ دست غیر میں دیئے ہاتھ
آس ٹوٹی شکستہ پائی کی

مر گئے پر رہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی

روز جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہم سخن رقیب کو اُس کم سخن سے ہے

کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگین دلی کا پاس
سب کاوشِ رقیب بجا کوہکن سے ہے

ان کو گمان ہے گلۂ چین زلف کا
خوشبو دہانِ زخم جو مشک ختن سے ہے

رشک پری کہے سے عدو کی یہ وحشتیں
نفرت بلا تمہیں مرے دیوانہ پن سے ہے

یارب ان کا بھی جنازہ اٹھے
یار اس کو سے اٹھاتے ہیں مجھے

شعلہ رو کہتی ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

جان گئے پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے

اس دہن کو غنچۂ دل کیا کہوں
ڈر لگے ہے مسکرانا چھوڑ دے

ناتوانی سے نزاکت ہے زیاد
مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے

شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے
زبان تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ
کہ خو ہو گئی ہے سدا کہتے کہتے

وہ مٹا دی نامۂ مضمون وصل
گر ہو خطِ کاتب تقدیر سے

یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہے تقریر سے

دوستو لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے
سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے

کام جز الفت نہیں اے کاتب اعمال یہاں
فایدہ حرف مکرر کی بھلا تحریر سے

اے فسوں گر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل
دیکھنا بھی چھٹ نہ جائی سرمۂ تسخیر سے

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں از رنگ عشق
نو بنو جلوے ملا لو رنگ کی تغییر سے

ہو گئی ساری زمیں صرفِ حروفِ نو رقم
ایک جہاں ویران ہے میرے نامے کی تحریر سے

کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا
اب تو باندھوں گا میں ناصح اسکو بھی زنجیر سے

کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعدِ قتل بھی
ہو گئی کتنی مرے نام آوری تشہیر سے

ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جانکنی
دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

میرے لکھے کو مٹایا آپ نے اچھا ہوا
تھا شگون ہے مدعا یہاں نامہ کی تحریر سے

ایسی نازک کی شمایل کیوں نہ دل میں نقش ہو
کھچ گیا سینے پہ نقشہ غیر کی تصویر سے

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہے
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

نالہائے بلہوس نے کھو دیا آزار شوق
لو ہم اچھے ہو گئے درمان بے تاثیر سے

بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے

مہر

مہر تخلص اور نام رجب بیگ ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

میں جاں بلب ہوں رونے دے اے نکتہ چیں مجھے
آیا ہے یاد خالِ لب نازنیں مجھے

مہر

مہر تخلص اور نام منشی مہر چند ہے۔ فرخ آباد کا رہنے والا ہے۔ بیشتر لکھنؤ اور اکبر آباد میں رہا۔ اس کی عمر کا زیادہ تر حصہ مختلف مواضع کی تحصیلوں میں بطور پیشکار گذرا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

اے کمان ابرو جہاں جاتا ہوں وہاں تیرا خدنگ
پہنچتا ہے ایک دم میں پاس میرے پر لگا

نیند آ گئی ابرو کے تصور میں جو مجھ کو
تھا خواب میں کھینچی ہوئی تلوار کوئی شخص

یہ تو اپنے خواب میں بھی بر نہ آئی آرزو
ہم خیال وصل جاناں پیش تر باندھا کئے

سرنگیں چشم کے بیمار کی لے جلد خبر
بولتا ہی نہیں کہتے ہیں بڑی دیر ہوئی

مہلت

مہلت تخلص اور نام مرزا علی ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے۔ شاعری میں جرأت سے اصلاح لیتا تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ علی نقی محشر سے کسی تنازعہ کے باعث دونوں ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مہلت کو علی نقی کے ہاتھوں کاری زخم لگا۔ پوچھنے والوں کے ہزار اصرار پر بھی اس کا نام زبان پر نہ لایا اور یہ ہی حال محشر کا تھا۔ اسی زخم سے اس کی روح جسد خاکی سے پرواز کر گئی۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

مرنے کے بعد بھی نہ گئی دل کی یہ تپش　　　آرام زیر خاک بھی اب خاک کیجئے

میر

میر تخلص ہے۔ فصیحوں میں سب سے بڑھ کر فصیح، یہ شاعروں میں سے بڑھ کر شاعر، بلند مرتبہ سخنور، محمد تقی نام ہے۔ اکبر آباد والوں میں سے ہے۔ سراج الدین علی خاں آرزو کی بہن کا فرزند ہے۔ اس کے مزاج میں لطافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اس کا کلام بلبل کی نغمہ سنجی اور خوش الحان مرغانِ چمن کی نالہ و بکا ہے۔ اس کا نطق شکر کی بارش کرتا ہے۔ اس کی فغان سے سخن کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اس کا قلم گویا کاغذ پر چمن سجاتا ہے۔ اس کا سخن جیسے مقید پرندوں کی فریاد ہے۔ اس کے خیال کے میدان میں گویا دل کو خوش آنے والے افکار کے معشوقان اپنا جلوہ بے دریغ بکھیرتے ہیں۔ اس کا شعر عاشق کی امید و بیم کی مانند رنگ برنگ کا ہے۔ اس کے قلم سے تازہ مضامین کے پھول کھلتے جاتے ہیں۔ اس کا

ایک مصرع تاثیر کے لحاظ سے ایسی گھنیری گھٹا کے مثل ہے کہ جس سے سیکڑوں دردناک آہیں اور کراہیں برسیں اور ہزاروں ارادے قبضۂ قدرت میں آجائیں یہ سب اس کے آدھے شعر کا ظہورا ہے۔ اس کے کلام کی مٹھاس اس کے مشتاقوں کے کام و دہن کو شکر کی بارش کرنے والے لبوں کے شہد سے بھی بڑھ کر عزیز ہے لیکن اس کی گفتگو (شاعری) کی نمکینی عاشقانہ مزاج رکھنے والوں کو معشوق کے تبسم کے نمکین پسینے سے بھی کہیں زیادہ لطف دیتی ہے۔ اس کی نظم اگر جادو ہے تو وہ جادو مباح ہے۔ اس کی فکر کا منبع اگر اکتساب ہے تو بھی اس کی صورت کرشمہ اور معجزے کی ہے۔ نظم و شعر کے جملہ اصناف میں مہارت تامہ ہے لیکن غزل سرائی اور مثنوی گوئی نسبتاً دیگر اصناف سے بڑھ کر ہیں اس کے کلام میں بلندی اور پستی دونوں نظر آتی ہیں لیکن اس کے اشعار میں رطب و یابس کبھی نظر سے نہیں گذرے۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست

در ید بیضا ہمہ انگشتہا یکدست نیست

یعنی شاعری اگر معجزہ بھی ہو تو بھی اعلیٰ و ادنیٰ سے مبرا نہیں ہو سکتی ید بیضا حضرت موسیٰ کا معجزہ ہی تھا کہ حکم الٰہی سے روشن ہوتا تھا مگر پھر بھی چھوٹی بڑی انگلیوں کا مجموعہ تھا۔

اور اس سلسلے میں مرزا رفیع سوداؔ کا بھی احوال بیان کیا جا چکا ہے مرزا سوداؔ بے حد منتخب اور بھرپور ا ہے۔ یہی ذکر کیا جاتا ہے کہ ریختہ کے چھ دیوان ہیں جن میں شاعری کے تمام اصناف کو نظم کیا گیا ہے ان میں ایک مسدس بھی ہے کہ جس میں واسوخت کے مضامین باندھے گئے ہیں۔ اس مسدس کی شہرت بطور غازہ اس کی شاعری کے چہرے پر ہے۔ اصناف سخن میں اس کے قصیدہ میں عمدہ فکر نہیں ملتی حالانکہ اس کی غزل کہیں زیادہ

بلند مرتبہ کی ہے۔ اسی طرح اس کا قصیدہ پست مرتبہ کا ہے۔ ابتدا میں وہ شاہ جہاں آباد (دہلی) آیا تھا۔

اور یہاں اس کا تعلق (رؤسا کے ساتھ) ٹھیک سے بن نہیں پایا۔ ناکامی سے برگشتہ خاطر ہو کر وہ لکھنؤ چلا گیا اور وہاں نواب وزیر الممالک بہادر کی سرکار سے متعلق ہو گیا۔ اس کا دیوان دیکھا ہے اور اس سے اشعار انتخاب کر کے اس جگہ لکھ دیئے ہیں۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا ۔۔۔ دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا ۔۔۔ دل کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا اس کا بہت عالم فریب ۔۔۔ خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ ۔۔۔ نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

اتنی گزری جو ترے ہجر میں سو اسکے سبب ۔۔۔ صبر مرحوم عجب مونس تنہائی تھا

چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا ۔۔۔ ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

آیا تو سہی وہ کوئی دم کے لیے لیکن ۔۔۔ ہونٹوں پہ مرے جب نفس باز پسیں تھا

مسجد میں امام آکے ہوا آج وہاں سے ۔۔۔ کل تک تو یہی میر خرابات نشیں تھا

الجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں اس کے عشق میں ۔۔۔ دل سا عزیز جاں کا جنجال ہو گیا

تو وہ متاع ہے کہ پڑے جس کی تجھ پر آنکھ ۔۔۔ وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں ۔۔۔ مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر ۔۔۔ پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

خدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن ۔۔۔ رہے ہے خوف مجھے وہاں کی بے نیازی کا

دل کی کچھ قدر کرتے رہیو تم ۔۔۔ یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا

فلک کا منہ نہیں اس فتنے کے اٹھانے کا ۔۔۔ ستم شریک ترا ناز ہے زمانے کا

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا ۔۔۔ اب جس جگہ کہ داغ ہے یہاں پہلے درد تھا

عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبط عشق کے ۔۔۔ دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا

قاصد جو وہاں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا

کسی عاشق کے ترے جبے ناخن کا خراش
خطِ تقدیر کے مانند مٹایا نہ گیا

کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں
داغ دل دیکھے بس چمن دیکھا

دل دینے کی ایسی حرکت اچھی نہیں کی
جب تک جئے گا میر پشیمان رہے گا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے تو یہاں جی نکل گیا

مستی میں چھوڑ دیر کو کعبے چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا

علاج کرتے ہیں سودائے عشق کا میرے
خلل پذیر ہوا ہے دماغ یاروں کا

کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا

آنکھیں چرائیو نہ ٹک ابر بہار سے
میری طرف بھی دیدۂ خوں بار دیکھنا

کفِ جاناں سے ممکن ہے رہائی میر کوئی ہو
اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگِ حنا چھوٹا

ترے کوچے کے رہنے والوں نے
یہیں سے کعبہ کو سلام کیا

حالِ بد میں مرے ذرا آکر
آپ کو سب میں نیک نام کیا

شہرۂ عالم اسے یمنِ محبت نے کیا
ورنہ مجنوں ایک خاک افتادہ ویرانہ تھا

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے فلک
اس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

داغ فراق و حسرتِ وصل آرزوئے شوق
میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامے گیا

جواب نامہ سیاہی کا اپنے ہے وہ زلف
کسی نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا

ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیداد گری کا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

تھی صعب عاشقی کی بدایت ہی میر پر
کیا جانئے کہ حالِ نہایت کو کیا ہوا

نہ خون ہو آنکھوں سے بہا اور نہ ہوا داغ
اپنا تو یہ دل میر کسی کام نہ آیا

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہب عشق اختیار کیا

جہاں سے فتنے کو خالی کبھی نہیں پایا
ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا

سب گئے ہوش و صبر تاب و تواں
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

دل میں کتنے مسودے تھے ولے
ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا

سبحہ گرداں ہی میر ہم تو رہے
دست کوتاہ تا سبو نہ گیا

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے ترا نام وہ بیتاب سا ہوا

پھر آج میر مسجد جامع کے تھے امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

کاہے کو میں نے میر کو چھیڑا کہ اس نے آج
یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سر رہا

شب میکدے سے وارد مسجد ہوا تھا میں
پر شکر ہے کہ صبح تلک بے خبر رہا

اپنا بھی قصد تھا سرِ دیوارِ باغ کا
توڑا ہی تھا قفس کو کہ صیاد آگیا

مستی میں لغزش ہو گئی معذور رکھا چاہیئے
اے اہل مسجد اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا

خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا
مرتے موا پر اس کے کبھی گھر نہ جا پھرا

کم کم اٹھتا وہ نقاب آہ کہ طاقت رہتی
کاش یکبار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

آزارِ دل نہیں ہے کسی دین میں درست
کیا جانے ان بتوں نے ستم کیوں روا رکھا

اس سری دل کی خرابی ہوئی اے عشق دریغ
تو نے کس خانۂ مطبوع کو ویران کیا

میرا ہی مقلدِ عمل تھا
مجنوں کے دماغ میں خلل تھا

پشیماں ہوا دوستی کر کے میں
بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا

اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا
کیا ذکر یہاں مسیح علیہ السلام کا

رقعہ ہمیں جو آئے ہے سو تیر میں بندھا
کیا دیجئے جواب اجل کے پیام کا

کیونکر گلی سے اس کی میں اٹھ کے چلا جاتا
یہاں خاک میں ملنا تھا لوہو میں نہانا تھا

کہتا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا منہ
کل میر کھڑا تھا یہاں سچ ہے کہ دوانا تھا

ہم کوئے مغاں میں تھے ماہِ رمضاں آیا
صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر
سمند ناز پر اک اور تازیانہ ہوا

ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گڑ نہ جائے
آنکھوں سے رات اس کی جو تلوے ملا کیا

دو بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھ طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھیر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

ماہ اس کو کہہ کے سارے شہر میں
مجھ کو مشکل منہ دکھانا ہو گیا

نہ گیا اس طرف کا خط لکھنا
ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا

دروازے پہ کھڑا ہوں کئی دن سے یار کے
حیرت نے حسن کے مجھے دیوار کر دیا

کاش اس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیر زمیں میرؔ ہے آرام بہت

ہم تو آگے ہی مر رہے ہیں میرؔ
تیغ کھینچے پھرے ہے یار عبث

خو گر ہوئے ہیں عشق کی گرمی سے خار و خس
بجلی پڑی رہی ہے مرے آشیاں کے بیچ

میرے سنگِ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد

دو قدم ساتھ جنازے کے نہ آیا وہ میرؔ
جانتا تھا کہ اسے ہے مری رفتار پسند

جاتا ہے آسماں لیے کوچے سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

جی میں تھا اس سے ملیے تو کیا کیا نہ کہیے میرؔ
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

مرتا ہوں میں تو آدمِ خاکی کی شان پر
اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر

قیامت تھا سماں اس خشمگیں پر
کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر

ہر گام سدِ رہ تھی بت خانہ کی محبت
کعبے تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ضعف یہاں تک کھنچا کہ صورت گر
رہ گئے ہاتھ میں قلم لے کر

میرؔ صاحب ہے چوکے اے بد عہد
ورنہ دینا تھا دل قسم لے کر

تناسب پر اعضا کے اتنا بت خیر
بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کر

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر

آتا ہے ابر قبلہ چلا خانقاہ پر　　صوفی ہوا کو دیکھ کے کاش آئے راہ پر

منتظر قتل کے وعدے کا ہوں اپنے یعنی　　جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز

حالانکہ عمر ساری مایوس گزری تس پر　　کیا کیا رکھیں ہیں اس کے امیدوار خواہش

اب اس کے غم سے جو کوئی چاہے سو کھائے داغ
باقی نہیں ہے چھاتی میں اپنی تو جائے داغ

دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا　　موت کا نام پیار کا ہے عشق

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہوں بیقرار　　میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر　　اور کوئی وفا کرے کیا خاک

سب موئے ابتدائے عشق ہی میں　　ہووئے معلوم انتہا کیا خاک

مو جی سے عندلیب خریدار اس کی ہے　　اے گل فروش کیجو سمجھ کر بہائے گل

اگر راہ میں اس کے رکھا ہے گام　　گئے گزرے خضر علیہ السلام

ہوتا نہ دل کا یہ سرانجام عشق میں　　لگتے ہی جی کے مر گئے ہوتے بلا سے ہم

جی جائے کسی کا کہ رہے تم کو قسم ہے　　مقدور تلک درپئے آزار رہو تم

اس کے کوچے کی خاک لائیں گے ہم　　اپنا کعبہ جدا بنائیں گے ہم

اے بتو اس قدر جفا ہم پر　　عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم

اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر　　شیخ یہاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں

نہ تنگ کر اسے اے فکر روزگار کہ میں　　دل اس سے دم کے لیے مستعار لایا ہوں

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر　　ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

اس کے نزدیک کچھ نہیں عزت　　میر جی یونہی خوار ہوتے ہیں

شیخ عزلت تو تہ خاک بھی پہنچے گی بہم　　مفت ہے سیر کہ پھر عالم ایجاد نہیں

ہمیں تو نزع میں شرمندہ آ کے اس نے کیا　　رہا ہے ایک رمق جی تو کیا نثار کریں

نہ نگہ نہ پیام نہ وعدہ　　نام کو ہم بھی یار رکھتے ہیں

ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی تس پر　　پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

کہوں کب تک دم آنکھوں میں ہے میرا　　نظر آئے ہے گا اب کوئی دم میرا

کیا تیر ستم اس کے سینے میں بھی ٹوٹے تھے
جس زخم کو چیروں ہوں پیکاں نکلتے ہیں

مانند شمع ہم نے حضور اپنے یار کے
کار وفا تمام کیا ایک آہ میں

جو بے اختیاری یہی ہے تو قاصد
ہمیں آکے اس کے قدم دیکھتے ہیں

خوش نہ آئی تمہاری چال ہمیں
یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں

اک وہم نہیں بیش مری ہستی موہوم
اس پر بھی تری خاطر نازک پہ گراں ہوں

جفائیں دیکھ لیاں بیوفائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

ایک سب آگ ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

اب کے ہمت صرف کر جو اس سے جی اُچٹے مرا
پھر دعا اے میر مت کیجو اگر ایسا کریں

عشق کا گھر ہے میر سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں

نازک مزاج آپ قیامت ہیں میر جی
جوں شیشہ میرے منہ نہ لگو میں نشے میں ہوں

کاش کہ دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں

سب گئے دل دماغ و تاب و تواں
میں رہا ہوں تو کیا رہا ہوں میں

جائے ہے جی نجات کے غم میں
ایسی جنت گئی جہنم میں

کرتا نہیں قصور ہمارے ہلاک میں
یارب یہ آسمان بھی مل جائے خاک میں

شیوہ اپنا بے پروائی نومیدی سے ٹھہرا ہے
کچھ بھی وہ مغرور دبے تو منت ہم سو بار کریں

قتل کیے پر غصہ کیا ہے لاش مری اٹھوانے دو
جان سے بھی ہم جاتے رہے ہیں آؤ تم بھی جانے دو

سر کاٹ کے ڈلوا دیئے انداز تو دیکھو
پامال ہے سب خلقِ جہاں ناز تو دیکھو

کب میسر اس کے منہ کا دیکھنا آتا ہے میر
پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو

اس تیغ زن سے قاصد کہیو مری طرف سے
اب تک بھی نیم جاں ہے گر قصد امتحاں ہو

اٹھ جائے رسم نالہ و آہ و فغانِ شب
اس تیرہ روزگار میں تو میر اگر نہ ہو

اجرت میں نامہ بر کی دیتے ہیں جاں تلک تو
اب کارِ شوق اپنا پہنچا یہاں تلک تو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے
آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اس کو ملول ہو
ہم تو ہوں بدگمان جو قاصد رسول ہو

کہتے ہو اتحاد ہے ہم کو
ہاں کہو اعتماد ہے ہم کو

دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں
اور سب سے عناد ہے ہم کو

نامرادانہ زیست کرتا تھا
میر کی وضع یاد ہے ہم کو

رات ساری تو گئی سنتے پریشاں گوئی
میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

نزدیک اپنے ہم نے تو سب کر رکھا ہے سہل
پر میر اس میں مردنِ دشوار کیوں نہ ہو

تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری ادھر
تو اس ستم کا میر سزاوار کیوں نہ ہو

خط آگیا پر اس کا تغافل نہ کم ہوا
قاصد مرا خراب پھرے ہے جواب کو

کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تلک اس دل خانہ خراب کو

ہوگا کسی دیوار کے سایہ میں پڑا میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

ہوتے ہو بے دماغ تو دیکھو ہو ٹک ادھر
غصہ ہی ہم پہ کاش کہ اکثر رہا کرو

یہ اضطرار دیکھ کہ اب دشمنوں سے بھی
کہتا ہوں اس کے ملنے کی کچھ تم دعا کرو

قبلہ و کعبہ خداوند و ملاذ و مشفق
مضطرب ہو کے اسے میں نے لکھا کیا کیا کچھ

پر کہوں کیا رقم شوق کی اپنے تاثیر
ہر سرِ حرف پہ وہ کہنے لگا کیا کیا کچھ

آگے تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب ہوئے خاک انتہا ہے یہ

وصل اس کا خدا نصیب کرے
میر دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

اس کے ایفائے وعدہ تک نہ جیئے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی

زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر
کس بھروسے پر آشنائی کی

وا اس سے سرِ حرف تو ہوگا کہ یہ سر جائے
ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے

تجھ کو مسجد ہے مجھ کو مے خانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میر کیا جانیں
انھیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے جدا ہوتے

دل کو تسکین نہیں اشک دمادم سے بھی
اس زمانے میں گئی ہے برکت غم سے بھی

آج پھر تھا بے حمیت میر وہاں
کل لڑائی سے لڑائی ہو چکی

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

آہ میری زبان پر آئے
پھر بلا آسمان پر آئے

جب نام ترا لیجیے تب چشم بھر آئے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے

اس ستم گار کے کوچے کے ہواداروں میں
نام فردوس کا ہم لے کے گنہگار ہوئے

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم
کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئے

آلودہ اس گلی کی جو ہوں خاک سے تو میر
آبِ حیات سے بھی نہ وہ پاؤں دھوئے

میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میر
ہو نہ لغزش کہیں صحبت ہے یہ بیگانوں کی

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے
کتنے ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

گھبرا نہ میر عشق میں اس سہل زیست پر
جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے

دو حرف اس کے منہ کے تو لکھ بھیجیو شتاب
قاصد چلا ہے چھوڑ کے تو جاں بلب مجھے

اپنے تو ہونٹ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ میر یہ کیا بات ہو گئی

اب رحم پر اسی کے موقوف ہے کہ یہاں تو
نے اشک میں سرایت نہ آہ میں اثر ہے

گھر دودِ جگر سے بھر گیا آہ
کب تک مری چشم تر نہ ہووے

سرگذشتیں نہ مری سن کہ اچٹتی ہے نیند
خاصیت یہ ہے مری جان ان افسانونکی

پہنچا تو ہوگا سمعِ مبارک میں حال میر
اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی

میرے تغیرِ حال پر مت جا
انقلابات ہیں زمانے کے

دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا
اور بھی وقت تھے بہانے کے

اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں
ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے

دل و دین ہوش و صبر سب ہی گئے
آگے آگے تمہارے آنے کے

اک شخص مجھی سا تھا کہ تھا تجھ سے پہ عاشق
وہ اس کی وفا پیشگی وہ اس کی جوانی

یہ کہہ کے میں رویا تو لگا کہنے نہ کہہ میرؔ
سنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی

پاس ناموسِ عشق تھا ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اٹھایا ہم نے

سرہانے میرؔ کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

بہت سعی کیجیے تو مر رہیے میرؔ
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ عاشق ہے تو کہیں
القصہ خوش گزرتی ہے اس بدگمان سے

جس جگہ دورِ جام ہوتا ہے
واں یہ عاجز مدام ہوتا ہے

میر صاحب بھی اس کے ہاں تھے پر
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

کبھو وادیٔ عشق دکھلائیے
بہت خضر بھی دل میں گمراہ ہے

آتے کبھی جو واں سے تو یہاں رہتے تھے اداس
آخر کو میرؔ اس کی گلی ہی میں جا رہے

کھل گئی بات تھی سو ہر اک پر
تو وہی منہ چھپائے جاتا ہے

وہ تو بگڑے ہے میرؔ سے ہر دم
اپنے سے یہ نبھائے جاتا ہے

کعبے میں جاں بلب تھے ہم دوریٔ بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو اب کے خدا کے ہاں سے

نکتہ داں بھی خدا نے تم کو کیا
پر ہمارا نہ مدعا سمجھے

آسماں شاید ورے کچھ آ گیا
رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جی

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

تیز یوں ہی نہ تھی شبِ آتشِ شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

رحم بھی دیتا تھا تھوڑا ہائے اس خوبی کے ساتھ
تجھ سے کیا کل گفتگو یہ داورِ محشر سے ہے

وہ کہاں دھوم جو دیکھی گئی چشمِ تر سے
ابر کیا کیا اٹھے ہنگامے سے کیا کیا برسے

یہ رات ہجر کی یہاں تک تو دکھ دکھاتی ہے
کہ شکل صبح مری سب کو بھول جاتی ہے

ڈر کیوں نہ محلے میں رہے رونے سے میرے — سیلاب نے اس کوچے میں گھر مول لیا ہے
پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ — افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی
مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں — منہ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی
قاصد کے تصنع نے کیا دل کے تئیں داغ — بے تاب مجھے دیکھ کے کچھ بات بنائی
واعظِ ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میرؔ — آؤ میخانے چلو تم کس کے کہنے پر گئے
حسرت سے دیکھ رہیو اے نامہ بر منہ اس کا — بس اور کچھ نہ کہیو ہرگز مری زبانی
حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں — مرگِ فرہاد کیا کیا تو نے
پتھر کی چھاتی چاہیئے ہے میرؔ عشق میں — جی جانتا ہے اس کا جو کوئی وفا کرے
فریاد شب کی سن کے کہا بے دماغ ہو — دیکھو تو اس بلا کو یہ شاید کہ میرؔ ہے
ترے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے — خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی
جی ہی دینے کا نہیں کڑھنا فقط — اس کے در سے جانے کی حسرت بھی ہے
اس کا غضب ہے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے — لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے
خدا کرے مرے دل کو ٹک اک قرار آئے — کہ زندگی تو کروں جب تلک کہ یار آئے

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دعا کر میرؔ
کہ اب جو دیکھوں اسے میں بہت نہ پیار آئے

حرف النون

ناجیؔ

ناجیؔ تخلص اور نام محمد شاکر ہے۔ اسی شہر کے شعرا میں سے ہے۔ محمد شاہ کا ہم عصر ہے۔ اس کی طبیعت ایہام کی طرف مائل تھی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

تری نگاہ کی حسرت سے اے کماں ابرو — ہمارے سینے میں تودا ہوا ہے تیروں کا

محبت سے علی کی دیکھ ناجی — ہوا ہے دل مرا اب حیدر آباد

گر سلیماں کا تخت دیں مت لے — کہ سب آخر کو جائے گا برباد

دیکھ دلبر تری کمر کی طرف — پھر گیا پانی اپنے گھر کی طرف

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ — پاس میرے جب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

عرض غصہ میں کبھی اہل وفا کی نہ سنے — ہٹ پہ آجائے وہ کافر تو خدا کی نہ سنے

تصور سے ترے رخ کے گئی ہے نیند آنکھوں سے
مقابل جس کے ہو خورشید کیونکر اس کو خواب آوے

ناﺁلاں

ناﺁلاں تخلص اور نام محمد عسکری ہے۔ دہلی کے افلاس زدہ لوگوں میں سے ہے مصحفی نے اس کو اپنے اولین شاگردوں میں بیان کیا ہے۔ دو سال پیشتر نوے سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

سحر کے ہونے کا از بس خیال رہتا ہے — شب وصال بھی دل کو ملال رہتا ہے

وہ بدگماں ہوں کہ اس بت کے سایہ پر بھی مجھے — رقیب ہی کا سدا احتمال رہتا ہے

ناﺁلاں

ناﺁلاں تخلص ہے۔ عظیم آباد کے موزوں طبعوں میں سے ایک ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کچھ ان دنوں میں تم نے یہ زور خو نکالی
ملنا کسی سے جا کر بدنام ہم کو کرنا

ناﺁدم

ناﺁدم دہلی کے لوگوں کے درمیانہ طبقہ سے ہے۔ اس کا کلام میر حسین تسکین

کی نظر سے گذرتا تھا (یعنی وہ اصلاح کیا کرتے تھے) یہ اشعار اس کے ہیں :۔

آتے ہی تیرے شام ہوئی جلد کس طرح ۔۔۔ کیا آفتاب داغ دل بیقرار تھا
آج پھر دیکھیں کہ ہوتی ہے سحر کس طور سے ۔۔۔ شام ہی سے جوش پر کچھ نالۂ شب گیر تھا

ناصرؔ

ناصرؔ تخلص اور نام نواب ناصر جنگ ہے۔ نواب مظفر جنگ بنگش کا فرزند ہے کہ جس کے جلال کی شمع مانند آفتاب روشن ہے۔ ۱۲۲۸ھ میں اس نے وفات پائی۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

آگے تو تھی ہی بر سر پیچش کمند زلف ۔۔۔ پیچھے پڑی ہے کاہے کو کاکل بلا کی طرح

نادرؔ

نادرؔ تخلص اور نام گنگا سنگھ ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور میر حسن کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کے نام سے دیکھا ہے تو لکھ دیا ہے :۔

قاصد تو اس بہلنے سے اس پاس جائیو ۔۔۔ یہ کس کا خط ہے مجھ کو ذرا پڑھ سنائیو

نادرؔ

نادرؔ تخلص اور نام میر محمد عارف علی ہے۔ نسلاً کشمیری ہے۔ دہلی میں رہتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

سو طرح سے بات اگر کیجے تو کھلتا ہی نہیں
مجھ میں اور اس میں نہ جانوں پڑ گئی ہے کیا گرہ

نازکؔ

نازکؔ تخلص اور نام زینت ہے۔ خوب صورت طوائفوں میں سے ہے

یہ اشعار اس کے ہیں :۔

یاد آتی ہے اُن آنکھوں میں آمد وہ نشے کی
ساقی مے گلرنگ سے جب جام بھرے ہے

ہے نالہ وزاری کا مرے شور فلک تک
پر وہ بتِ مغرور کوئی کان دھرے ہے

ناظم

ناظم تخلص ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے باقی حالات کا علم نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

وصل ایسا ہوگیا اس کے بدن سے میرا تن
رات کو میں یار سے یکجاں دو قالب ہوگیا

نامی

نامی تخلص اور نام مرزا رجب علی بیگ ہے۔ لکھنؤ کے معزز لوگوں میں سے ہے۔ امیر الدولہ حیدر بیگ خاں اس کا چچا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

بسکہ مدت سے ہے راہ انتظار یار پر چھاگئی آخر سفیدی دیدۂ خونبار پر

نامی

نامی تخلص اور نام مبارز الدولہ نواب مرزا حسام الدین خاں بہادر ہے جس کی قرابت داری کا سلسلہ والئ لکھنؤ تک جاتا ہے۔ جلیل القدر امراء میں سے ہے۔ سلیم الطبع اور سلجھی ہوئی فکر کا مالک ہے۔ نیک افعال بجا لانے والا، شریف عادت وخصلت والا ہے۔ انصاف پسندی میں اس کا ثانی مشکل سے ہی ملے گا۔ وہ بے نظیر ہے۔ مجھ ناچیز کے والد بزرگوار کے دوستوں میں

سے ہے۔ اپنے کلام پر میر مستحسن خلیق سے اصلاح لیتا تھا۔ فی الحال شعر نہیں کہتا لیکن سننے سے بہت رغبت رکھتا ہے۔ اس کے چند اشعار بطور نمونہ یہ ہیں:۔

دم شماری میں مجھے چھوڑ کے جانا کیا تھا
جان جانے کو بھی عاشق کی نہ جانا کیا تھا

ربطِ محبت جو باہم تھا ہم میں ان میں چھوٹ گیا
دونوں طرف سے ہے جو کشیدہ رشتۂ الفت ٹوٹ گیا

تابش خود سے نہ کس طرح وہ کمھلا جائے
عارض یار ہے ہم رنگِ گل تازۂ صبح

تھک گئے ہم تو شبِ ہجر میں نالے کرتے
کیوں سناتا نہیں مرغِ سحر آوازۂ صبح

قتل کے دم بھی نہ کچھ نامی نے قاتل سے کہا
کیا بیاں تم سے کروں اس کم سخن کی سرگذشت

امید دلدہی اس سنگدل سے سخت بیجا ہے
مگر ان چاہنے والوں کا پتھر کا کلیجا ہے

مرید پیر مغاں پیر خانقاہ کیے
یہ بے طریق کئی ہم نے روبراہ کیے

نہ اپنوں سے اسے الفت نہ بیگانوں سے ملتا ہے
دل وحشی کا اپنے طور دیوانوں سے ملتا ہے

نامی

نامی تخلص ہے۔ (اس کے علاوہ) اس کا نام معلوم نہیں ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

آتش عشق سے نامی کا جگر جلتا ہے
آپ ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں کوئی آ دیکھے

واہ کیا خوب مثل ٹھیک بندھی ہے اس دم
گھر کسی کا جلے اور کوئی تماشا دیکھے

ناسخ

ناسخ تخلص اور نام شیخ امام بخش ہے۔ لکھنؤ کے لوگوں میں سے ہے۔ اس کی طبع کے باغ میں چلنے والی ٹھنڈی ہوا خوشبو بکھیرنے والی ہے اور اس کی فکر کے گلاب کی شمیم دلوں کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ اس کی تفکر کی بلند پرواز طائر ساتویں آسمان سے نیچے کبھی اپنا آشیاں نہیں بناتا ہے اور اس کے خیال کا برق رو پرند بامِ فلک کے علاوہ کہیں اور جلوہ نہیں دکھاتا۔ وہ صاحب کمال، اونچے رتبے والا، بہت بلند سوچ کا مالک، اور بڑا نازک خیال ہے۔ نئے مضامین کی تلاش میں اور بے مثل و بے مثال معنی آفرینی کی جستجو میں سخنوری میں نئی غزل سرائی کی جانب ملتفت ہوتا ہے اور حق یہ ہے کہ غزلیات اور صنف آخر یعنی رباعیات کے علاوہ کسی اور صنف میں اس کا کوئی شعر لکھا گیا نہ سنا گیا ہے۔ اس نے پوری عمر لکھنؤ میں ہی گذار دی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہاں کی سلطنت کے کارکنوں کے ہاتھوں اس کا سکون برباد ہونے لگا اور اس کو لکھنؤ میں رہنا محال ہو گیا تب وہ الٰہ آباد منتقل ہو گیا اور وہاں سے کانپور چلا آیا۔ اِن دنوں سابق ارکین سلطنت کے تبدیل ہو جانے کے باعث اس نے اپنے مرکز (لکھنؤ) کو مراجعت کر لی ہے۔ کہتے ہیں کہ لکھنؤ اور لکھنؤ کے دوستوں سے دوری کے دنوں میں اس نے بڑے درد انگیز اشعار کہے ہیں۔ اس کے اس سفر اور نقل وطن کا قصہ طویل ہے اور اس مختصر جگہ میں وہ انہیں پائے گا اور یوں بھی یہاں وہ بے محل اور خلاف عنوان ہے۔ اس کتاب کا مقصد بھی اس طرح کی کہانیاں بیان کرنا نہیں ہے۔ اس کا دیوان، خدا اسے نظر بد سے بچائے، نگاہ سے گذرا تھا۔ اس کتاب کو نکھارنے اور سنوارنے میں کافی مدت صرف ہوئی اس بلند افکار والے نے اس دوران ایک اور دیوان نکال ڈالا اور وہ اِس شہر میں بھی پہنچ گیا۔ اب اپنی تشفی کے لیے ہی سہی مگر انتخاب کلام کا

کا سوال پھر سے پیدا ہو گیا۔ ادھر اس کتاب نے بھی شہرت پکڑ لی اور پڑھنے دیکھنے میں آگئی اس لیے اس کو گھٹانا بڑھانا بھی زیادتی معلوم ہوئی۔ درج ذیل اشعار دراصل دیوان اول کا ہی انتخاب ہیں۔ البتہ نئی غزلوں (دوسرے دیوان کی) سے بھی ایک دو یا تین اشعار منتخب کر لیے ہیں کہ جن کو لکھنؤ کے بعض دوستوں نے تحفہ بطور روانہ کیا تھا:

مہندی سے ہے شعلہ قدم اس رشکِ پری کا
پاپوش نے سیکھا ہے چلن کبک دری کا

ہم نے جو بتی بنائی ہے ترے موباف کی
نافۂ مشکیں بنا ہے منہ ہر اک ناسور کا

ایڑیاں بھی اب رگڑ سکتا نہیں کثرت تو کیا
ہو چکا تابوت میں اٹھنا ترے رنجور کا

عکس پڑتا ہے جو تیرا آئینے میں بیشتر
اضطراب اس واسطے جاتا رہا سیماب کا

یہ ساعدوں کا ہے اس کے عالم کہ جس نے دیکھا ہوا وہ بیدم
نیامِ تیغِ قضائے مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا

مرتبہ کم حرصِ رفعت سے ہمارا ہو گیا
آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا

محشر میں ہم کو نامۂ اعمال دیکھ کر
قاصد خیال آئے گا خط کے جواب کا

کافر ہوں سیر ہم رہیں محروم واعظا
کر میکدہ پر حکم نہ جاری فرات کا

دے دو پٹا تو اپنا ململ کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

پر لگائے مجھے وحشت نے اڑا پھرتا ہوں
مجھ سے پامال کوئی خارِ بیاباں نہ ہوا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا

وصل سے یہاں آج بھی ہے عید کل بھی عید تھی
کیا شبِ فرقت میں ظالم طول تھا اک سال کا

ذبح کر ڈالوں گا گر اب کے تو بولا شبِ وصل
میں نے سو بار تجھے مرغِ سحر چھوڑ دیا

تھی شہادت سے غرض سو اس ادا میں ہو گئے
گو نہ قاتل سے نزاکت کے سبب خنجر اٹھا

دور سے دے گی دکھائی روشنی جائے سواد
یاد رکھ قاصد نشاں ہے یہ دیارِ یار کا

لاغر ایسا ہوں کہ میں اکثر ہوا سے اڑ گیا
میرے پیکر میں ہے عالم کاغذی تصویر کا

آگے کشتِ آرزو کی آبرو میری رہے
برق ہی گرتی جو میں بارانِ رحمت مانگتا

ہاتھ دوڑائے زمیں سے سو شہیدِ ناز نے
آگیا چلنے میں قاتل کا جو دامن زیرِ پا

دیں گے تیرے بازوئے نازک کو پھر تکلیفِ تیغ
لائیو اپنے شہیدوں کے نہ مدفن زیرِ پا

بس میں ہوتا نہ پرائے میں کبھی اے ناسخ
آہ میرا میرے قابو میں اگر دل ہوتا

لے چلی موت مجھے سوئے حسینانِ بہشت
ایک دم پاس جو وہ حور شمائل نہ ہوا

روزِ روشن تیرہ بختی سے نہ دیکھا عمر بھر
شمعِ شب گویا میں اس محفل میں مہماں رہ گیا

اشکِ بے تاثیر کو نادم کیا برسات نے
مینہ کے باعث میرے گھر میں رات جاناں رہ گیا

شوق اسے کہتے ہیں مجنوں جو لحد سے نکلا
شورِ محشر کو بھی آوازِ حدی خواں سمجھا

تجھ سے انصاف تو کر چھٹ نہ سکا ایک رقیب
میں نے کیونکر تری الفت میں زمانہ چھوڑا

کیا خبر تھی کہ تری غیر کے دل میں ہے جگہ
رات ہم نے نہ کوئی تیرا ٹھکانہ چھوڑا

کس چین سے ہم اس کے تصور میں محو تھے
کنجِ لحد میں شورِ قیامت مخل ہوا

ثابت قدم ہم اپنی وفا پر جو ہیں سو ہیں
ناسخ ہزار بار وہ پیماں گسل ہوا

کی ہے یہاں شدت سے برشگالِ اشک نے
کیوں نہ وہاں آجائے موسم سبزے کے آغاز کا

ہاتھ میں تیرے نہ ٹھہرے وہاں مکتوبِ شوق
یاد رکھ قاصد یہی ہے بس نشانِ کوئے دوست

ہے یہاں کس کو شبِ فرقت میں ہوش
ہو چکی ہوگی ہزاروں بار صبح

اس نے جس سنگ پہ کھودی تھی شبیہِ شیریں
قبرِ فرہاد کو لازم تھا اسی کا تعویذ

اپنے صنم کو لے کے شبِ وصل باغ میں
بھاگا میں آشیانۂ مرغِ سحر سے دور

مر گیا کیا ناسخِ میکش جو سارے مے فروش
سجدوں میں بیٹھے اپنی اپنی دکاں چھوڑ کر

اے میکشو نزاکتِ ساقی کو دیکھنا
لاتا ہے رکھ کے مثلِ سبو جام دوش پر

رنج اٹھائے ہیں جسمو سے جہاں میں اسقدر
بعد مردن بھی نہ آنکھ اپنی پڑے گی حور پر

خط جو ہم کرچکے تحریر تو پہنچانے کو
آشیانوں سے نکل آئے کبوتر باہر

بس یہی تدبیر اب ان کے بہکانے کی رہی
جی میں ہے ہو جاؤں عاشق چند روز اغیار پر

شب جو الٹی اس نے رخ سے حیرت افزا سے نقاب
چاندنی مثل سفیدی رہ گئی دیوار پر

جنت کو جائیں گے لیے دوزخ بغل میں ہم
ناسخ یونہی جو بعد فنا ہے وفائے داغ

پہلے تیشہ مارتے خسرو کے اے شیریں دہن
جی نہ کھوتے مفت اپنا ہوتے گر فرہاد ہم

حال دل کہنے کی ناسخ جو نہیں پاتا بار
پھینک جاتا ہے وہ اشعار ترے کوچے میں

انتقام اس کا کہیں ہے نہ فلک ڈرتا ہوں
جھوٹے وعدوں سے جو وہ شاد کیا کرتے ہیں

عشق میں دل نے پھنسایا تو ہوا غیر کو رنج
نہیں اپنے میں مروت جو ہے بیگانے میں

دکھلا گیا کبھی نہ وہ چشم سیاہ کو
آنکھیں مری سفید ہوئیں انتظار میں

سر رگڑوں آستان بت نازنیں سے میں
ہے جی میں داغ سجدہ مٹا دوں جبیں سے میں

فیلسوفی محتسب کی دیکھنا اے میکشو
توڑتا ہے شیشۂ مے میکدے کی راہ میں

بیش تر نشۂ ایجاد سے بے ہوش ہوں میں
خم گردوں بھی نہ تھا جب سے کہ مے نوش ہوں میں

جو مجھ کو یار نے مارا تو غیر کو کر و قتل
عزیزو اس کے سوا اور انتقام نہیں

عشق کا ہو درد اے ناسخ نہ کیونکر لادوا
زخم ہائے تیر مژگاں کا نشاں ہوتا نہیں

وہ ادھر رخصت ہوا اٹھا ادھر طوفان اشک
تیرتا جاتا ہے اس قاتل کا توسن آب میں

ہم مست بھی ہیں تارک لذات زاہدا
اک دن تو دیکھ کیسی ہے تلخی شراب میں

صبح فرقت تیرگی میں شام سے کچھ کم نہیں
چاند نکلا ہے افق سے نیر اعظم نہیں

ہر کسی کا کام رکھتا ہے ادھورا آسماں
گر بہم پہنچا سر شوریدہ تو پتھر نہیں

قوی ہوں گو ستم آسماں سے زار ہوں میں
الجھ کے دامن محشر پھٹے وہ خار ہوں میں

ہوا اگرچہ سبک دشمنوں کی نظروں میں
پر اپنے دوست کے دل پر ہنوز بار ہوں میں

بارہا بیٹھ کے کعبہ میں لنڈائی ہے شراب
محتسب کیا ہے خدا کا ہمیں جب پاس نہیں

کیوں اٹھا لائے ہیں ہمدم مجھ کو ناسخ بعد قتل — چین سے لاشہ پڑا تھا کوچۂ سفاک میں

ہے جو یوں مکروہ طبع پاک کو مضمونِ غیر
وصل کا مضموں شایاں اپنے دیواں میں نہیں

رحمت حق جوش پر ہے کیوں نہ عصیاں کیجئے — شغل بہتر میکشی سے ابر و باراں میں نہیں
بھلا تکبر و غیبت سے زاہد و حاصل — یہ رند کیا ہی مزے کے گناہ کرتے ہیں
رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں — جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں
دھوکا نہ کھا ظروف وضو کو تو دیکھ کر — مسجد ہے مے فروش کی ناسخ دکاں نہیں
صبح محشر سے سوا صبح شب وصل ہے شیخ — آج ہے تجھ سے زیادہ غم فردا مجھ کو
دم اخیر کو کر لوں نظارہ جی بھر کر — الٰہی خنجر سفاک آبدار نہ ہو
دو شب تار سے تشبیہ ہمارے دن کو — تیرگی سے نظر آتے ہیں ستارے دن کو
نہ کیوں بندہ رقیبوں کو جلائے اے بتو ہر دم — جہنم میں خدا بھی ڈالتا ہے اپنے دشمن کو
یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار کو — جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو
رحم آ جائے اگر موران کوئے یار کو — کھینچ لے جائیں لحد سے میرے جسم زار کو
دعائے مرگ دی اس کو ترے جور و جفا سن کر — مسیح آیا ترے بیمار کی جو چارہ سازی کو
بھولے نہ بعد مرگ بھی ہم رقص یار کو — ٹھوکر کی آرزو ہے ہمارے مزار کو
آئی شب وصال ہوئی صبح شام سے — قسمت نے آفتاب کیا ماہتاب کو
ہوش اڑتے ہیں جو سنتا ہوں تری آواز کو — کیا ترے پردے سے نسبت پردہ ہائے ساز کو
تیرے کوچے کے سوا ہو جو تمنائے بہشت — جاؤں دوزخ کو مرا حشر ہو شداد کے ساتھ
کیسے شب وصل آئی نظر شام و سحر ساتھ — گھڑیالیوں نے دونوں بجائے ہیں گجر ساتھ
خط نکل آیا وہاں باقی ہے یہاں مضمون شوق — دیکھئے کب ہو فراغت نامہ کی تحریر سے
فندقوں سے گوری گوری انگلیاں ہیں مثل شمع — ہے بجا تمثیل ناخن گیر کو گل گیر سے
مے پرستو آؤ کر لیں محتسب کو سنگسار — بچ رہے ہیں سنگ کچھ میخانے کی تعمیر سے
زار انتظار خط نے کیا اس قدر مجھے — پہچانتا نہیں ہے مرا نامہ بر مجھے

یہ آدمی ہے کہ برسوں جمال رہتا ہے
وگر نہ ماہ کو اک شب کمال رہتا ہے

یہ پھنک رہا ہے مرا جسم آتش غم سے
کہ طوق بھی مری گردن میں لال رہتا ہے

ٹھوکر اک پائے حنائی سے لگایا چاہیئے
پھول کوئی میری تربت پر چڑھایا چاہیئے

داغ فرقت زیست بھر سوز جہنم بعد مرگ
ان بتوں کو کس توقع پر خدا یا چاہیئے

یہاں سر کاوش توانائی کے عالم میں نہ تھا
آج جسم ناتواں کیوں خارِ پائے ہو رہے

تنگ ہو کر جب کہا میں نے کہ مر جاؤں کہیں
بدگماں سمجھا کہ اس کو اشتیاق حور ہے

آتے آتے کیوں نہ الٹے پاؤں بھاگے ڈر سے
صبح ڈرتی ہے بہت میری شبِ دیجور سے

باد کے مانند ساقی لے اڑا پانی مجھے
کشتی مے ہو گئی تخت سلیمانی مجھے

آیا مہ صیام علی الرغم محتسب
روزے شراب سے سر بازار توڑیئے

فرقت قبول رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم رقیب تری انجمن میں ہے

فصل گل ہے چار دن ایام توبہ ہیں مدام
عمر بھر اے میکشو بابِ اجابت باز ہے

یہ لگی چاٹ مرے زخموں کو تسکین ہوئی
ہو گئے یار کے کتنے ہی نمکداں خالی

دو چار حزیں پہنچیں اگر اور بھی ہم سے
ہستی کی طرف منہ نہ کرے کوئی عدم سے

تارے سیاہ ہوتے ہیں تشبیہ کے لیے
مضمون ڈھونڈتا ہوں اگر اس کے خال کی

ڈر تھا اثر کا اس کو سو وہ بھی نکل گیا
نادم ہوا ہوں منہ سے میں نالہ نکال کے

مشرق سے کانپتا نہیں نکلا یہ بے سبب
خورشید ڈر گیا مرے روز سیاہ سے

دھوئی کیوں اشک کے طوفاں سے لوحِ محفوظ
سرنوشت اپنی ہی ناسخ نے مٹائی ہوتی

شوق مے نے کر دیا اس درجہ مجھ کو بے حواس
محتسب سے راہ پوچھی خانہ خمار کی

اے موذن کر دعا جائے اذاں
وصل کی شب اور کوئی دم رہے

وصل کو لکھا ہے ناسخ درد عاشق کی دوا
دل ہمارا قابل تشخیص جالینوس ہے

دامن اگر نہ فتنۂ محشر سنبھالتا
چلنا محال تھا اسے دامن کے بوجھ سے

میرے لاشے کے وہ ہمراہ لحد تک ہووے
اے اجل تیرا قدم مجھ کو مبارک ہووے

نثار

نثار تخلص اور نام عبدالرسول ہے۔ اکبر آباد کے موزوں طبعوں میں سے ہے۔ میر و سودا کا ہم عصر ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جائیں گے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلائیں گے ہم

ماہرو کی جو مہربانی ہے — یہ مدد ہم پر آسمانی ہے
اس کے عارض کو دیکھ جیتا ہوں — عارضی میری زندگانی ہے

جب حرف محبت کے باہم سے گئے گزرے — ہم تم سے گئے گزرے تم ہم سے گئے گزرے
تم انجمن میں رات عجب آن سے گئے — بسمل کئی پڑے ہیں کئی جان سے گئے

نثار

نثار تخلص اور نام نثار علی بلگرامی ہے۔ آدمی عاشق مزاج ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اترے ملک فلک سے یوسف زمیں سے نکلے
ممکن نہیں کہ تجھ سا کوئی کہیں سے نکلے

بوسے کے بدلے گالی شیریں لبوں سے پائی — یہ بھی نصیب اپنے زہر انگبیں سے نکلے

نثار

نثار تخلص اور نام محمد امان ہے۔ سعادت اللہ معمار کا بیٹا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے آباو اجداد میں سے کسی نے جامع مسجد دہلی کی بنیاد تیار کی تھی یہ خود بھی اس فن (تعمیر) میں کافی مہارت رکھتا تھا اور اس فن (یعنی شاعری) کی تعلیم شاہ حاتم سے حاصل کی تھی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اس ابر میں وہ ساقی گلفام نہ آیا — کیا یار جو یاروں کے کبھی کام نہ آیا

چھوڑ کے تنہا مجھے جب کہ وہ گھر جائے گا — جان ادھر جائے گی یار ادھر جائے گا
اس کے پاؤں سے لگی رہتی ہے دن رات حنا — خوب دنیا میں بسر کرتی ہے اوقات حنا
اے محتسب نظر کی تو نے اگر سبو پر — سنتا ہے مر مٹیں گے ہم اپنی آبرو پر
نامے کو مرے پڑھ کے پٹک دے ہے زمیں پر
دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک
خوبی میں ترے حسن کی کچھ حرف تو کب ہے — لیکن یہ ذرا خط ہے سو اصلاح طلب ہے
زخمی کو محبت کے ہر طرح سے راحت ہے — گر لون بھی تو چھڑکے تو سنگ جراحت ہے
مجھ میں اور ان میں سبب کیا جو لڑائی ہوگی — یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی
گردش کا اس نگاہ کی اب طور اور ہے — اے ساکناں میکدہ اب دور اور ہے
صورت موافقت کی کبھی سوجھتی نہیں — صاحب کی وضع اور مرا طور اور ہے
اس آئینہ خلعت کی اب مجھ سے یہ صورت ہے
ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے

نجف

نجفؔ تخلص اور نام میر نجف علی ہے۔ پہلے کے لوگوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے۔

کس طرح ربط نہ ہو زلف سے دیوانوں کو — ربط ہوتا ہے پریشاں سے پریشانوں کو

نجات

نجاتؔ تخلص اور نام سید زین العابدین ہے۔ کہتے ہیں فارسی میں ید طولیٰ رکھتا ہے بالخصوص قصاید میں لیکن اس کا فارسی کلام میری نظر سے نہیں گزرا ہے۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی شعر کہتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں۔

یہاں تلک سر کو پٹک ہجر میں توڑے پتھر — کہ نہیں دامن کہسار میں چھوڑے پتھر

آنکھیں پتھرا گئیں تس پر ہیں ٹپکتے آنسو　　بل بے ہجراں تری قدرت کہ نچوڑے پتھر

ندرت

ندرت تخلص اور نام مرزا مغل ہے۔ پرانے لوگوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

مجھے تو پائے تخت عیش ہے نقش قدم اس کا
بڑی دولت ہے ندرت جو میسر ہووے پابوسی

ندیم

ندیم تخلص اور نام مرزا علی ہے۔ مشہور مرثیہ گویوں میں سے ہے اور میر و مرزا کے دور کا شاعر ہے۔ دہلی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

جدائی میں تیری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

نزہت

نزہت تخلص اور نام مرزا ارجمند ہے۔ نواب اعتماد الملک کی سرکار میں نامہ نویسی کی خدمات انجام دیتا تھا۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

چاک کر پھینک دیا ہاتھ کا الجھاؤ گیا　　ایک قصہ تھا گریبان کے سلوانے کا

نزاکت

نزاکت تخلص، چاند نما، آفتاب کے مانند، بے حد حسین، مرقع جمال، جاں نواز، راحتِ دل، نام رجو ہے۔ اس کا خاندان شہر نارنول کا ہے۔ ملکہ صبا کے مانند آن کی آن میں شاہ جہاں آباد میں جلوہ فرما ہو گئی ہے اور اس مبارک بنیاد والے شہر کی رونق افزائی کا باعث ہوئی ہے۔ وہ میٹھی

معشوق ہے اور بڑی نمکین دلبر ہے۔ اس کے روشن رخسار کی تابانی سے خورشید شرمندہ ہوتا ہے اور اس کے جلوۂ قامت کی سجاوٹ سے شمشاد ذہن میں گڑھا تا ہے۔ اس کے مسکراتے لبوں سے غنچہ نے طرزِ تبسم سیکھا ہے اور شمع نے اس کے رخسار کی چمک سے اپنا چہرہ روشن کیا ہے۔ اس کے کوچہ کی ہوا موسم بہار کی ہوا سے بڑھ کر معطر ہے اور اس کے گیسوؤں کی خوشبو دار ہوا تاتاری ہرنوں کی ناف سے بڑھ کر خوشبوئے مشک سے بھری پری ہے۔ مبارک چہرہ، مبارک طبیعت اور مبارک قدم ہے۔ اس میں بہت سی خوبیاں آمیز ہوگئی ہیں۔ خوش ادا اور خوش خرام ہے۔ گلشن شباب کا نوشگفتہ گلاب ہے اور باغ حیات کا رس بھرا پھل ہے۔ حسن وجمال کے چمن کا ابھی ابھی ابھرنے والا سرو ہے۔ وہ ظاہری صفات اور پوشیدہ خوبیوں سے آراستہ ہے۔ اس کے حسن صورت کو کیا کہا جائے کہ کئی سو چہرے اس سے نکالے جائیں تو بھی خوبصورت کہے جائیں گے فکر کی صفائی، ذہن کی دراکی اور فہم کی درستی کے اعتبار سے دنیا میں تنہا اور بے نظیر ہے۔ اس کی طبع لطیف اپنی فطرت کے زور سے فنون میں مہارت حاصل کرنے پر راغب ہے۔ اپنے مزاج کے تحت وہ ناپسندیدہ طریقوں سے اکراہ کرتی ہے اور اپنی پسندیدہ خصلتوں کی عاشق زار ہے۔ دانائی، ذہانت، شوخی اور متانت سے پوری طرح آشنا و آراستہ ہے۔ وہ دردمندی، ہمدردی وفا پروری اور بے رحمی کے جذبات واحساسات سے خوب اچھی طرح باخبر ہے کبھی کبھی فکر سخن کرتی ہے اور دلکش اشعار نظم کرتی ہے۔ اس کی شاعری کا اسلوب اچھا ہے۔ یہ چند اشعار اس کے کلام سے ہیں:۔

بسکہ رہتا ہے یار آنکھوں میں — بے نظر بے قرار آنکھوں میں
محفل گل رخاں میں وہ عیار — لے گیا دل ہزار آنکھوں میں
سرمۂ خاک پا عنایت ہو — آ گیا ہے غبار آنکھوں میں
کہیے جو رقیبوں سے برائی تو کہے وہ — ہے وہ ہی وفادار جو ایسوں سے نبا ہے

پڑا ہے خون دل سر سے قدم تک جا بجا میرے
بنایا تھا مجھے گو یا کہ خاکِ کوئے قاتل ہے

کہتا ہے آپ کی بھی ہے کیا عاشقی غلط
گر کہئے تیرے عہد میں الفت نہیں رہی

کیا کیا عذاب اٹھائے ہیں اندوہ عشق کے
جز نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی

ہوں نزاکت وے کوئی کیا ذکر
دمِ رخصت ترے سنبھال سکے

کیوں نہیں قربان ہوں جب وہ کہے ناز سے
ہم کو جفا کا ہے شوق اہل وفا کون ہے

مرے شوق پنہاں کی تاثیر دیکھو
کہ دلدار بھی دلربا جانتا ہے

نامنصفی اور اے بت بیداد گر ایسی
چاہت تری غیروں کی بھی ہو گی مگر ایسی

حیراں ہے اگر چاہ کی تعذیر تو ظالم
تقصیر نہ ہو گی کبھی بار دگر ایسی

ہم بزمئی دشمن کو چھپانا ہی تھا قاصد
کہتا ہے کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی

نسیم

نسیم تخلص اور نام گلزار علی ہے۔ شرف الدین مسرور کا کہنا ہے کہ اس نے شعر کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جنت اگر ملے تو مجھے اب نہیں تلاش
اے وائے کیا کروں کہ ہے وہ رشک حور دور

غیروں کے ساتھ اس کو تو سارے تپاک ہیں
اک ہم ہی اے نسیم اڑانے کو خاک ہیں

نسیم

نسیم تخلص اور نام مرزا راجہ کیدار ناتھ بہادر ہے اور راجہ رام ناتھ بہادر کا پوتا ہے۔ متین طبیعت کا انسان تھا۔ پسندیدہ لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کے باپ دادا کا تعلق دربار سلطانی کی نظارت کی پیشکاری سے تھا۔ دو سال ہوئے اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

قتل ہاتھوں سے ترے عاشق رنجور ہوا
درد سر روز کا تھا خوب ہوا دور ہوا

نشاط

نشاط تخلص اور نام مولوی الٰہی بخش ہے۔ قصبہ کاندھلہ کا رہنے والا ہے علم و دانش والا ہے۔ مولانا عبدالعزیز مرحوم کی خدمت میں علمی فنون کی تعلیم حاصل کی اور امتیاز کے ساتھ اس کو مکمل کیا خاص کر فقہ میں اس کا ثانی نہیں ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :-

تیغ ابرو کا اگر کچھ بھی اشارہ ہو جائے   آپ کا نام ہو اور کام ہمارا ہو جائے

نشاط

نشاط تخلص اور نام ایسری سنگھ ہے بسنت سنگھ عرفیت ہے۔ قوم کا کائستھ ہے۔ اس کا بیٹا سندر داس خالصہ شریفہ کی سرکار میں متصدی (پیشکار) کے عہدے پر مامور تھا۔ خود کو انشاء اللہ خاں کا شاگرد کہا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :-

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا
تیرے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

پاؤں تک دسترس کہاں ہے نشاط   ہاتھ سے ہاتھ لگ نہیں سکتا

ہو اجازت تو ذرا لیجئے دم سایہ میں   تری دیوار کے آپہنچے ہیں ہم سایہ میں

تڑپھوں ہوں دیکھنے کو ہے وقت آخری یہ
وہ آئے یا نہ آئے یارو بلا تو دیکھو

نصیر

نصیر تخلص اور نام شاہ نصیرالدین ہے۔ سجادہ نشین ہے۔ شاہ صدر جہاںؒ

ے زمین جو کسی جاگیردار کے بجائے براہ راست بادشاہ کی ملکیت میں ہو۔ ح خ

خدا ان کی مغفرت فرمائے، کے خلفا میں سے ایک ہے۔ ساٹھ سال کے عرصہ سے ریختہ کے عشق میں مبتلا ہے۔ بیشتر مشہور شہروں مثلاً لکھنؤ اور حیدر آباد وغیرہ بار بار گیا ہے اور ہر شہر کے مشہور شاعروں کے ساتھ ملاقات کی اور ان کے ساتھ مشاعرے پڑھے ہیں اور (فن شعر میں) استادی کے بل پر نام کمایا ہے جہان آباد میں قیام کے دوران ہر ماہ کی پندرہ اور انتیس تاریخوں میں محفل مشاعرہ منعقد کرتا ہے اور سنگ لاخ زمینوں میں طرح (غزل) مقرر کرتا ہے۔ مجھ فقیر سے ملاقات اور شناسائی ہے۔ نیک انسان ہے اور عمدہ صفات کا حامل ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

پشت لب پر ہے ترے یہ خط ریحاں ایسا
منہ تو دیکھو لکھے یاقوت رقم خاں ایسا

نکلے تھی دم تیشہ زنی سنگ سے آواز
فرہاد یہ دشمن ہے تری جان کا لوہا

قیامت آپ کا قد اس کے دل پذیر ہوا
چھڑی لے سرو چمن بے نوا فقیر ہوا

کمان و تیر نمط ربط تھا مجھے اس سے
جب اس نے آپ کو کھینچا میں گوشہ گیر ہوا

خود بخود طاق سے شیشہ جو گرا اے ساقی
رشح تھی کس کی یہ مینائے مے ناب میں بند

قدم نہ رکھ مری چشم پر آب کے گھر میں
بھرا ہے نوح کا طوفان حباب کے گھر میں

کبھو نہ اس رخ روشن پہ چھائیاں دیکھیں
گھٹائیں چاند پہ سو بار چھائیاں دیکھیں

سب سے ملاؤ ابرو ہم سے نفاق رکھو
اس دوستی کو اپنی بالائے طاق رکھو

دیجے دل میں کیوں جگہ اس آہ بے تاثیر کو
جس میں پیکاں بھی نہ ہو رکھنا ہے کیا اس تیر کو

یہ عالم اس کے خط سبز نے دکھایا ہے
کہ جس کو دیکھ کے عالم نے زہر کھایا ہے

شوق نظارہ ترا کھینچ کے لایا تھا اسے
گرچہ تھی قیس کے پاؤں میں سلاسل بھاری

دیکھ لیتی جو اٹھا کر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ
لیلےٰ ایسا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

دل کا کیا مول بھلا زلف چلیپا ٹھہرے
تیری کچھ گانٹھ گرہ میں ہو تو سودا ٹھہرے

جنبش لب یہ قیامت ہے کہ جی اٹھے ہم
آج اک بات میں تم رشک مسیحا ٹھہرے

دل یہ کہتا ہے کہ مت یاد بتاں دلواؤ
چھیڑنے کا مرے پھر آپ مزا دیکھیں گے

دیکھنے بیٹھا جو وہ مہ اپنے گھر کی چاندنی | جب تلک بیٹھا رہا ہرگز نہ سرکی چاندنی
در پردہ آنکھ یار سے لڑتی ہے رات سے | نارنگہ کو رشتہ ہے چاک قنات سے

نظیر

نظیر تخلص اور نام شیخ ولی محمد اکبر آبادی ہے۔ اس کا گھر روضۂ تاج گنج کے قریب شہر کے باہر بتایا گیا ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے:

"وہ پورا شہر باغ شداد کے نمونہ کا ہے"

اس چمن زار کی توصیف میں ہر زبان پر یہی مثل آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ نظیر حلیمی، اخلاق اور انکسار میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھا۔ بچوں کو پڑھا کر گزر اوقات کرتا تھا۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ اس خاکدان سے روضۂ رضواں کو کوچ کر گیا ہے۔ اس کے اشعار بہت ہیں جو بازاری لوگوں کی زبان پر جاری ہیں لیکن اشعار کا انتخاب کرتے ہوئے ایسے تمام اشعار سے قطع نظر کیا گیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:

سبھوں کو مے ہمیں خوناب دل پلانا تھا
فلک ہمیں پہ تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد | وہ بھی کم بخت ترا چاہنے والا نکلا
داغ مرنے کا وہی محروم جانے جس کو آہ | موت آ پہنچی شتاب اور یار آباد یر کر
سرچشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ | حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ
عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے | دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

میں دست و گریباں ہوں دم بازپسیں سے
ہمدم اسے لانا ہے تو لا جلد کہیں سے
کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے

نظیر

نظیر تخلص اور نام گھنپت رائے ہے۔ ایک ہندو شخص ہے۔ شاہ نصیر کا شاگرد ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کیا زرد ہوئیں عشق کے آزار سے آنکھیں　　　ہم چشم ہیں اب نرگس بیمار سے آنکھیں

نظیر

نظیر تخلص ہے۔ بنارس میں رہتا ہے۔ خود کو سودا کا شاگرد کہتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں　　　رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم

نظام

نظام تخلص۔ نام عماد الملک غازی الدین خاں بہادر ہے۔ وزیر ہے۔ جلیل القدر امیر ہے۔ اس کے عالی شان احوال کو تفصیل و بیان کی حاجت نہیں ہے (یعنی سب جانتے ہیں) مرزا رفیع سودا اس کے ثنا گستروں میں سے ہیں۔ مرزا نے جو قصیدہ کافیہ اس کی مدح میں بڑے طمطراق سے کہا ہے وہ مشہور ہے اور خاص و عام کی زبان پر ہے اور بہت سی زبانوں میں اس کے موزوں اشعار ہیں۔ میر شمس الدین فقیر والد داغستانی ان کی خدمت میں بطور مصاحب رہتے تھے یہ پاکیزہ اشعار اس جناب کی فکر کا نتیجہ ہیں:۔

اعجاز لب اس کا دم عیسیٰ سے نہیں کم　　　وہ پنجۂ سیمیں ید بیضا سے نہیں کم

معدوم کو کیونکر کوئی ثابت کرے دانا　　　مضموں کمر یار کا عنقا سے نہیں کم

ے نظام کے یہ اشعار رام پور نسخہ میں نہیں ہیں بلکہ نولکشور والے نسخہ میں ہیں نسخہ نولکشور لکھنؤ میں یہاں اس شاعر کے بعد پورے پانچ شاعر سے　　　(باقی اگلے صفحہ پر)

زلف کا کھولنا بہانا تھا　　مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

چھپایا مانگ میں دل اب اسے میں ڈھونڈوں کدھر

کہ آدھی رات اُدھر ہے اور آدھی رات اِدھر

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسّر　　کیا جانیے کس وقت مری آنکھ لگی تھی

نعمیؔ

نعمیؔ تخلص اور نام نعمت اللہ ہے۔ غلام محی الدین عشق و مبتلا کا والد ہے۔ فارسی شاعری کی طرف طبیعت کا رجحان تھا اور کبھی کبھی ریختہ (اردو) میں بھی شعر کہا کرتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

زخم کی صورت چُراتا ہوں میں پانی تیغ سے

تشنہ رہتا ہوں سدا سے اس دم شمشیر کا

دل کو اس زلف سیاہ سے کب ہے آزادی نصیب

چھوٹنا مشکل ہے دیوانے سے گھر زنجیر کا

نعیمؔ

نعیمؔ تخلص اور نام نعیم اللہ خاں ہے۔ جہاں آباد کا باشندہ ہے۔ شاہ حاتم سے اپنے کلام پر اصلاح لیتا تھا۔ اس کی طبیعت کی ایجاد اس طرح ہے:۔

کوچہ یار سے دل ہم سے اٹھایا نہ گیا

مل گیا خاک میں اس طرح کہ پایا نہ گیا

آفت کی نشانی ہی رہے ہم تو زمیں پر　　جو سنگ جفا چرخ سے ٹوٹا سو ہمیں پر

حاشیہ گذشتہ سے آگے:۔

نہیں ہیں۔ یہ پانچ شاعر ہیں۔ نعمیؔ، نعیمؔ، نعمتؔ، نکہتؔ اور نواؔ　ح خ

خیال کرکے تری مو کمر کو روتا ہوں وہ کیوں نہ رو پڑے جس کے بال آنکھوں میں

نعمت

نعمت تخلص اور نام حکیم عبدالحق ہے۔ یہ شخص نہایت شکستہ حال اور منکسر مزاج ہے مگر دردمند اور غم گسار دوست ہے۔ سکندر آباد کے برہمنوں میں سے ہے۔ اس کا نام ہر سہائے تھا۔ اس کو قدرت سے بصیرت ملی ہے۔ بلوغت کی عمر کو پہنچتے پہنچتے اس کا دل کفر کی رسوم سے اٹھ گیا اور اسلام کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ کچھ عرصہ دل کی آرزو زبان پر نہ لا سکا۔ بظاہر زبان و لب پر بتوں کی یاد تھی اور اس کے دل میں ذکرِ خدا رہتا تھا۔ آخر کار پردہ اٹھا مولانا عبدالعزیز خدا ان کی قبر کی مٹی کو پاک صاف رکھے اور جنت مقام فرمائے ان کے آستانے کے ربانی علما کے بتائے ہوئے خدا پرستی کے راستے کو اس نے اختیار کیا۔ باطن کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ظاہر کو بھی سنوارا اور مولانا سے مختلف انواع کے فیوض حاصل کیے۔ مجھ فقیر سے بھی پُر خلوص تعلق تھا۔ چند سال ہوئے اس دارِ محن سے دارِ عیش کو کوچ کر گیا۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔

یہ اشعار اسی کی فکر کا نتیجہ ہیں:۔

پوچھ مت ایام ہجراں میں تھا کیا اسباب زیست
اپنا خوں پیتا رہا، اور تیرا غم کھاتا رہا

ظالم نہ پوچھ مجھ سے مری سرگذشت تو اب کیا تجھی سے تیری ہے جور و جفا کہوں
تڑپھے ہے پڑا یہ دل غمگیں بغل میں اب آ کہیں اے باعث تسکین بغل میں
زلفوں کا اب تصور آنکھوں پھر رہے ہے سودا کہیں نہ ہووے یہ مجھ کو ڈر رہے ہے
ہر چند ضبطِ گریہ ہم نے کیا ہے تو بھی یہ آستین و دامن ہر وقت تر رہے ہے

نکہت

نکہت تخلص اور نام نذر علی بیگ ہے۔ شاہ نصیر کے ممتاز شاگردوں میں

سے ہے۔ شاہی مدح خوانوں میں ہے۔ سکندر نامہ کا ریختہ (اردو) میں ترجمہ کر چکا ہے۔ ایک مرتبہ اس کی ایک داستان مجھے بھی سنائی تھی۔ یہ اشعار اس کے ہیں؛

آج ایک پردہ نشیں کو ہے مرے گھر آنا
آئیو اے ملک الموت تو کہہ کر آنا

دل نجا شب گر دزلف یار کے
صبح ہو جائے گی ماری مار کے

نوآ

نوآ تخلص اور نام ظہور اللہ خاں بدایونی ہے۔ بقاء اللہ خاں بقا کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کیا تھا اور مرشدزادہ عالم مرزا جہاں دار شاہ کی سرکار سے خوش فکر خاں کا لقب پایا پھر لکھنؤ چلا گیا وہاں پر جرأت سے اس کی نوک جھونک رہی اور اس کی تعلی اور کثرتِ کلامی کے باعث لوگوں نے اس کی بہت دل آزاری کی۔ لہٰذا اس نے شہر ترک کرنے میں ہی مصلحت جانی۔ دری (فارسی) سیکھنے کی خاطر ایران کا رخ کیا۔ واپس آنے پر دوبارہ لکھنؤ آ گیا۔ آج اس کو وفات پائے ہوئے تین سال گذر گئے ہیں۔ لمبی عمر پائی۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

تیر بہ تیر ناز کا دل پہ مرے گزار تھا
رخنۂ زخم ہر خدنگ دیدۂ انتظار تھا

اس اوج تک تو سیل سرشک اپنا جا پھرا
جس میں کہ ابر جوں کف دریا بہا پھرا

سانس بھی سینہ میں اب کھٹکے ہے میرے پھانس سی
کیا ہی زوروں پر چڑھی ہے ناتوانی ان دنوں

اس پائے حنائی پر رکھتا ہوں جو میں سر کو
کس ناز سے وہ ہنس کر کہتا ہے کہ بس سر کو

تھکا ہے منزلوں کا یا پیام یاس لاتا ہے
الٰہی خیر کیوں نامہ بر کچھ سست آتا ہے

حاجتِ تیر و کماں ہے سخت جانوں کے لیے
قتل کو میرے ذرا ابرو پہ بل درکار ہے

ہے گرفتاری سے میری سارے عالم کی نجات
شور نالہ سے مرے ہر شخص شب بیدار ہے

اٹھانے کو کسی نے پھر نہ میری آستیں پکڑی
برنگ نقش پا اس در پہ جبیں نے زمیں پکڑی

نوازش

نوازش تخلص اور نام نوازش حسین خاں ہے۔ مرزا فانی کے نام سے مشہور ہے۔ نواب ناصر خاں کا پوتا ہے۔ میر سوز کے شاگردوں میں سے ہے۔ صاحب دیوان ہے لیکن اس کا دیوان میری نظر سے نہیں گذرا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

نہ باتوں باتوں میں بات نکلی اسی کے شاید بس اتنے ڈر سے
عزیز جب تک جیا نوازش کسی سے کرتے سخن نہ دیکھا

مرے چشم خونبار کے کر حوالے　　رنگا چاہے گر ارغوانی دوپٹا
یہ بل کرتا ہے تو نوکِ مژہ کی آبداری پر　　تجھے بھی طنطنہ کتنا ہے اتنی سی کٹاری پر
مجھے رونا نہ اپنے حال پر کس طرح سے آوے　　نوازش برق بھی ہنستی ہے میری بیقراری پر
یہ سانس ہے پیکان ہے نشتر ہے کہ دل ہے　　کانٹا سا کھٹکتا ہے یہ کیا دیکھئے بر میں
اس تُند خو سے بوسے میں نے بصد سماجت　　جب سو پچاس مانگے تب تین چار ٹھہرے

نیاز

نیاز تخلص اور نام مولوی نیاز احمد ہے۔ صوفی مشرب اور نیک طینت ہے۔ بریلی میں رہتا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

وہ جو نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی
سو کشش نے دامن ناز کی اسے یاں بھی مٹا دیا

مجھے چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
یہ جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

صبر و قرار و شکیب طاقت و تاب و تواں　　اور تو سب چل بسے رہ گئی اک جان تو

ہجر کی جو مصیبتیں عرض کیں اس کے روبرو
ناز و ادا سے مسکرا کہنے لگا جو ہو سو ہو

نیاز

نیازؔ تخلص اور نام میر محمد ہے۔ اکبر آباد کا رہنے والا ہے۔ بچوں کو پڑھانا اس کا کام ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

کہاں ہے دسترس اپنی جو پہنچے تیرے دامن تک
نہ پہنچے ناتوانی سے یہ ہاتھ اپنے گریباں تک

حرف واؤ

واقفؔ[1]

واقفؔ تخلص ہے۔ فیض آباد میں ایک درویش تھا۔ حقیقت میں اشعار دل چسپ کہے ہیں۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

سرد ہے بازار خوباں گرم بازاری نہیں — کتنے یوسف دیکھتا ہوں پر خریداری نہیں
خوبرو ہو کے باوفا ہووے — میں نہ مانوں اگر خدا ہووے
عشق میں کیا فضل و ہنر چاہیئے — آہ میں تھوڑا سا اثر چاہیئے
صبح پر وصل یار کی ٹھہری — ہائے پر انتظار کی ٹھہری

والہؔ

والہؔ تخلص ہے۔ فیض آباد کے ہندوؤں میں سے ہے۔ دہلی بھی آچکا ہے یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اعجاز لب اس کا دم عیسیٰ سے نہیں کم — وہ پنجۂ سیمیں ید بیضا سے نہیں کم[2]

---

[1] نسخۂ نولکشور میں سلسلہ سے ہٹا ہوا ہے [2] نظام کے ذیل میں بھی ہیں۔ ح خ

معدوم کو کیونکر کوئی ثابت کرے واؔلہ　　مضموں کمر یار کا عنقا سے نہیں کم

واؔلہ

واؔلہ تخلص اور نام مرحمت خاں ہے۔ کشمیری ہے۔ اسی شہر میں رہتا تھا اور لکھنؤ کے ایک انگریزی اخبار کے عملہ میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے باپ دادا بہت عزت و وقار والے لوگ تھے۔ فارسی میں بھی شعر کہتا تھا اور (اس میں) ثاقب تخلص رکھتا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

گنے جو بندوں میں اپنے تو ایکبار مجھے　　تو خلق میں ہو خدائی کا اعتبار مجھے

ہے عیاں جلوہ ترا انسان کی تصویر سے　　صورت معنی ہو ظاہر لفظ کی تحریر سے

واؔصف

واؔصف تخلص اور نام حسن بخش خاں ہے۔ اعظم الدولہ نے اس کو اپنے چچا کا بیٹا اور شاگرد لکھا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

آتا ہے دل میں چاک گریبان کیجئے　　صحرا کے آج چلنے کا سامان کیجئے

واؔصل

واؔصل تخلص اور نام محمد واصل ہے۔ شاہی زنان خانہ کا افسر اعلیٰ ہے یہ شعر اس کا ہے:۔

سرگرم ناز کیوں نہ ہو وہ رشکِ آفتاب　　عالم میں اس کے حسن کا بازار گرم ہے

وجؔیہہ

وجؔیہہ تخلص اور نام نواب وجیہہ الدین خاں بہادر ہے حسام الدولہ نواب حسام الدین خاں بہادر کا چھوٹا بھائی ہے جو شاہی کارکنوں کا افسر اعلیٰ رہا ہے

ہے. فارسی میں بتریں تخلص کرتا تھا. یہ شعر اس کا ہے :۔

تسکین نہ درد دل کو نہ آج ہو نہ کل ہو　　بے یار بے کلی ہے وہ ہی ملے تو کل ہو

وحشت

وحشت تخلص ہے. جعفر علی حسرت کے شاگردوں میں سے ہے. اِس سے زیادہ اُس کا حال معلوم نہیں ہے. یہ شعر اس کا ہے :۔

آہ آگے تو نکلتی تھی جگر سے باہر　　اب جگر نکلے ہے خود دیدۂ تر سے باہر

وحشت

وحشت تخلص اور نام میر ابو الحسن ہے. اسی شہر جنت نشان جہان آباد کا رہنے والا ہے. یہ شعر اس کا ہے :۔

میں نے شروع نزع میں کی تھی تجھے خبر　　پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا

وحشت

وحشت تخلص اور نام غلام علی خاں ہے. میر فرحت اللہ خاں کا فرزند اور مولانا محمد رشید الدین خاں مرحوم و مغفور کا داماد ہے. کریم النفس لوگوں کی نسل سے ہے اور عالی مرتبت خاندان کا چشم و چراغ ہے. اس کی ولادت مراد آباد میں ہوئی اور بنارس و شاہ جہاں آباد میں پرورش اور تربیت پائی ہے. انگریزی سرکار کے ممتاز عہدوں پر بلند شہر میں زندگی بسر کرتا رہا ہے. سخن گوئی اور سخن فہمی کے آسمان کا روشن ماہتاب ہے. معنی آفرینی اور مضمون بندی کی بلندی کا خورشید خاور ہے. اس کی فکر کے رنگین پھولوں کا گلدستہ مہ جبینوں کی محفل میں سجایا جاتا ہے اور اس کے اشعار کے جواہر نازنینوں کے گلے کا ہار بنتے ہیں. اس کے کلام کا یہ دبدبہ ہے کہ لاکھ نہ چاہنے پر

بھی حاسدوں کے منہ سے طعنہ وطنز کے بجائے اس کو سن کر بے اختیار نعرۂ تحسین بلند ہو جاتا ہے۔ اس کی گفتگو کا اسلوب ایسا ہے کہ اس کو سن کر جب اس کے مخالفین سخت جواب دینا چاہتے ہیں تو ان کی زہریلی مسکراہٹوں کے باوجود ان کے منہ سے دل کو خوش کرنے والی باتیں از خود نکل جاتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ شاعری کا میدان اس کے اصیل گھوڑے کے سُموں سے روندا ہوا ہے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ شاعری کا کوچہ اس کی عمل داری میں ہے اور قطع نظر اس امر کے اس کی عمر کم ہے اور عنفوان شباب میں ہی اس نے بیشتر فنون میں بلند درجہ حاصل کر لیا اور اعلیٰ مقام بنا لیا اور اپنی عمر کے تقاضے سے عشق کے رموز سے آشنا و بیقرار ہوا۔ اس کے چہرے سے ہی اس کا سرتا پا ہونا ظاہر ہے۔ وہ مخلص نفاق سے اس درجہ دور ہے کہ برسوں سے میرے اور اس کے درمیان محبت قایم چلی آئی ہے اور شش جہت میں ہماری یگانگت اور یکدلی کا شہرہ ہے۔ مومن خاں کے شاگردان رشید میں سے ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار اس نکتہ داں کے کلام سے لیے گئے ہیں:۔

دِقّتِ مضمون سے لکھا مری تقدیر کا
کھل گیا اس پر کہ یہ خط ہے اسی دلگیر کا

بسکہ رنج افزائے طبع نازک جاناں نہیں
آسماں پر ہے دماغ اس آہِ بے تاثیر کا

اس نے دکھلایا جو خط غیر منہ فق ہو گیا
ہاتھ آیا اپنے یہ نسخہ نیا اکسیر کا

تھی زبس مرضیِ قاتل تو جدا زندہ ہوا
روزِ محشر سر بے تن تنِ بے سر میرا

غیر سے گر نہیں بے پردہ ہوئے ہو تو پھر
آپ کا بند یہ کیوں روزنِ دیوار ہوا

ہے منا ہی کہ نہ کھینچے کوئی مجنوں کی شبیہ
اس قدر اب مری صورت سے وہ بیزار ہوا

دل ترا سنگ ہے پر آگ نہ نکلی گا ہے
رخ ترا آئینہ ہے پر کبھی حیراں نہ ہوا

آئتیں حرمت صہبا کی سناتا ہوں اسے
ذکر سن سن کے رقیبوں کی مے آشامی کا

منفعل ضعف جنوں سے ہوئے ایسے کہ نہ پوچھ
طوق آہن جسے سمجھے تھے گریباں نکلا

سارے عالم سے صفائی ہوئی اپنی وحشت — کیا مکدر کہیں وہ آئینہ رخسار ہوا

مرے مرنے کی خبر غیر کو یوں دیتے ہیں — مر گیا وحشت جانباز تری جان سے دور

اے دل آسان نہیں جور اٹھانے اس کے — نوجواں یار ہے وہ کچھ فلک پیر نہیں

اڑ چکا ہے جو بہ شدت سے قلق کی بالکل — رنگ رخ میں مرے اس واسطے تغیر نہیں

مجھ کو کثرت نے گناہوں کی بچایا ہے کہ واں — ایسے مجرم کی مقرر کوئی تقدیر نہیں

جو نہ جاتا ہو کہیں کوچہ جاناں کے سوا — ایسے دیوانے کو کچھ حاجت زنجیر نہیں

دل میں عدو کے بڑھ گئی کیا الفت آپ کی — کچھ ان دنوں میں پہلے سے لطف و کرم نہیں

سن سن کے مجھ سے شکوۂ لطف عدو کہا — ان کو تو کچھ بھی رشک جفا و ستم نہیں

ناصح یہی تو عینِ محبت کی بات ہے — ان کو جو میرے مرنے کا ہجراں میں غم نہیں

جوش وحشت سے یہ حالت ہے کہ سایہ مجھ سے — یوں گریزاں ہے کہ سایے سے گریزاں ہوں میں

پھر سے وحشت مری دن پھرنے کے جو دیکھا اس نے — گردش چشم ہوئی گردش دوراں مجھ کو

میں تو میں سچ تو یہ ہے دشمن نہ بدلے اے فلک — ملگجا اس کا دوپٹہ چادرِ مہتاب سے

میں تو انساں ہوں یہ بے تابیٔ دل ہے وہ بلا
ہجر کی شب خواب اڑ جاتا ہے فرش خواب سے

گرم غم خانہ ہے اتنا آہ آتش بار سے — بھاگتی ہے دھوپ میری سایہ دیوار سے

جلوۂ جاناں کہاں مجھ کو نصیب اے بوالہوس — حیرت آتی ہے ہجومِ حسرت دیدار سے

دشمنوں کو بھی ہوا شوق شہادت ان دنوں — اڑ گئی ہے آب کیا ظالم تری تلوار سے

بے تکلف آئے وہ بہر تماشا وقت نزع — کام آساں ہو گیا یہاں مردن دشوار سے

ناز و شوخی دیکھا کرتا ہے صرف بزم سور — وہ ستمگر لے کے میرا خوں بہا اغیار سے

نازکی سے کسب طاقت ناتوانی دیکھنا — جان آتی ہے نگاہِ نرگس بیمار سے

دیکھوں کیا سوئے بہشت آنکھیں مری — اٹ رہی ہیں خاکِ کوئے یار سے

کیوں نہ باطل سمجھوں اقرار وفا — سحر ٹپکے ہے تری گفتار سے

خط کے آنے سے گئی شرمِ سخن — آئینہ طوطی ہوا زنگار سے

نالہ میرا روز و شب سن سن کے عادت ہو گئی | اہل عالم اب نہیں مرنے کے بانگ صور سے
بزم میں ہر دم گریں کیونکر نہ ہم اغیار پر | ہے سیہ مستی نگاہِ نرگسِ مخمور سے
تکرار ہے اسی کی خصامت ہو پند گو | گالی میں ان لبوں سے جو آیا مزا اسے
گزرا اس اعتماد محبت سے میں خدا | مجھ سے چھپائیں کاش وہ الفت رقیب کی

کہیں مورد جفائے یار کے ہم ہوں نہ بعد اس کے
مرے مرجانے کا اغیار کو اس واسطے غم ہے

تیر پر تیر ناز کا دل پہ مرے گزار تھا | رخنہ زخم ہر خدنگ دیدۂ انتظار تھا
اس اوج تک تو سیلِ سرشک اپنا جا پھرا | جس میں کہ ابر جوں کف دریا بہا پھرا

سانس بھی سینہ میں اب کھٹکے ہے میرے پھانس سی
کیا ہی زوروں پر چڑھی ہے ناتوانی ان دنوں

اس پائے حنائی پہ رکھتا ہوں جو میں سر کو | کس ناز سے وہ ہنس کر کہتا ہے کہ بس سرکو
تھکا ہے منزلوں کا یا پیام یاس لاتا ہے | الٰہی خیر کیجیو نامہ بر کچھ سست آتا ہے
حاجت تیر و کماں ہے سخت جانوں کے لیے | قتل کو میرے ذرا ابرو پہ بل درکار ہے
ہے گرفتاری سے میری سارے عالم کی نجات | شور و نالہ سے میرے ہر شخص شب بیدار ہے
اٹھانے کو کسی نے پھر نہ میری آستیں پکڑی | برنگ نقش پا اس در پہ جب میں نے زمیں پکڑی

وحدت

وحدت تخلص اور نام جمعیت رائے ہے۔ میرٹھ کے کائستھوں میں سے ہے یہ شعر اس کا ہے:۔ ہر دم ہے عندلیب کو اب عزم نا مگی
فصل بہار آتے ہی اس کو ہوا لگی

۵ آخری آٹھ اشعار نسخہ رام پور میں نہیں ہیں البتہ نو لکشور نسخہ میں ہیں یہی آٹھ اشعار نسخہ رامپور میں نوا کے ترجمہ میں دیئے گئے ہیں ۔ ح خ

وزیر

وزیر تخلص اور نام خواجہ وزیر ہے۔ شہر لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور شیخ ناسخ کے خاص شاگردوں میں سے ہے۔ ایک عزیز نے یہ اشعار اس کے نام سے پڑھے تھے:۔

فتنہ تو سو رہا ہے درفتنہ باز ہے — ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے
اے بت تو تم نے بھی خدائی کی — ایک عالم نے جبہ سائی کی

وزیر

وزیر تخلص اور نام وزیر علی خاں ہے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم و مغفور نے اس کو اپنا فرزند بنا لیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد اس کی جانشینی سے اہل فرنگ نے اختلاف کیا اور اس کو معزول کیا۔ اس کو اس منصب سے برطرف کر دینا اور اس کا اپنی بدقسمتی اور ستارے کی گردش سے ان کے ہاتھوں میں پڑ کر پریشانی اٹھانا مشہور ہے۔ اس داستان سے سب واقف ہیں۔ ان تمام بدبختیوں میں وہ الجھا اور قیدی بنایا گیا۔ گرفتاری کے وقت اس نے یہ مطلع کہا تھا:۔

اٹھ گئے محفل سے سارے یار اور ہلچل پڑی
اے خلل انداز گردوں اب تو تجھ کو کل پڑی

یہ شعر اس کا ہے:۔ بعد رنجش کے مزا ملنے سے کچھ حاصل نہیں
گر تمہیں الفت نہیں اپنا بھی اب وہ دل نہیں

وسعت

وسعت تخلص اور نام مستقیم خاں ہے۔ قوم کا افغان ہے۔ قدرت اللہ

شوق کے شاگردوں میں سے ہے اور رامپور کا رہنے والا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

وائے قسمت ایک گالی کی ہوئیں دو تین چار
وقتِ گفتن جب زباں پر اس کے لکنت آگئی

وِصال

وِصال تخلص اور نام نصراللہ خاں ہے۔ حکیم ثناراللہ خاں فراؔق کا بیٹا ہے فن طب کے ماہرین میں سے ہے۔ بہت باصلاحیت شخص ہے۔ پسندیدہ اطوار کا مالک ہے۔ شاعری کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

آئینہ گھورنے کو سب سے نرالا نکلا
منہ تو دیکھو یہ بڑا چاہنے والا نکلا

وَالا

وَالا تخلص اور نام مظہر علی خاں ہے۔ سلیمان علی خاں وداد کا بیٹا ہے کہ جو فارسی کے مشہور شاعروں میں سے ہے۔ میر نظام الدین ممنون کا شاگرد کہا جاتا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

یوسف کا جو نقشہ در و دیوار پہ کھینچا
کیوں تو نے زلیخا نہ دل زار پہ کھینچا

وَلی

وَلی عالمگیر بادشاہ کے عہد کا شاعر ہے۔ اس بات پر اختلاف ہے کہ ریختہ میں سب سے پہلے شاعری اس نے کی ہے یا اس سے پہلے بھی اس زبان میں شاعری شائع ہوئی ہے۔ بہرحال تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اس زبان میں شاعری تو بے شک اس سے پہلے ہوئی ہے مگر وَلی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے اس مرتبہ کی شاعری اس زبان میں نہیں ہوئی تھی۔ اس گفتگو (یعنی ولی کی اولیت) کا سبب بھی دراصل یہی امر ہے۔ حالانکہ اس زبان اور ہمارے زمانے

رائج زبان میں سورج اور چاند یا یوں کہیں کہ رات اور دن کا فرق ہے گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں زبانیں ایک نہیں ہیں لیکن بہر حال ریختہ کے تمام شعراء پر اس کی استادی کا حق ثابت ہے۔ زمانے کی دوری کو الگ رکھ کر جب اس کا دیوان دیکھا گیا تو واضح ہوا کہ محاورہ بندی سے قطع نظر (کہ یہ اس کے قابو کی بات نہ تھی) بعض جگہ مضمون ٹھیک باندھ لیتا ہے۔ یہ اشعار اس کے دیوان سے لیے گئے ہیں:-

طاقت نہیں کسی کو کہ ایک حرف سن سکے
احوال گر کہوں میں دل بے قرار کا

آئے ولیؔ ہماری طرف تیغ ناز لے
اس شوخ کو خیال اگر ہے شکار کا

مسند گل منزل شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

جنون عشق ہوا اس قدر زمیں کو محیط
کہ پارسا کو ہوئی موج بوریا زنجیر

دو رنگی سے تری اے سرو رعنا
کبھی راضی کبھی بیزار ہیں ہم

خط کے آنے نے خبردار کیا گل رو کو
نشہ ہوش ہے اس بادۂ ریحانی میں

اک دل نہیں آرزو سے خالی
بر جا ہے محال اگر خلا ہے

مرا دل مجھ سے کر کے بیوفائی
پسند خاطر خوباں ہوا ہے

ترک کر اے رقیب فرعونی
آہ میری عصائے موسیٰ ہے

ولیؔ

ولیؔ تخلص اور نام مرزا ولی محمد ہے۔ خاندانی اعتبار سے دہلی کا رہنے والا ہے لیکن مرشد آباد میں جا کر بس گیا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

کبھی جو زلف اٹھاوے تو منہ نظر آوے
اسی امید میں گزرے ہے صبح و شام ہمیں

بند قبا چمن میں جو وہ یار وا کرے
لے برگ گل کو ہاتھ میں پنکھا صبا کرے

حرفُ الھا

ہادی

ہادؔی تخلص اور نام میر محمد جواد علی خاں ہے۔ عماد الملک مرحوم و مغفور کے مصاحبین میں سے ہے۔ عمر کے آخری حصّہ میں گوشہ نشین ہوگیا تھا اور سن ۱۲۱۵ھ میں انتقال کرگیا۔ اس کی یادگار ایک دیوان ہے جس سے یہ اشعار منتخب کیے گئے ہیں:۔

تونے پہچانا نہ یار اس کو تغیر حال سے ۔۔۔ ورنہ کوچے میں ترے ہادؔی مکدر ہوگیا

کچھ آج شکستہ ہے بہت رنگ رخِ گل ۔۔۔ صیاد نے کس بلبل شیدا کو ستایا

ہے حشر یقین ہم کو صنم جب سے خدا نے ۔۔۔ آشوب قیامت تری قامت سے دکھایا

کیا ہے کس کی مجھے یاد زلف نے بیمار ۔۔۔ کر پیچ و تاب میں ہے تار تار بستر کا

چمن میں ہادیٔ نازک مزاج جب آیا ۔۔۔ لیا جنوں نے رگ گل سے کام نشتر کا

دے زندگی اپنے سے نہ خاطر کو تعلق ۔۔۔ دل راہ پشیمان ہے یارِ سفری کا

کیا مضائقہ اس میں ہم بھی گر ہوئے رسوا ۔۔۔ شوق تھا بڑا تم کو اپنی خود نمائی کا

نہ تجھ سے ہادؔی کو شکوہ ہے کچھ نہ سودا کو ۔۔۔ بلا کشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا

محمل لیلیٰ دلِ مجنوں ہی تھا پھر کیوں عبث

در پئے ناقہ ہوا سرگشتہ کیا دیوانہ تھا

دل ہوا آگہ نہ ہادؔی سن کے حالِ رفتگاں

بلکہ بہرِ خوابِ غفلت یہ بھی اک افسانہ تھا

اندیشہ کچھ نہ کر مری فریاد و آہ کا ۔۔۔ فریاد رس ہے کون تری داد خواہ کا

میرے اعمالِ بد کی شامت سے ۔۔۔ روسیہ مفت ہوگیا کاغذ

ہادی ہزار سبزے اُگے اور جلے پر آہ
آیا نہ میری خاک پہ وہ گل بدن ہنوز

حالت خستگی و ضعف ہوتا اس پہ عیاں
ہم رہ نامہ ہمیں بھیجنی تصویر ہے شرط

اٹھتا ہے جائے نالہ میرے دل سے اب غبار
اس خاکداں میں آہ مکدر ہوں یہاں تلک

صدقے ترے ہو کے مر گئے ہم
کرنا یہی تھا جو کر گئے ہم

خنداں خنداں جدھر پھرا وہ
گریاں گریاں ادھر گئے ہم

ہم تو مدت سے مر گئے ہادی
یار کو اب تلک خبر ہی نہیں

کسی پر نہ ہوگی ہرگز پس مرگ یہ عقوبت
کہ جو زندگی میں ہم پر ہوئے ہیں عذاب تجھ بن

یہاں تو نالے نے جگر آب کیا ہے ہادی
پر خدا جانے کہ اُس دل میں اثر ہے کہ نہیں

جی میں حسرت نہ رہے زخم کی تیرے قرباں
قتل کے بعد بھی پھر کیجیو تو وار کئی

ہاشمی

ہاشمی تخلص اور نام میر محمد ہاشم ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور سودا کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

مرا سو بار اس تک نامہ بُرِ آرزو پہنچا
ادھر سے پر جواب صاف پہنچا جب کبھو پہنچا

دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا نکہت سے سنبل کی
مشامِ آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا

ہاشمی

ہاشمی تخلص ہے۔ اس کا احوال معلوم نہیں ہے البتہ اس کا اصل وطن جہان آباد شہر ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

نشہ نے میکشوں کے کیا فلک سر پر اٹھایا ہے
کہ مست ابر سیہ ہو کر چمن میں جھوم آیا ہے

مجھے تھا دھیان زلفوں کا جو وہ خورشید رو آیا
خدا نے غم کی راتوں میں خوشی کا دن دکھایا ہے

ہدایت

ہدایت تخلص اور نام ہدایت خاں ہے۔ ثناء اللہ خاں مرحوم کا چچا تھا کہ جن کا تخلص فراق تھا اور خواجہ (میر) درد مرحوم و مغفور کے مریدوں اور شاگردوں میں سے ہے۔ اس کی طبع جملہ اصناف سخن پر مکمل حاوی تھی اور وہ ان تمام کے نکات اور باریک معانی پر پوری قدرت رکھتا تھا۔ سن ۱۲۱۵ھ میں اس نے اس جہان فانی کو الوداع کہا اور عشرت جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ یہ اشعار اس کے دیوان سے لیے گئے ہیں :۔

نہ رحم اس کے ہے جی میں نہ دل میں اپنے صبر
ہماری گزرے گی کیوں کر الٰہی کیا ہوگا

دیکھ اس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا
بس میری جان دو ہی پیالوں میں چھک گیا

ناتوانی کا بھی احساں ہے مری گردن پر
کہ ترے پاؤں سے سر مجھ کو اٹھانے نہ دیا

چاہا میں درد دل کہوں پر اس کے روبرو
جوں زخم یکدگر لب اظہار مل گیا

جس دم زباں پہ یاد ترا نام آگیا
کچھ دل کو چین جان کو آرام آگیا

کٹتی ہی نہیں یہ ہجر کی شب
یا رب کیا آج سو گئی صبح

سینے کے ترے کھلتے ہی اے مری جان بند
آئینہ ساز کر گئے اپنی دکان بند

ہنستے ہیں آپ اپنے رونے پہ ہم ہدایت
گریہ میں اب ہمارے تاثیر ہے تو یہ ہے

شب ہجراں میں تری صبح کے ہوتے ہوتے
استخواں شمع صفت بہہ گئے روتے روتے

کرتا نہیں ہے جانے کو دل کوئے یار سے
گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یہاں رہے

صبا کوچے سے اس کے مت اڑانا خاک کو میری
مبادا گرد اس کے چہرۂ گلفام پر بیٹھے

ہرچند

ہرچند تخلص اور نام ہرچند کشور ہے۔ راجہ جگل کشور بادہ فروش کا پوتا ہے

یہ شعر اس کا ہے۔

پردۂ ظلمات دل پر سے وہیں سب اٹھ گئے   شمع رو نے جب چراغ بزم کو گل کر دیا

ہمدم

ہمدم تخلص اور نام عباد اللہ خاں ہے۔ رام پور کا رہنے والا ہے۔ کٹیھر کے رئیس نواب فتح علی خاں کا بیٹا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

تو گرفتار ہوں کچھ رسم مجھے یاد نہیں   اس لیے لب پہ میرے نالہ و فریاد نہیں

کس کو حال دل غمگیں ہیں سناؤں اپنا   قیس صحرا میں نہیں کوہ میں فرہاد نہیں

ہمزہ

ہمزہ تخلص اور نام شاہ ہمزہ ہے۔ دہلی کے درویشوں میں سے ہے عظیم آباد (پٹنہ) چلا گیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

ہائے کس کس کے تئیں بیٹھ کے ہم یاد کریں   غم مجنوں کریں یا ماتم فرہاد کریں

ہمت

ہمت تخلص اور نام اخوند ہمت ہے۔ رام پور کا رہنے والا ہے۔ وہاں کے آدمی زادوں (یعنی عام لوگوں) میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

عجب گردش میں اپنی ان دنوں اوقات کٹتی ہے

غنیمت ہے کوئی ساعت جو تیرے سات کٹتی ہے

ہوش

ہوش تخلص اور نام غلام مرتضی خاں ہے۔ اسی مبارک شہر (دہلی) کا رہنے والا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

جان گر تن سے جدا ہو تو جدا ہو سیکن | جان منظور نہیں تیری جدائی مجھ کو
بلاغ ہستی کی وہیں سوجھ گئی کیفیت | مے گل رنگ جو ساقی نے پلائی مجھ کو
زاہد کا دل نہ خاطر مے خوار توڑیئے | سو بار توبہ کیجئے سو بار توڑیئے

ہوش

ہوش تخلص اور نام میر شمس الدین ہے۔ میر سوز کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے۔

یار ہنستا ہے چشم تر کو دیکھ | گریہ ٹک اپنے تو اثر کو دیکھ

ہوش

ہوش تخلص اور نام مرزا محمد تقی خاں ہے۔ لکھنؤ کے بڑے لوگوں میں سے ہے۔ عادات پسندیدہ کا رکھنے والا ہے۔ اوصاف حمیدہ کا منبع و مخرج ہے۔ شاعری کا بہت شوق ہے جو ہوس کی حد کو چھوتا ہے۔ اس کی شاعری مصحفی کی نگاہ سے گزری ہے۔ یہ اشعار اس کے دیوان سے منتخب کیے ہیں:۔

نزع میں ہم نے عجب طرح سے دلشاد کیا | آئی ہچکی تو کہا اس نے ہمیں یاد کیا
جانا ہوس کی بزم میں تجھ کو روا نہیں | بدنام ہے تو دوستی گل سے اے صبا
مجھے کیا اگلے زمانے کی خبر سچ تو یہ ہے | کہ ترے عہد میں تجھ سا کوئی پیدا نہ ہوا
محشر میں ساتھ لے نہ گیا کیوں نشان یار | سینے سے میں نکال کے پیکاں خجل ہوا
دی مجھ کو درد عشق نے غم میں بھی اک خوشی | رونے پہ میرے دیر تلک وہ ہنسا کیا
انکار سے کیا تمہارے صاحب | بندہ تو غلام ہو چکا اب
ہوس جب ذکر آ جاتا ہے اس کا | زباں ہوتی نہیں دو دو پہر بند
رنجش کا انھوں نے بھی کیا وقت نکالا ہے | مجھ سے وہ بگڑتے ہیں جب جب سنورتے ہیں
یہی ہے سوچ مجھے چین کیونکر آئے گا | جو یاد تیری ادائیں مزار میں آئیں

غش آ نہ جائے دیکھ کر فصاد کو کہیں
پردے سے اپنا ہاتھ نہ باہر نکال تو

میں درد دل کہوں تجھ سے تو کھل کھلا کے ہنسے
نہ میری سادہ دلی نہ ترا لڑکپن جائے

تڑپا نہ ترا صید ترے تیر کو کھا کر
اس ڈر سے کہ پہلو سے نہ پیکان نکل جائے

مجنوں سے ہوش ہو دیں گے ہم چلکے مقابل
تھوڑی سی توانائی بھی ہم کو اگر آئے

حرف الیا

یآد

یآد تخلص اور نام میر غلام حسین ہے۔ مولانا عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے رشتہ داروں میں سے ہے۔ مولانا فخرالدین طاب ثراہ کی خدمت میں رہ کر کسب باطن کرتا رہا ہے اور شاعری کا فن ثنار اللہ خاں فرآق سے حاصل کیا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

ہے کون جو ہو ابروئے خمدار کے آگے
رستم بھی نہ ٹھہرے تری تلوار کے آگے

یآس

یآس تخلص اور نام خیرالدین ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ آدمی خوش مزاج ہے۔ آج کل شعر نہیں کہتا ہے۔ مومن خاں (مومن) کی خدمت میں رہ کر ان کے علم و بصیرت سے استفادہ کرتا ہے۔ فی الحال طب پڑھنے اور سیکھنے میں لگا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی باعث شاعری چھوڑی ہوئی ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

ہوں وہ ثابت رہِ الفت میں کہ جوں نقش قدم
جب تلک مٹ نہیں لیتا نہیں اصلا ہلتا

اس طرف کو دیکھنا بھی ہے تو شرمایا ہوا
اب تلک ہے آنکھ میں شب کا سماں چھایا ہوا

زانو کے پاس کہاں اور سر دلدار کہاں
ہم نشیں بات وہ کر جس کا ہو کچھ بھی سرپاؤں

ربط غیروں سے بڑھا مجھ سے وفا چاہتے ہو
دل میں سمجھو کہ یہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو

عشوہ و ناز و ادا طعن سے کہتے ہیں مجھے
ایک دل رکھتے ہو کس کس کو دیا چاہتے ہو

عاشق زرد رخ اپنے کے جلانے سے حصول
سمجھو تو سونے کو تم خاک کیا چاہتے ہو

شربت وصل نہ پینے دو نہ سم کھانے دو
کیا قیامت ہے نہ جینے دو نہ مر جانے دو

ہے ستم میرا وہ بے تابی سے در پر جانا
اور ترا ناز سے کہنا اسے مت آنے دو

لب بند ہوں لذت سے جو نام آئے زباں پر
لے کیا کوئی بوسے لب شیریں کے تمہارے

وصل جاں سوز سے پروانے کو کیا ہوتا ہے
کم ہی ٹھنڈا کوئی قسمت کا جلا ہوتا ہے

دم تو لے تیغ تلے اے تپش دل تھم جا
دیکھ قاتل کا مرے دھیان بٹا جاتا ہے

گردن غیر پہ خنجر کو ہنسی سے رکھنا
وہاں تجھے کھیل ہے یہاں کام ہوا جاتا ہے

پوچھیں گے چارہ نو بندگی سنگدلاں
کہ برہمن ہیں پرستار کہن پتھر کے

مجھ کو تسبیح عقیق اپنی پہنا دی اس نے
دب گیا ہاتھ تلے سینکڑوں من پتھر کے

کاش میں پردے کا شکوہ ہی نہ کرتا ان سے
بے حجابی نے کیا اور بھی بے تاب مجھے

یقین

یقین تخلص اور نام انعام اللہ خاں ہے۔ ظہور الدین خاں کا بیٹا ہے۔ خاندان کے اعتبار سے سرہند کا رہنے والا ہے لیکن وہ خود جہان آباد میں پیدا ہوا اور یہیں پرورش پائی۔ مرزا مظہر کے ساتھ بے حد وابستہ تھا اور اس کو ان کا شاگرد ہونے کا فخر بھی حاصل تھا۔ اچھا اخلاق اور خوش مزاج طبیعت پائی

تھی۔ جب وہ ۲۵ سال کا تھا اس وقت کسی نے اس کے والد کو قتل کر ڈالا۔ قتل کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ شاعری کے فن میں جو بلندی درکار ہے وہی اس کے فن کا نمک یا خوبی بھی ہے۔ اس کی شاعری میں حسب دل پسند شیرینی ہے۔ اس کا دیوان میں نے دیکھا ہے اسی سے یہ اشعار منتخب کر کے یہاں درج کر دیئے ہیں

یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہر گھڑی صحرا نشینی پر نہ کر جرأت یقیں ۔۔۔ آگئی تھی راس مجنوں کو بیاباں کی ہوا
آشنا کوئی جہاں میں کبھو بیوفا نہ تھا ۔۔۔ ملتے ہی تیرے مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا
جو کچھ کہیں یہ تجھ کو یقیں ہے سزا تری ۔۔۔ بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا
خار سے مژگاں کے جی ملتا ہے میرا بیطرح ۔۔۔ رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کف پا بیطرح
بہار آخر ہوئی ہے اب تو سینے دے گریباں کو ۔۔۔ یقیں کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن بس کر
تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دِوانہ ہوتا ۔۔۔ آج اس طرح کا دیکھا ہے پری زاد کہ بس
کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق ۔۔۔ اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں
اس عشق کی کشور میں لٹتا ہے حق و باطل ۔۔۔ پرویز کو دیں افسر فرہاد کا سر چیر۔ بس

خسرو کے منہ پہ چڑھنا اور بے ستوں سے بھڑنا
کچھ عاشقی نہیں ہے زور آزمائیاں ہیں
یقیں بتوں کا ہوا جب سے بندہ تب سے ہے داغ
جو ہووے کافر اسے کس طرح عذاب نہ ہو

ان گنہ گاروں میں ہوں میں کہ مرے کے مارے ۔۔۔ جی نکلتا ہے مرا دور سے جلاد کو دیکھ
گلا تو پھٹ گیا ہے نالہ و فریاد سے میرا ۔۔۔ قیامت دور ہے کس دن ملے گی داد کیا جانے
یار کی بات ہمیں کون سناتا ہے یقیں ۔۔۔ کب کوئی گل کی دوانے کو خبر کرتا ہے
اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے ۔۔۔ نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

نہ دے فرصت کہ ان ہاتھوں سے کچھ کام اور بھی نکلے
ہم آخر ہوں گے دامن گیر اس چاک گریباں کے

دل چھوڑ گیا ہم کو دلبر سے توقع کیا
اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانوں کو کیا کہیئے

کیا قیدی شرع گل میں اور پرواز اول میں
نہ دی فرصت زمانے نے ہمیں صحن چمن کی

اپنے بندوں کو جلا کر داغ رکھتے ہیں یقیں
ان بتوں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں تو سہی

جس کو منظور ہو مرنا اسے جینا ہے عذاب
ہے دم پاک مسیحا دم شمشیر مجھے

جور و جفا میں یار بہت ہو گیا دلیر
کرتے تو کی یہ راس نہ آئی وفا مجھے

یکرنگ

یکرنگ تخلص اور نام مصطفےٰ خاں ہے۔ اسی شہر کا رہنے والا ہے۔ مرزا مظہر علیہ الرحمہ کا شاگرد ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی انفرادیت میں طاق تھا اور ریا کاری کا شائبہ نہ رکھتا تھا۔ ہاں اس مبارک نام (یعنی مصطفےٰ خاں) کی بھی تاثیر ہے کہ جو سرور عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بنا پر باعث برکت ہے کہ اس نام کے مالک مرد مومن کا دل نفاق سے دور رہتا ہے اور ناموں کی تاثیر اشخاص (مسمیٰ) پر مسلم الثبوت ہے۔ اچھے لوگ ہی اچھے نام اختیار کرتے ہیں۔ اسی باعث شاید اس نے یہ تخلص اختیار کیا تھا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

کیوں ہوتے ہو تم کہو دشمن ہمارے اس قدر
دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے پیارے اس قدر

ڈھتا ہوں اس سبب ہر بار میں
تا گلے تیرے لگوں اے یار میں

نگہباں چاہیئے مدہوش کے پاس
تری آنکھوں سے کیوں کر دل جدا ہو

کیا جانئے وصال ترا ہو کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر چلے

جدائی سے تری اے صندلی رنگ
مجھے یہ زندگانی درد سر ہے

یوسف

یوسف تخلص اور نام میر یوسف علی خاں ہے۔ حکیم قدرت اللہ خاں عشق کے شاگردوں میں سے ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

نہیں ہے غیر کے قصّہ کی کچھ ہم کو خبر یوسف
زباں پر رات دن اس یار کا افسانہ رکھتے ہیں

خاتمہ:۔

خدا کا شکر و احسان ہے کہ خیال کی یہ خوب صورت دلہن بخیر و خوبی حاصل ہو گئی اور فکر کا بے حساب جمال محبوب آغوش میں سمانے کے لیے آیا۔ ہوس کو عشق کی منزل آسان ہوئی۔ عشق کا درجہ اس قدر بلند ہوا کہ آنکھ اس کے نظارے کی چمک سے سیر نہیں ہوتی اور دل اس خوف سے معذور ہوا جاتا ہے کہ پلکوں تلے کی نگاہ کو اپنا نقطۂ عروج حاصل نہ ہو جائے (یعنی کثرت چمک سے بصارت نہ چلی جائے) جیسا کہ عربی کی کہاوت ہے۔ تکاد العیون تاکلھا والقلوب تشربھا کہ آنکھیں کھا جاتی ہیں اور دل پی جاتے ہیں اور اس تمام کو محض جمع کر دینے سے ہی فکر و خیال کی الجھی زلفیں نہیں سنور جاتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے اس خود آرا محبوب کا اسلوب سادگی سے باندھا ہے اور یہ لائق محبت بے تکلفی کے لباس میں آیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے کہ جہاں گائیگی کا دعویدار موسیقی کی الف بے سے واقف نہ ہو، میں اگر ہانسری کا خواستگار ہوتا تو زہرہ فلک سے آجاتا اور عطارد ہوش کھو دینے والی سیٹیاں بجاتا۔ لیکن دور تک دیکھنے والی نگاہ کے سامنے یہ تھا کہ یہ رنگ فارسی کے تذکرہ میں بکھر جائے اور ہر شخص ایک الگ انداز سے سامنے آئے اور بات گہرائی سے خالی نہ ہو۔ وقت کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اختصاراً اور سلامت روی بروئے کار آئے اور وقت کے فرمان کے سامنے سر خم ہے اور میرے لیے یہی مناسب ہے کہ

میں سطریں گویا حوروں کے رخساروں پر لکھوں (یعنی انتہائی نزاکت کے ساتھ) دونوں سمت کی ہواؤں اور پھولوں پر معطر نسیم کے مانند لکھوں اور اس کے معانی و مطالب کانوں کے لیے سامانِ لذت ہیں جیسے نغموں کی صدا اور ساز کے تاروں کی جھنکار۔ خدا تعالیٰ کے لیے حمد و ثنا ہے اور درود وسلامؑ سیدالانبیاؐ اور ان کی آل اولاد اور ان کے صحابہ پر کہ جو ہدایت کا درخشاں ستارہ ہیں اور سلام ان تمام لوگوں پر کہ جو بدعت سے کنارہ کریں اور خواہشات کی بندگی نہ اختیار کریں۔

مولف کا قطعہ تاریخ

حسرتی چوں گلشنِ بے خار بست — تازہ و خرم بعالم گلشنے
نغمۂ تاریخ اِتمامش سرود — عندلیبِ فکر خرم گلشنے
۱۲۵۰

تاریخ مومن خاں کی فکرِ آبدار کا نتیجہ

اس تذکرے کا جو ترجمہ ہے بھایا — مومن کو خیالِ سالِ تاریخ آیا
مضمون کا ہجوم دیکھ کر فرمایا — کیا گلشنِ بے خار پہ بادل چھایا

ایضاً

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا — ہے شیفتہ جس کی جانِ معنی
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا — کوئی نہیں قدردانِ معنی
افکار بلند سے بتایا — نُہ چرخ پر آسمانِ معنی
ہر فقرۂ نثر جانِ مضمون — ہر شعر رواں روانِ معنی
کیا بات ہے منتخب کی تیرے — اے منتخب جہانِ معنی
ہر نقطۂ انتخاب تیرا — خالِ رخِ دلبرانِ معنی
تیرے جو سخن سے ہے سرفراز — الفاظ کا پایہ شانِ معنی

معنی ہے ثنا طراز الفاظ　　الفاظ ہیں مدح خوانِ معنی
اے تازہ بہار باغِ مضموں　　اے گلشن بے خزانِ معنی
ہے تذکرہ یا ریاضِ فردوس　　فردوس ہے یا جنانِ معنی
مومن نے جب اس بہارِ رنگیں کی　　سیر گل و ضیمرانِ معنی
آیا ہے خیالِ سالِ اتمام　　تھا وہ بھی تو باغبانِ معنی
غنچہ کی طرح سے سرفرد تھا　　یک چند وہ ہمزبانِ معنی
جب نغمہ سرا نہ ہو سکا وہ　　دستان زن داستانِ معنی
ہاتف نے کہا ہے اس کی تاریخ　　گلدستۂ گلستانِ معنی

قطعہ تاریخ زادہ طبع نواب فخرالدین محمد خاں المتخلص بہ خرد

چون جناب شیفتہ گلچین دہر　　گلشن بے خار را از خار رفت
مل جمع خرد تاریخ او　　نغمہائے طوطیان ہند گفت

جناب مومن خاں مومن کے گہربار قلم کی ایک تقریظ

مومن ہوس مدیح خوانی دارم　　نیسانم و جوشِ در فشانی دارم
از بہر نثار گو ہر درج سخن　　صد لعل زکان نکتہ دانی دارم

طوطی کو شکر معانی کی لذتِ شوق سے منہ میں پانی آتا ہے تو وہ ناچار میٹھے نغمے گاتا ہے اور بلبل کو باغ کی بہار رنگینی بیانی پر آمادہ کرتی ہے اور وہ پھول سے اپنے آشیانے تک پہنچتا ہے، بلبل کو غزل سرائی چھوڑنا دشوار ہوتا ہے اور وہ اسی مستی کو یاد کر کے نالہ و فغاں کرتا اور سر کو پٹکتا ہے۔ آئینہ کے سامنے اپنا رخ معصوم اور سادہ رکھتا ہے اور شفاف عکس کو نہار کر جان نثار کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ ہے کہ شعلہ کے مانند چمکتا ہوا حسن محفل گرم کرتا ہے ایسی چکاچوند ہے کہ نگاہ گرم سے تماشا کرنے والی آنکھ کا پردہ نہیں جلتا، شمع کا حسن

دنیا کو جلا کر خاک کر دینے والا ہے۔ کیا مجال ہے کہ جگر کو جلا کر خاک کرنے والے شوق کی آگ وجود پروانہ کے شبستان میں ہزاروں مشعلیں نہ جلائے مسیحا کی سانس ہر چار طرف معجزے کرتی ہے۔ بیمار کی زبان کو ہزار آفرین ہے اور ایک محبوب خستہ تن عاشق کے سرہانے پہنچا ہے اس وجہ سے مومن کے سامنے جنت کے دروازے کُھل گئے ہیں۔ شکر گذار بندے کیوں نہ آئیں گے اور بت خانے کی کنجی برہمن کے ہاتھ آگئی ہے تو ویدوں کی قرأت کرنے والی زبان کیوں نہ کُھلے گی۔ طور کو جلانے والا شعلہ اپنا سایہ ڈالے ہوئے ہے خدا کے دیدار کی طلب کرنے والا موسیٰ علیہ السلام اس کی حمد و ثنا میں سرگرم ہے اور آگ کی لہر یوں بلند ہوتی ہے جیسے گھوڑا دو ٹانگوں پر کھڑا ہو جاتا ہے جنگاریاں برسانے والی زباں کی مالک بوڑھی عورت کو نغمہ سرائی پر مجبور کیا گیا ہے کہ جو پہاڑ پر نہر کھودتے ہوئے فرہاد کے سر پر پہنچتی ہے۔ کوہ بے ستون کے پتھر فرہاد کے تیشہ کی صدا کو شکست نہ دے پائے اور صحن زنداں میں کشمیر کا گلزار چلا آیا ہے۔ دیوانے کی زباں کو زنجیر نہیں باندھ پائی اور جنت کے مقام محمود میں بیٹھ کر مناجات نہ پڑھی جائے تو کیا بُرا ہے۔ خرد کی محفل میں شرکت پا جانے والا خاموش نہیں بیٹھتا ہے۔ جہاں فرصت دینے والا ساز بجنے کو آمادہ ہوا وہی جگہ خوش گلو مطرب کے موجود ہونے کی بھی ہے اور لطف و انبساط کی محفل بھی وہیں ترتیب پا جائے گی۔ کسے ہوئے باجوں کے پردوں سے نکلتی ہوئی آوازیں جیسے شراب کی صراحی سے قلقل کی سامع نواز صدا زنداں میں گشت کرتی ہے۔ پیمانہ چھلکتا ہے مگر بکھرتا نہیں اور ارغنوں کی آواز آسمان سے آتی ہے۔ جاں گداز سانسیں دل کو پسند آتی ہیں۔ خوشبو میں ڈوبی ہو مشام جان کو تازہ کرتی ہے۔ یہ سب جب ہوتا ہے تو فوری پہنچتا ہے اور نسیم بہار مشام جان کو عطر عبیر بناتی ہے اور لازمی طور پر حمد باری تعالٰے بلند ہوتی ہے۔ رباعیات ؎

این غنچہ کہ رنگ صد گلستاں دارد — بوئے چو نسیم باغ رضواں دارد
بشگفتہ د ماغ باغ دلہا شگفاند — لب بستن قاہ قاہ امکاں دارد
ہر زمزمہ بر اصل طرب میریزد — ہر نقش بر آہنگ عجب میریزد
این نغمہ دلکشا زبانِ کہ سرود — بیخواستہ احسنت زلب میریزد

شاعروں کو خوش خبری ہے کہ معنی نواز شیفتہ نے سخن شناسی کا حق ادا کر دیا اور سخن شناسوں کو مژدہ ہو کہ شاعری پر نالہ و شکایت بلند کرنے والی عام طبائع کا اس میں آدھا بھی نہیں ہے۔ نکتہ دانی نزع کے عالم میں تھی کہ اس معجز نما عیسیٰ نفس شخص کے ہاتھوں اس نے دوسری زندگی پائی ہے اور بے ثمرے پن کا سر آسمان تک جا لگا تھا کہ اچانک گویا پردۂ عدم سے پھر لحنِ داؤدی بلند ہوا اور نغمہ سرا ہوا ہے۔ سخن شناسی میں بے تمیزی کا وجود مٹ گیا ہے۔ نارسائی حرف غلط کے مانند ناپید ہوئی ہے۔ اب تحصیل علم کے لیے سفر چین کی ہرگز حاجت نہیں ہے اور ٹیڑھی نظر رکھنے والے لوگ عیب بینی کے جہاں سے گزرنے پر ماتم سیاہ پوش ہیں اگر ناہید کی زباں ہے تو وہ محض اس کی پرواز کی مدح سرائی کے علاوہ زباں نہیں کھولتا ہے۔ اگر خورشید اپنے پنجہ کو جنبش دے گا تب بھی اس کی دلکش تحریر پر انگلی نہ رکھ پائے گا۔

رباعی۔

آن شیفتہ کز خرد گرامی باشد — سرخیل سخن وران نامی باشد
اکنون کہ حسد نماند الا لعدم — محسود ثنائی و نظامی باشد

ایک نظم کہ جو اچھی تھی خوب پسند آئی اور ایک شعر کہ جو انتخاب کیا گیا تھا منتخب ثابت ہوا اور ایک غزل کہ جو لکھی گئی تھی کسی چاقو چھری کی مدد کے بغیر صفحۂ دل سے از خود مٹ گئی اور ایک شعر کہ جو بڑا نے کے علاوہ زباں پر کبھی نہیں آیا ع

زہی انتخاب و زہی منتخب

بے کار شئے کو چھوڑنا بھی بے کار لوگوں کا کام ہے۔ اچھے کو قبول اور دل نشیں کرنا بات پہچاننے والے کو بہت پسند آتا ہے اور اگر کوئی بات پہچاننے والا نہیں ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتیں چننے والا یا نکتہ چین طبیعت کا ہے تو سمجھ لو کہ وہ شخص علم کی بلندی سے ناواقف ہے اور کسی شئی کے فہم و ادراک سے نابلد ہے اس کی دانش ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آنا مشکل ہے اور قوت گویائی اس کے اوصاف بیان کرنے سے مجبور ہے۔ اس کی شان میں سخن سنجی کی آیت نازل ہوئی اور اس کی برابری کی بات مشرکین کے مذہب میں بھی غلط قرار پائی ہے۔ اس کے دلکش اشعار نے خود سخندانی کے تن کو بھر دیا ہے اور اس کے بے مثال معانی کے دفتر نے معانی کا بے مثال جہاں بنا دیا ہے اور اس کے گہرے اور عمیق غور و فکر کے دائرے نے خود کردہ آسمان پر جز و لا یتجزی دائرہ بنا دیا ہے اور اس کی فکر اپنی پستی میں بھی ستاروں کی بلندی کو چھوتی ہے اور اس کی دلکش نثر جب حرکت میں آتی ہے تو رقاص فلک عطارد نبات النعش سے نکل کر بھاگ جاتا ہے اور اس کی نظم کی بلندی فلک نشیں ثریا کو شرماتی ہے۔ اس کی کتاب میں جو بھی سطر ہے وہ کہکشاں کو ماند کرتی ہے اور اس کے اشعار کی موزونی ایسی لاجواب ہے کہ جو دیگر شعرا کے حوصلہ شعر گوئی کو ختم کرنے والی ہے۔ رباعی۔

خورشید ز رشک رائی تابانش سوخت ۔۔۔ مہ از حسد فروغ او جانش سوخت
از بہر خمیر انجم افلاک سپند ۔۔۔ بر نثر کتاب و نظم دیوانش سوخت

اس کو جہان آباد کا باشندہ ہونے کی سعادت حاصل ہے لیکن وہ اس بات کو اپنے لیے ناز کا سرمایہ نہیں شمار کرتا ہے کیونکہ خوبی اور کمال کو اصفاہان سے نسبت ہوتی ہے اور کلیم اس سے انکار کر دے کہ اس نے ہمدان میں پرورش پائی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کا چپہ چپہ نقش و نگار رکھتا ہے۔ اس کے ویرانے بھی آباد ہیں۔ یہ شہر کچھ اس طرح کا ہے کہ اس کے ہر کھنڈر کی خاک کو والوند کے

زرہ تن مماثل ہے اور اس کی لطافت ایسی پُر بہار ہے کہ جیسے مصلی کے جیسے چمنستان اس کے آگے سجدہ گذار ہو اور رکنا باد کا دریا اس کی نہر فیض کے آگے رشک سے رنجور ہو کر آنسو بہاتا ہے۔ ازراہ مہربانی اس نے ریختہ کے شاعروں کا حال بیان فرمایا ہے اور ان کے اشعار میں سے اکّا دکّا بطور نمونہ فراہم کر دیا ہے۔

فارسی شعرا نے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہندی میں نالہ و فریاد کا طریقہ ایجاد کیا اور عربی زباں والوں نے اس نالہ و فریاد کے بے کس اور بے اعتبار طریقہ کو اس درجہ ہندی شاعری میں رواج دے کر استناد بخشا ہے کہ اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ شاذ و نادر آتے ہیں۔ آج عالم یہ ہے کہ دیسی محاورے خود ستائی کی بنا پر فصاحت کے حامل سمجھے جانے لگے۔ عبدالوسع (ہانسوی) اور وَلی (اورنگ آبادی) کا کوہ و صحرا میں ڈنکا بجنے لگا۔ خسرو کو نظامی پر ترجیح دینا بھی عجیب نہیں لگتا اور جامی کو جامی سے بے سبب بڑھایا جاتا ہے۔ سوداؔ کی شاگردی نے اس درجہ اعتبار پایا ہے کہ اخطل واعشی (عربی نامور شعرا) کو کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے۔ وہ میرؔ کی معجز نوائی گرہ کھولنے والا ہے۔ اس کا انتخاب شعری معصوموں کی پیشانی پر بل لانے والا ہے اور کم سن و کم سمجھ ارباب اس کے انتخاب پر اپنی شکلیں بگاڑ لیں گے۔ اس کی طبع روانی اس کی تصنیف کو تالیف بناتی ہے اور اسکی باریک فکر اس کی تالیف کو تصنیف کا درجہ عطا کرتی ہے۔ اگرچہ وہ دوسروں پر تبصرہ کرتا ہے مگر وہ خود اس پر بھی تبصرہ ہے کیونکہ وہ غیر معمولی مضامین کا موجد ہے اور نئے نئے معانی کا پیدا کرنے والا ہے۔

ندیدم چنین شاعری نکتہ سنج — کہ ریزد ز کلکش گہر گنج گنج

بدقت اگر موشگافی کند — زموئی میان شعر بافی کند

قلم ران بملک سخن گستری — ز آوازہ دارد جہان داوری

اگر سرو را مصرعی بستہ است | زشادی خوش از جائے بر جستہ است
طلاقت شکر خند تقریر او | عذوبت زبان بند تحریر او
شرف داد خود را بہ میزانِ شعر | چہ کرسی نشین است از وشانِ شعر
حلاوت دہ ذوق شوریدگان | پسندش پسند پسندیدگان
ترا و د اگر از لبش آفرین | دمد جان دران شعر روح الامین
چو نظم ثریا کند انتخاب | شود نقطہ از کاستن آفتاب
بہ نطقِ گدائے چو جنبد سرش | ز سلطان بر د شاہ بیت افسرش
اگر مصرع زلف پیچاں شکست | ز فہم در ستش نگیرد بدست
سند تا ز طبعش نیارد بہار | شگفتن زگلہاست بی اعتبار
نگاری کہ در کف حنا بستہ است | ز مضمون رنگینش حجت بدست
چو رائے منیرش نداند صواب | افق خط کشد مطلع آفتاب
ز تحسینِ او حسن معنی بناز | ہزار آفریں بر چنیں امتیاز

سبحان اللہ کیا کتاب ہے کہ محبوبوں کے مکتوب سے زیادہ دل لبھانے والی ہے اور (ساتھ ہی) اس مکتوب کا عتاب گریہ گزاروں کی برداشت سے زیادہ کا ہے۔ اس کی سیاہی (روشنائی) مہ رخوں کے وصال کی شب سے وہی نسبت رکھتی ہے کہ جو ہلال ابرو کو ناخن کے ساتھ ہے اور اس کی کتاب (یا کتاب کی سپیدی) سپیدۂ صبح پر خورشید چہرہ زہرہ جبینوں کے گلے کی سپیدی کے مانند ہنستی ہے اور حیرت و یاس کے مارے اپنی نگاہوں کے سامنے اسے رکھ کر فیض دیدار اٹھاتے ہیں۔ محبوب سے ہم آغوشی کی آرزو رکھنے والوں کے لیے یہ معجزہ کا حکم رکھتی ہے کہ جو مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا سکتی ہے اور اس (کتاب) کے زندگی بخش الفاظ جبریل علیہ السلام کے لائے ہوئے ان لفظوں سے کم نہیں ہیں کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کے لبوں پر آکر مُردہ تن میں جان ڈالتے تھے اور اس کا ہر صفحہ مضمون کی رنگینی کے باعث

(خوب صورت روغنی) تصویر کا صفحہ ہے۔ اس (کتاب) کا ہر ورق معنی کی شگفتگی وتازگی سے کشمیر کے چمن زاروں میں شگفتہ پھول کی پتی کے مانند ہے۔ فراق کے عالم میں ایوبؑ کی بیقراری مشہور ہے اور یعقوبؑ کی آنکھیں شوق واشتیاق زیادہ ہونے سے ترچھی ہوگئی تھی۔

خوش گفتار واعظ اپنے وعظ میں جنّت اور حورانِ جنت کے تذکرے کو حرام کردے اور ایک مکاری کا عادی عبادت گزار اپنی عبادت میں مکاری کا جزو شامل کردے اور پھر اس کو ذہن سے محو بھی کردے۔ وہ آنکھ کہ جو دیکھتی ہے روشن آنکھ ہے، وہ کان کہ جو سنتا ہے (یقیناً) سننے والا کان ہے، کوشش کرنے پر لعنت زدہ خردمندوں میں شامل ہوجاتا ہے اور طعنہ بازی کرنا گویا اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ اس کی تحسین کو اعتبار کی سند حاصل ہے کیونکہ اس کے پاس ناممکن کو دیکھنے والی عقل ہے (یعنی دوسروں کے پاس اعتبار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے) اس کی نفرت دراصل فطرت کی پستی اور کمال کے نقص کے ادراک کا نتیجہ ہے (یعنی ذاتیات سے بالا ہے) کسی کا مضمون اگر دوسرے کے پلّے نہ پڑے تو یہ نہ سمجھو کہ اس مضمون میں کچھ نہ تھا بلکہ شاید اس بلندی تک اس کی رسائی نہ ہو پائی دراصل یہ ہے کہ ستائش سراسر انصاف ہے اور جہالت کی زائدہ کاوش سے تحریر میں کیڑے ڈالے جاتے ہیں اور یہ بے ہودہ بات ہے اور عیب دیکھنا کورا اندھا پن ہے۔ ؎

از نالہ ماتمی ملک غم نکند — نفرینِ کسان قدر فلک کم نکند
رد کردہ خالق وخلایق باشد — ابلیس اگر سجدہ بر آدم نکند
کوری کہ گرفت خوردہ بر مہر منیر — بگزار کہ چشم او ندارد تنویر
گر کحل کسی ہمہ جواہر دارست — بینا نشوند دیدہ ہائے تصویر

؎ حالانکہ حضرت ایوبؑ اپنے صبر کے لیے مشہور ہیں ـــــ ح.خ

میں اسکا ہمزبان ہونے پر ناز کرتا ہوں اور اس کی قدر دانی کی بدولت میں دولت سے بے نیاز ہوگیا ہوں۔ ہر ایک در میں جو میں نے سوراخ کیا ہے (یعنی دست طلب بڑھایا ہے) تو اس نے احسان اور نیکی کے سیکڑوں موتی نثار کر دیئے ہیں اور میرے منہ سے نکلی ہر ایک بات پر وہ اپنے لب پر ہزار آفرین لے آیا ہے۔ شیریں بیانی کی لذت سے جب تک لب شکرین نہ ہوجائیں تو معنی کا کیا مزہ اور (کیا عجیب بات ہے کہ) شعلہ برسانے والے دل کا گرم خون دہکتے رخسار والوں کی صحبت سے ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ کیا دل آتش بیانی کی گرمی میں لپیٹ کر بھی اس کے درجہ تک پہنچ پائے گا کہ خودستائی کو اگر سنت شعرا میں نہ شمار کرسکا تو انصاف کی زبان سے میں اس کی تعریف بیان نہ کرسکوں گا اور اگر میں بدظن جاہلوں کی بدگمانی سے آگاہ نہ ہوتا تو میں بھی دیگر لوگوں کے ساتھ ستائش کے جال میں پھنس جاتا۔ بلاشبہ شائستگی کی بنا پر میں نہیں لکھ رہا ہوں کیونکہ نااہل احمقوں کا خوف مجھے دامن گیر ہے۔ بے زبانی کے باعثِ تو خطا کی معذرت سے واقف نہیں ہے اور معذرت میں خموش رہ کر تو طول طویل مدح خوانی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے :۔

تفصیل راستم کش ایجاز می کنم
یک حرف می نویسیم وصد ناز میکنم

اختصار کا خوف (بیجا) اس درجہ دامن گیر ہے کہ دل کو پسند آنے والی دعا کو ہی کہیں بھلا نہ بیٹھوں۔ اول یہ ہے کہ عاجزی اور انکساری سے سخن پیدا کرنے والے خالق کی بارگاہ میں اثر پذیر شور آسمان و زمین کے درمیان بلند کرتا ہوں تاکہ زندگی کو تقویت دینے والا حرف زبانوں پر جاری ہو اور دل کو پسند آنے والی اس کی بات اور اس کا ذکر خیر بلند ہو تاکہ اس میں دل کو پسند آنے والے مطالب و معانی تذکرہ میں آئیں اور

اس کا کلام زبانوں پر وظیفہ ہو جائے اور اس کا نام نامی ان اشعار کی شہرت سے زمانہ بھر میں مشہور ہو۔

ابیات

شیفتہ آں ساحر معجز بیاں — کز دمش اعجاز و افسوں ہمزباں
دست او را در نگاہ نکتہ بین — صد ید بیضا بود در آستین
گفت نظمش را ملک سحر حلال — لاف سحر سامری شد خاک مال
نازہائیش دل پسند شاعری — نے رگ گردن کمند شاعری
نالۂ عاشق چہ آید در شمار — طبع او موزوں تر است از قد یار
برگزیدہ نیندی از اشعارہا — حرف دلکش چیدہ از گفتارہا
لختی از تعریف شاعر ہم نوشت — دیگری با ایں صفتہا کم نوشت
بو بہار نظم رنگ تازہ بست — نے سخن اوراق گل شیرازہ بست
نغمہ ہائے گلفشاں تا برکشید — تیغ رشک او سحر بلبل برید
از پی تاریخ سال ایں کتاب — ہر سخنور مصرعی کردی حساب
گفت مومن نکتہ پرداز اجل — انتخاب دل پسند بے بدل
بسکہ با یکتائیش افتاد کار — نیست از اعداد ثانی در شمار

ایک تقریظ جسے مولانا محمد صدر الدین خاں بہادر المتخلص بہ آزردہ نے اس تذکرہ پر رقم فرمایا ہے :-

خداوند تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ معانی کا وفور از خود نگاہ کی غوطہ خوری کے بغیر، فکر کے دریا سے سخن کے بہترین موتی نکال کر بیان کے ساحل پر بکھیرتا جاتا ہے اور آفرین ہے۔ رنگین مضامین کی بھرمار پر کہ جو طبع کے بادلوں سے آبیاری حاصل کیے بغیر ہی خیال کے ویران دشت سے فکر کے گھنے درختوں پر از خود نمودار ہونے کو بے تاب ہوتے ہیں اور الفاظ کی دوشیزاؤں کے گیسو فکر کے ہاتھوں سنورنے سے بے نیاز ہیں (یعنی دلکش الفاظ از خود آتے ہیں)

اور معانی کی حسیناؤں کو بغل گیری کے جوش بے حد نے جی بھر کر بھینچا اور سجایا ہے اصل یہ ہے کہ دل معانی و مطالب کی رنگینی و بوقلمونی سے نگارخانہ چین کا نمونہ ہے اور طبع مظامین کی شگفتگی و تازگی سے جنت الفردوس کو مات کرتی ہے۔ شعر ایک کے بعد دوسرا سلسلہ در سلسلہ مطالب کے گروہ سے نکل کر از خود آتا ہے۔

یہ قیاس جھوٹ ہے کہ اس کے جیسا اسلوب و انداز ستائش دیگر توصیف نگاروں کے گروہ کے سر میں بھی ہوگا کیونکہ کائنات کی دلہن کو سجانے سنوارنے والے نے ستاروں اور ساتوں سیاروں کے موتی جڑے جھمکوں اور سامان آرائش سے زیب و زینت بخشی ہے۔ کوئی بھی کتاب اس کتاب کے جیسی حسن و ترتیب کے ساتھ آج تک معرض تالیف میں نہیں آئی۔ اس کتاب کی مثال یہ ہے کہ گویا قدرت کے نقش طراز نے امکان کی کتاب کے صفحات کو بعض تصاویر کے انوکھے نقش و نگار سے سجایا ہے۔ اس کتاب میں بنائے گئے نقش سے بہتر نقش تو خود ہستی کی لوح پر بھی نہیں ہیں۔ اس چمن کی بہار ہمیشہ قایم رہنے والی ہے کیونکہ ہندی شاعری اور فارسی نثر کی مٹھاس اور نمکینی کو برابر سے چھڑک کر نمک اور فارسی قند کو باہم ملایا گیا ہے تاکہ جوہرین دھاگہ میں معانی کے موتی پرو دیئے جائیں۔ زمانے کی رفتار نے عمان دریا کے مانند کساد بازاری کے غبار میں اپنا منہ چھپا لیا ہے گناہوں کے گلوبند زریں دھاگوں اور موتیوں کے ہاروں کے مانند ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں۔ زمانہ کے انگور سے ٹپکا ہوا کسیلا عرق زبانوں پر تلخی سے بھی بڑھ کر تلخ ذائقہ دے رہا ہے۔ جنگلی پھولوں کا ڈھیر اور بادشاہی دولت کا خزانہ برابر ہو گئے ہیں۔ خزاں رسیدہ افکار، عدن کے گم گشتہ خزانہ اور معدن کے گم نام دفینوں جیسے درم ماہی کے مانند گھٹیا ہو گئے ہیں۔ لالہ کے پھولوں کی سرخی محض آگ کا ڈھونگ ہی ہے۔ والہ داغستانی کا دل منوں مٹی کے ڈھیر کے نیچے حسرت کے داغوں سے جلنا بند ہوگیا

ہے کشتی موتی کو دریا میں واپس لائی ہے۔ آذر کے آتش کدہ کو لالہ کے داغ کے مانند خاک میں ملا دیا۔ کم سن لڑکوں کی تمانچہ خور کشتی پچھتاوے کے پانیوں کے بھنور میں ہے اور موسیٰ کی کتاب میں بھی اگر ناکارہ بچوں کی مشق کو اکھٹا کر دیا جائے تو وہ بھی ایسی نہ ہوتی کہ اس کو فراہم کر کے لایا جاتا۔ معنی و مطالب کے پھیلانے والے شعرا کا یہ تاج، کمال اور ہنر رکھنے والوں میں انتخاب، غزل کا بہترین شعر، لیاقت و صلاحیت کا سفینہ، قصیدے کی عمدہ ترین بیت، فضیلتوں اور خداداد ہنر مندی کا حامل، قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ کا درجہ رکھنے والا، دولت و اقبال کا مالک، تمام خوبیوں اور نیک خصلتوں سے بھرا رموز و اسرار سے بھرا خوان، خداوند تعالےٰ کے نازل کردہ فیوض میں کتاب کو اختیار کرنے والا، سخن طرازی کے گلشن کی ٹھنڈی جاں بخش ہوا، نکتہ پردازی کے چمن کے پھولوں کی خوشبو کو آزاد کرنے والی معطر ہوا، اعلیٰ فطرت، بلند ہمت، پاک نہاد، نیک روشن، فرشتہ صفت، برگزیدہ شخصیت، پاکیزہ طینت، روشن ضمیر، تہذیب کے سانچہ میں ڈھلا ہوا، عدیم النظیر، فہم مجسم، ادراک مشتمل نواب مصطفےٰ خاں بہادر متخلص بہ شیفتہ ہے۔ معروف شعرا میں اس کی شاعری کا پایہ بلند ہے، نکتہ پردازوں کے گروہ میں جب تک اس کو شامل نہ کر لیا جائے تو وہ تمام پھول گلدستہ کی صورت میں اختیار کرتے اور خوب صورت مکان کے طاق کی زینت نہیں بنتے اور موتی جب تک دھاگے میں نہیں پروئے جاتے وہ شفاف بانہوں اور گوری گردن پر جگہ حاصل نہیں کر پاتے۔ شاعری کی جانچ پرکھ کو اس پارکھ کے ذہن کی پرکھ درکار ہے اور غور طلب بات یہ ہے کہ سونے کو جب تک کسوٹی پر نہ پرکھا جائے اس کی پوری پرکھ ہرگز پتہ نہ چلے گی اور کھرے سونے کو بھی جب تک سانچہ میں رکھ کر ڈھالا نہ جائے سکّہ کا نقش ٹھیک سے نہیں بیٹھتا (یعنی بازار میں چلنے لائق نہیں بنتا) اس کے انتخاب کا نقطہ گویا اشعار کی دلہنوں کے رخسار کا تل ہے (یعنی انتخاب سے شعر سنور جاتا ہے) اور

اس کے خوشبو بردار دستخط زبان ہندی کے محبوب نما چمکدار اشعار کے ابرؤں کا رنگ و روغن ہیں اپنے اشعار کی دولت سے وہ آفتاب عالمتاب کی بلندی پر نظر آتا ہے۔ وہ عرب کے ساتھ طول کلامی پر قدرت رکھتا ہے۔ افغان کو یہاں اپنے ملک کی زبان نظر آئے گی۔ سربلندی کے لحاظ سے وہ ہندی زبان کے خیمہ کی رسّی کو ساتویں آسمان تک باندھنے کو لے گیا ہے۔ انتظام کے لحاظ سے وہ اردو زبان کی بلندیوں کا منتظم ہے۔

فلک کی بلندی کو چھونے والا ہے ہر وہ شعر جو اس کے انتخاب میں نہیں آیا ہے اس کی حیثیت مشکوک ہے اور جس شعر کو اس کی نگاہ انتخاب نے چُن لیا ہے وہ گویا سونے کا بن گیا ہے اور اس کی حیثیت غیر مشکوک۔ ظہوری اور عرفی کو زمانہ کا شعور نہیں تھا ورنہ فن شاعری کے نادرات کے اس تذکرے میں اپنے اشعار درج کرانے کی آرزو رکھتے، ہندی زبان سیکھتے بھلے ہی یہ بات لوگوں کو ہنساتی کہ دیکھو یہ بچّے بن رہے ہیں۔ اس کا قلم ہر امتحان سے کامیاب گزر جانے والا ہے اس کی تحریریں کوئی داغ ہے تو ایسا کہ خوشبودار رخسار پر تل (یعنی تحریر کی خوبی کو بڑھانے والا) کہ جو خوشبو میں لپٹا ہوا ہے اور جس کے سیل سے رخسار کے بنفشئی خط سیراب ہوتے ہیں اس کے کاغذ کے صفحہ کی اٹھان دو دوحشت کے مانند گھماؤ دار ہے کہ جو حسینوں کی پیشانی کو مانند کرتی ہے۔ اور اس کتاب کی چمک بہترین موتی کی چمک کو مات دیتی ہے۔ اس کے قلم کی تیزیِ جادو کرنے والی اور سحر تحریر کرنے والی ہے گویا سرمہ لگی سیاہ مژگان خنجر کی سی آب دکھلائے۔ اس کی سیاہ معطر پینسل کسی حسن خیز شہر کی دلہنوں کی ابرو کی نسل سے ہے۔ اس کے قلم بنانے میں پیدا شدہ برادہ تاتاری مشک و عنبر کے ریزوں کا ہم قیمت ہے۔ اس کے نامہ کے دامن کی گرد، فصل بہار کے پھولوں کے ملبوس کا عبیر ہے۔ اس کے گفتار کی نمکینی کا غلغلۂ حاسدوں کی آنکھوں میں (چبھنے والے) نمک کے ڈھیر لگاتا ہے۔ اس کے

دل میں اتر جانے والے نکتوں کی شہرت نے حرف گیری کرنے والوں کے منہ بند کر دیئے ہیں۔ ریختہ کہ جو اس کے سلاست نگار قلم سے برستا ہے گویا زمین پر چشمہ سلسبیل سے بڑھ کر ہے۔

اس کے رنگین اشعار سن کر اور اشعار کے ذکر پر پرند یمانی گوہر نثار کرتا ہے۔ اس کی زبان میں گوہر بار ابر نیساں کی تاثیر ہے۔ ماہ نو حالانکہ نیلگوں شام سے اپنی ابرو کو رنگتا ہے مگر اس کے مصرع بلند شجر کی سرسبزی کو نہیں پہنچ پاتا۔ صبح کی سپیدی اگرچہ شفق سے سرخی مستعار لے کر اپنے چہرے پر ملتی ہے لیکن اس کی رنگین کتاب کے رخ کی سرخروئی کو اپنے چہرے میں نہیں پاتی۔ اشعار کی کتاب میں اس کی فصیح نثر نے داخل ہو کر ایک ایسی تکمیل کو جنم دے دیا ہے کہ وہ باقی تمام سے نیاز بن گئی ہے۔ اس کے مسودات سے رونق د گرم بازاری ہے۔ اس کے جادو کے سامنے سامری کا جادو بچوں کا کھیل ہے اس کی کرشمہ سازی کے مقابل مسیحا کا معجزہ کچھ نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی باغ کی سی فطرت رکھنے والا اپنے شگفتہ قلم سے انشا لکھے۔

ہندوستان کے خوش نصیب شعراء اس کے التفات و مہربانی کے عکس سے صبح بہار کے ستارے کے مانند روشن ہیں اور ہندوستانی غزلیات کی تیرہ و تار زمین کو اس کی فکر سیراب کرتی ہے اور ایک باغ پیدا کر کے اس کی فضا میں خوشبو بکھیرتی ہے۔ اس کے دیوان کو سینہ سے لگانے پر یہ اعجاز ہوتا ہے کہ آدمی اس کی حفاظت کے گھیرے میں آجاتا ہے۔ اس کے اشعار سے موتی بکھیرتے ہوئے معانی نکلتے ہیں اور لوح دل پر اس کے رنگین خیالات نقش و نگار بنا دیتے ہیں کہ جو مانند نقوش آسمانی کے ہوتے ہیں۔ اس کی رنگین نثر کا نظارہ نگاہ کے لیے عقیق یمنی کا نظارہ ہے۔ اس کے دیوان میں آفتاب پنہاں ہے جس کی ورق گردانی کرنے والی انگشت وادی یمن کے درخت کے مانند ہو جاتی ہے۔ طبع وہ کہ جو ابر نیساں کے

مانند موتیوں کی بارش کرے۔ مزاج وہ کہ جو بہار کی عطر بیز ہوا کے مانند ہے
اس کا دل شفاف دھرتی ہے جو آفتاب سا چمکتا ہے۔ اس کا مزاج
دولت لُٹا دینے والا ہے۔ ضمیر کی روشنی طور کے جلوے کو شرماتی ہے۔ اس
کا خیال درحقیقت خیال نما چہرہ سے زیادہ روشن ہے۔ اس کی فکر میں
آسمان کی روشنی ہے اور وہ بیک وقت عرش سما بھی ہے۔ اس کی نگاہ
باشندگان جنت کی نگاہ سے بڑھ کر پاک و مطہر ہے۔ اس کی عقل و خرد
روحانیت پسندوں کی روح افزائی کا باعث ہے۔ اس کی فطرت آبِ
کوثر کو پانی پانی کرنے والی ہے۔ اس کی تقریر صاف شفاف ہے۔ یوں
سمجھئے کہ اس کے یہاں فطرت کی بلندی، فکر کی تیزی، نگاہ کی گہرائی، فراست
کی بلندی، طبع کی مشکل پسندی، فکر کی باریکی، خیال کی نزاکت، مزاج کی
شفافی، نگاہ کی لطافت، نظر کی پاکیزگی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ وہ رنگ برنگے
کارخانے کی ایک خاص الخاص منفرد ہستی ہے۔ اس کے یہاں معانی کی
تازگی، الفاظ کی طراوت، بھرپور ادائیگی، انداز دل تک راہ بنانے والا، پرواز
کی رنگینی، ترتیب کی لطافت، اسلوب کی خوش قامتی، آگے نکل جانے والا
کلام، نئی طرز، عبارتوں کی چاشنی، استعارات کی نمکینی، جانے پہچانے الفاظ،
غیر متعارف معانی پائے جاتے ہیں۔ ان تمام خصوصیات سے وہ بھرا پڑا ہے
رنگ رنگ کے خیالات اور مقامات اس میں جمع ہیں اور اس طرح کہ اس
کے دریا جیسے قلم سے تحریر سیراب ہوتی ہے۔ صفحہ کاغذ پر اس کا جادو نگار معنی
طراز قلم خطوط و نقوش کی ایسی ہریالی ثبت کرتا ہے کہ وہ صفحہ جنت الفردوس
کو شرماتا ہے۔ معانی و مطالب کے اس چمن کا نظارہ کرنے والے اس نسخۂ
بہشت کی باقاعدگی اور طور کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔